# شعر العجم
۱۳۴۱ھ

## حصۂ اوّل

## عباس مروزی سے نظامی تک

مادۂ تاریخ آغاز تصنیف
**تاریخ عجم**
سنہ ۱۳۲۴ھ

مادۂ تاریخ اختتام تصنیف
**تذکرہ**
سنہ ۱۳۲۵ھ

مصنفہ
مولانا شبلی نعمانی مرحوم

باہتمام احقر العباد محمد حسن
مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تیر بہدف مجربات

**اکسیر حیات** جملہ جسمانی تکالیف درد، موچ، چوٹ، زخم، وجع المفاصل، بواسیر، رقت، سرعت، بجریان، پیٹ کے درد وغیرہ کے لیے اس سے بہتر دوا اس صدی میں ایجاد نہیں ہوئی سفر دور، اور گشت میں اس کا رکھنا نہایت ضروری ہے قیمت فی شیشی عہ/ محصول ڈاک و پیکنگ ۷/

**اکسیر مراد** جریان و کثرت احتلام کو دور کرتا ہے، درد سر، کمر، سستی، کمزوری کا دافع ہے، اعضائی رئیسہ کو قوت دیتا ہے مغلظ و مبہی ہے، توانائی و قوت دینا اس کا ضروری فعل ہے نا امید نہو جیے کم سے کم ایک ہفتہ اس استعمال کر کے اسکے عجیب و غریب اثر کو ملاحظہ فرمائیے ایک ہفتہ کی خوراک عہر دو ہفتہ عار محصول ڈاک و پیکنگ ۷

**نمک فخری** بدہضمی، پیٹ کے درد، نفخ، کھٹی یا جلی ڈکاروں، کمی اشتہا اور ضعف معدہ کے بہترین نمک۔ نمک فخری کی مقبولیت کا راز یہی ہے کہ حلق سے اترتے ہی سنگی شروع ہو جاتی ہے۔ جو لوگ معدہ کی شکایات سے مایوس ہو چکے ہوں ایک بار تجربہ کریں۔ ہر گھر اور ہر خاندان میں اس کی ایک شیشی موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ قیمت فی شیشی کلان ۶ محصول ڈاک و پیکنگ ۷/

**جوب آتشک** اکیس روز میں نہایت ہی کہنہ مرض یقیناً دور ہو جاتا ہے، ان حبوب پر مجھ کو فخر خصوصاً اس وجہ سے کہ جناب حکیم عبد المجید خان صاحب دہلوی نے نسخہ کی قیمت مبلغ تین ہزار روپیہ عنایت فرمائے تھے واقعی یہ نسخہ ایسا ہی بے مثل ہے۔ بڑی تعریف یہ ہے کہ اور دواؤں کی طرح اس کے استعمال سے نہ منھ آتا ہے اور نہ قے اور دست کی مطلق تکلیف ہوتی ہے اور طرہ یہ کہ پھر کبھی یہ مرض تمام عمر عود نہیں کرتا۔ قیمت عہر محصول ڈاک و پیکنگ ۷/

**نمک انواری** درد گردہ ریگ مثانہ و پتھری کے لیے اپنا مثل نہیں رکھتا دمہ کے لیے بے انتہا مفید ہے۔ جو حضرات مختلف معالجات سے پریشان ہو کر نا امید ہو بیٹھے تھے الحمد للہ کہ "نمک انواری" اُن کے لیے ہمیشہ تریاق و اکسیر ثابت ہوا قیمت فی شیشی کلان عہر محصول ڈاک و پیکنگ ۷/

**سرمہ حسینی** غبار، دھند، جالا، رتوندی اور ضعف بصارت کے لیے بے مثل و بے نظیر سرمہ اگر اعتبار نہو تو بطور آزمایش چند روز استعمال فرمائیے تاکہ تجربہ کے بعد ہماری سچائی اور صداقت ثابت ہو۔ قیمت فی تولہ عہ/ نصف تولہ ۱۰/ محصول ڈاک و پیکنگ ۷/ دس۔۔۔ کے ٹکٹ آنے پر نمونہ فوراً بھیجا جاتا ہے

**المشتہر:۔ مظہر محسن وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ**

## فہرست مضامین شعر العجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرم جویان، درے را می پرستند — فقیہان، دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاران دیگرے را می پرستند

والصلوٰۃ علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک مین جسقدر زیادہ قابلیت تھی اسی قدر زیادہ فیضیاب ہوئی، عرب ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم، سب اسکے حلقہ مین آگئے لیکن قبول اثر مین سب یکسان نہ تھے، فرق مراتب تھا، اور فرق مراتب کی حیثیتین بھی مختلف تھین، جس قوم مین جس قسم کی قابلیت تھی اسلام نے اسکو اور چمکایا، ترک شجاع تھے شجاع تر ہوگئے، ایرانی ہمیشہ سے تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون مین ممتاز تھے اسلام نے اُن کو ممتاز تر کر دیا، بوعلی سینا، غزالی، رازی، طوسی، امام بخاری، مسلم، سیبویہ، جوہری، سب ایران ہی کی خاک سے اُٹھے تھے، آج تمام اسلامی دنیا مین ایران ہی کی تہذیب و معاشرت جاری ہے، ترکون نے بڑی بڑی پُرزور سلطنتین قائم کین لیکن

دفتر کی زبان اور دربار کے دستور اور آئین نسلاً بعد نسلٍ اسی ہی رہے۔

ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت مین بھی سب سے ممتاز تھی، اور بالخصوص شاعری اس کا خمیر تھا، اسلام نے اس خاص جوہر کو زیادہ چمکایا اور اس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف، اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف لیکن افسوس یہ ہی کہ آجتک کسی اسلامی زبان مین ایران کی شاعری کی کوئی ایسی تاریخ نہین لکھی گئی جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی، کن اسباب سے شروع ہوئی؟ کس طرح عہد بہ عہد بڑھی؟ کیا کیا انداز قائم ہوے؟ کیا کیا صورتین بدلین، ملکی اور قومی حال[illegible] نے اُس پر کیا کیا اثر کیے؟ خود اُس نے ملک اور قوم پر کیا اثر ڈالا؟

شعراء کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاض اشعار ہین جنمین شعراء کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھدیے ہین، شعراء کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین، اور شاعری کے عہد بہ عہد کے انقلابات اور اُنکے اسباب کا تو مطلق ذکر نہین، مین اس کمی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا، اور اکثر اسی ادھیڑ بُن مین رہتا تھا، مئی ۱۸۹۴ء مین میرے معزز دوست اور اُستاد مسٹر آرنلڈ نے مجھ کو اطلاع دی کہ جرمن کے ایک پروفیسر جیمس ڈارمسٹیٹر نے اس موضوع پر فرنچ مین ایک کتاب لکھی ہی مین اس زمانے مین فرنچ زبان سیکھ رہا تھا بڑے شوق سے کتاب منگوائی لیکن وہ ۵۰ صفحون کا ایک رسالہ تھا جسمین شعراء کے نہایت معمولی حالات تھے، ایک مُدت کے بعد اس مصنف کی ایک اور ضخیم کتاب شایع ہوئی، جو تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز تھی لیکن وہ زبان کی تاریخ ہی جسمین ژند، پہلوی وغیرہ زبانون پر نہایت محققانہ بحث کی ہی اور اسلام کے قبل کی تصنیفات کا سُراغ لگایا ہی، شاعری کی تاریخ سے اُسکو لگاؤ نہین۔

اس اثنا مین مین سررشتہ علوم و فنون حیدرآباد کے تعلق سے سلسلۂ **کلامیہ** کیطرف متوجہ ہوا، اور چند کتابین لکھین جو چھپ کے شایع ہوئین اس سلسلہ سے فی الجملہ فراغت ہوئی تو



پچھلے سال پُرانا خیال پھر تازہ ہوا، اور ۶ مارچ ۱۹۰۶ء کو مین نے اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا، لیکن بیچ بیچ مین **موازنۂ انیس** اور **الندوہ** سدّراہ ہوتے رہے، جب موازنہ سے بالکل فارغ ہو کر ہمہ تن اس کام مین مصروف ہوا اور **فردوسی** کے حال تک پہنچا تو، ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء کو صدمۂ پا کا واقعہ پیش آیا یعنی اتفاق سے میرے پاؤن مین گولی لگی اور پانون کاٹ ڈالا گیا،[1] یہ بھی فردوسی کی کرامت تھی کہ واقعہ سے ذرا پہلے **شاہنامہ** کا مصرع دریدو برید و شکست و بہ بست، قلم کی زبان پر تھا، اس حادثہ نے تین چار مہینے لکھنے سے معذور رکھا، پھر وہ سلسلہ شروع ہوا اور باوجود درد اور تکلیف کے کچھ نہ کچھ کام ہوتا گیا یہان تک کہ ستمبر ۱۹۰۶ء کی چھٹی تاریخ کو دورِ اوّل کا پہلا حصّہ انجام پذیر ہوا۔

کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہی کہ قدما، متوسطین، متاخرین، کے تین دور ہین، پہلا دور حنظلہ سے شروع ہو کر نظامی پر تمام ہوتا ہی، دوسرا کمال اسمٰعیل سے جامی تک، اور تیسرا فغانی سے ابوطالب کلیم تک کلیم کے بعد شاعری، شاعری نہین رہی بلکہ چیستان گوئی بن گئی، اُن دورون کے لحاظ سے کتاب تین حصون پر منقسم ہی چوتھے حصہ مین شاعری پر عام ریویو ہی اور یہی حصہ گویا کتاب کی جان، اور اُسکی روحِ رواں ہی، اس کتاب کی ترتیب مین جن کتابون سے مدد لی گئی ہی، اگرچہ بہت ہین، لیکن خاص طرح پر جو ذکر کے قابل ہین حسب ذیل ہین۔

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|---|---|---|
| **لب اللُّباب** | **عوفی یزدی** | سب سے پہلا تذکرہ ہی، مصنف ساتوین صدی ہجری مین تھا اور اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہین، پروفیسر براؤن نے تصحیح و تحشیہ |

[1] شبلی نامہ سیہ را بہ جزاے عملش — پا بریدند و صدا خاست کہ سر می بایست

| | | |
|---|---|---|
| | | کرکے شایع کیا ہی۔ |
| چہار مقالہ | نظامی عروضی سمرقندی | مصنف نظامی گنجوی کا ہمعصر تھا، گو مختصر سا رسالہ ہی لیکن نہایت مفید باتین لکھی ہین خود بھی باکمال شاعر تھا۔ |
| تذکرہ دولت شاہ سمرقندی | | مشہور تذکرہ ہی۔ اور گو اکثر جگہ غلطیان کی ہین تاہم دلچسپ اور مفید ہی۔ |
| تاریخ آل غزنین | بیہقی | مصنف مسعود بن سلطان محمد غزنوی کے زمانہ مین تھا ضمناً شعراء عصر کا تذکرہ کیا ہے، |
| عرفات | اوحدی | عرفی وغیرہ کا ہم صحبت تھا، یہ تذکرہ ضخیم دو جلدون مین ہی، حالات بھی کسقدر تفصیل سے لکھے ہین؛ |
| مے خانہ | عبدالنبی فخرالزمانی | جہانگیر کے زمانہ مین تھا، صرف اُن شعراء کا حال لکھا ہی جنھون نے ساقی نامے لکھے تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل ہی، اور اپنے ہمعصرون کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے؛ |
| تذکرۃ الشعرا | میرزا طاہر نصیرآبادی | سنہ ۱۰۸۳ھ کی تصنیف ہی؛ |
| مآثر رحیمی | عبدالباقی نہاوندی | مصنف خان خانان عبدالرحیم کا درباری تھا کتاب اصل مین خانخانان کی سوانح عمری ہے، ضمن مین تمام شعراء خانخانی کے حالات بھی لکھے ہین اور تمام تذکرون کی نسبت زیادہ مفصل اور صحیح لکھے ہین۔ |



| | | |
|---|---|---|
| مرآۃ الخیال | شیر خان لودی | چھپ گیا ہی، |
| ہفت اقلیم | امین رازی | جہانگیر کے عہد مین لکھا گیا، مستند اور معتبر ہے |
| تذکرہ میر تقی کاشی | | ۹۹۳ھ کی تصنیف ہی |
| تذکرہ سامی | سام میرزا صفوی | خاندان صفویہ کا شہزادہ اور جہانگیر کا معاصر تھا |
| حبیب السیر | | معتبر کتاب ہے، مصنف جہانگیر کے عہد مین تھا. |
| ریاض الشعرا | والہ داغستانی | |
| سرو آزاد | مولوی غلام علی آزاد | شعرائے عہد تیموریہ کا تذکرہ ہی۔ |
| ید بیضا | " | عام تذکرہ ہے، |
| خزانۂ عامرہ | " | صرف اُن شعراء کا حال ہی جن کو مدح کے معاوضہ مین صلہ ملا۔ |
| مجمع النفائس | خان آرزو | |
| مجمع الفصحا | ہدایت قلی خان | حال کی تصنیف ہی۔ شعراء کا کلام نہایت کثرت سے جمع کیا ہی۔ |

شعرا کے کلیات اور دیوان جسقدر نظر سے گذرے اُن کی فہرست اسقدر لمبی ہی کہ کئی ورق صرف ہون گے اس لیے قلم انداز کرتا ہون۔

عجیب بات یہ ہی کہ یورپ نے فارسی زبان کے ساتھ مسلمانون سے زیادہ اعتنا کیا، مسلمانون کو اسلام سے قبل فارسی زبان کی ایک تصنیف کا بھی پتہ معلوم نہ تھا۔ لیکن یورپ نے اِن تصنیفات کا اِس قدر سرمایہ جمع کر لیا کہ زردشت سے لیکر نوشیروان کے عہد تک زبان کی پوری تاریخ مرتب ہو گئی۔

پروفیسر دارمسٹیٹر جرمنی نے فرنچ زبان مین ایک ضخیم کتاب لکھی جسمین کیومرث سے لیکر اسلام کے عہد تک چار دور قایم کیے اور ہر دور کی زبان کی نحو صرف، لغات،

الفاظ و تغیرات پر مفصل ریویو لکھا (یہ کتاب ہماری نظر سے گذری ہی) یورپ کے اور محققین نے خاص خاص زبانون پر مستقل تصنیفات لکھین، خصوصًا اوستا اور ژند کی زبان کے متعلق اسقدر کثرت سے معلومات مہیا کیے کہ نکتہ نکتہ حل ہو گیا۔ اکثر اساتذہ کے دیوان، جو نایاب تھے انکو بڑی کوشش اور تلاش سے بہم پہنچا کر تصحیح و تحشیہ کے ساتھ چھاپا۔ منوچہری کے قصائد ایران مین نہایت نا تمام اور غلط سلط چھپے تھے لیکن فرانس مین اس اہتمام سے چھاپا کہ دیکھ کر آنکھین روشن ہوتی ہین، اسکے ساتھ فرنچ مین اس کا ترجمہ بھی چھاپا، اور لغات و اصطلاحات کی علیحدہ فرہنگ لکھی، اسی طرح روس کے پروفیسر والنٹن ژوکوسکی نے انوری کے قصائد چھاپے اور دیباچہ مین انوری کی سوانح اور کلام پر ریویو لکھا، پروفیسر نولدکی نے خاص شاہنامہ کے تاریخی ماخذون پر ایک مستقل کتاب جرمنی زبان مین لکھی، شعرا کے بہت سے تذکرے لکھے گئے جنمین سے سر گور اوسلی کا تذکرہ عام طور پر مشہور ہی۔ سب سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب پروفیسر براؤن نے لکھی جو کیمبرج کالج کے فارسی لکچرار ہین اس کتاب[1] کے دو حصے شایع ہو چکے ہین۔

ان کوششون کے علاوہ قدیم فارسی زبان کی اصل کتابین بہم پہنچائین اور چھاپکر شایع کین، آج مسلمانون کے پاس پہلوی زبان کا ایک حرف بھی موجود نہین لیکن یورپ نے پہلوی زبان کی بہت سی تصنیفات شایع کین جنمین سے ایک کتاب یاتت زریران حضرت عیسیٰ سے پانچسو برس قبل کی تصنیف ہی۔

ان تصنیفات مین سے بعض بعض میری نظر سے گذرین، اور جن سے فائدہ اُٹھا سکنا ممکن تھا مین نے فائدہ اُٹھایا، لیکن ان تمام باتون پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کتاب کے لکھنے کا جو حق تھا پورا ہوا، قدیم واقعہ نگارون اور تذکرہ نویسون نے جو کمی کی وہ آج کیونکر

[1] اس کتاب کا نام لٹریری ہسٹری آف پرشیا ہی اور لندن مین سنہ ۱۹۰۲ء مین چھاپی گئی ہی۔ ۱۲



پوری ہو سکتی ہی؂

گیرم کہ مرا طرز نوشتن نشد از یاد    پیداست کہ با این سر و سامان چہ نویسم

## شعر کی حقیقت

چونکہ ایک مدت سے علم کی کمی اور طبیعتون کی بد مذاقی نے شعر کی حقیقت پر پردہ ڈالدیا ہی اس لیے ضرور ہی کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کی جائے تا کہ ایک صحیح معیار قائم ہو جس سے ایران کی شاعری کا اندازہ کیا جائے[1]

شاعری کی حقیقت اور اسکی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی چنانچہ اُس نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جس کا نام بوطیقا (پوئٹری) ہی، اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان مین ہوا اور ابن رشد نے اسکی تلخیص کی، اس تلخیص کے جستہ جستہ حصے پروفیسر شیخو لویس نے اپنی کتاب علم الادب مین جو بیروت مین چھپ گئی ہی شامل کیے ہین افسوس ہی کہ چونکہ مسلمانون نے ارسطو کی ادبی تصنیفات کی طرف التفات نہین کیا اس لیے شاعری کے متعلق ارسطو کے جو خیالات تھے وہ مسلمانون مین بالکل پھیل نہ سکے۔

**شعر کی عام تعریف**

کتب ادبیہ مین شاعری کی جو تعریف کی گئی ہی اور وہی عام و خاص کی زبانون پر جاری ہی۔ یہ ہی کہ "کلام موزون ہو، اور متکلم نے بہ ارادہ موزون کیا ہو" لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہی، آج تو یہ مسئلہ بالکل فیصل ہو چکا ہی لیکن قدما کے کلام مین بھی

**شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہین**

اسکے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہین، کتب ادبیہ مین مذکور ہی کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت کے صغیر السن بچے کو بھڑ نے کاٹ کھایا، وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجھ کو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے،

[1] شاعری کی حقیقت پر ہم نے جو کچھ لکھا ہی نہایت اجمالی لکھا ہی، اسکے متعلق اسقدر مواد موجود ہی کہ ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہی۔

حسانؓ نے جانور کا نام پوچھا، وہ نام سے واقف نہ تھا، حسانؓ نے کہا اچھا اُس کی صورت کیا تھی؟ بچے نے کہا "کَاَنَّہٗ مُلْتَفٌّ بِبُرْدَی حِبَرَۃ" یعنی "گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادرون مین لپٹا ہوا ہی" چونکہ بھڑ کے پرون پر رنگین دھاریان ہوتی ہین اسلیے اُس نے مخطط چادر سے تشبیہ دی، حسان اُچھل پڑے اور خوشی کے جوش مین کہا کہ "واللہ صار ابنی الشاعر" یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگیا" فقرہ موزون نہ تھا، لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی، حسانؓ نے سمجھا کہ بچے مین شاعری کی قابلیت موجود ہی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہی کہ اہل عرب کے نزدیک شعر کی اصلی حقیقت کیا تھی؟ ابن رشیق قیروانی نے عرب کی شعر و شاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی ہی اس مین شعرا اور علماے ادب کے جو اقوال نقل کیے ہین اُن سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہی،

شعراے فارس کے نزدیک بھی شاعری دراصل تخیل کا نام تھا، نظامی عروضی سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا معاصر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ مین لکھتا ہی۔

"شاعری صناعتے است کہ شاعر بدان صنعت اتساق مقدمات موہومہ کند والتیام قیاس نتیجہ بر آن وجہ کہ معنی خرد را بزرگ کند، و بزرگ را خرد، نیکو را در لباس زشت و زشت را در حلیہ نیکو جلوہ دہد، و با ایہام قوت غضبانی و شہوانی برانگیزد تا بدان ایہام طبایع را انبساطے و انقباضے بود و امور عظام را در نظام عالم سبب گردد"

اس تعریف کا ماحصل یہ ہی کہ شاعری اسکا نام ہی کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بدنما اور بُری چیز خوش نما ثابت کی جائے جس سے محبت و غضب کی قوتین مشتعل ہو جائین۔

یہ قدما کے اقوال و خیالات تھے یورپ کے نکتہ سنجون نے اس مسئلہ پر نہایت دقیق بحثین کی ہین اور عجیب نکتے پیدا کیے ہین مل نے اس پر ایک نہایت مفصل



اور بسیط مضمون لکھا ہی جسکا نہایت مختصر خلاصہ حسب ذیل ہی۔

"انسان کے مدرکات مین سے بعض ایسے ہین جن سے جذبات انسانی کو کچھ تعلق نہین، مثلاً اگر ہم اقلیدس کا کوئی مسئلہ حل کرین تو اس سے ہمکو غصہ یا جوش یا رنج نہین پیدا ہوگا، لیکن اگر ہمارے سامنے کسی شخص کی مصیبت کا حال، دردانگیز لفظون مین بیان کیا جائے، تو اس واقعہ کے ادراک کے ساتھ ہم پر ایک اثر طاری ہوگا، اس قسم کے اثرون کا نام جذبات یا احساسات ہی اور جو چیز ان جذبات یا احساسات کو برانگیختہ کرسکتی ہو وہی شاعری ہی، اس تعریف کی بنا پر تصویر، تقریر، وعظ بھی شعر مین داخل ہو جاتے ہین کیونکہ یہ چیزین بھی جذبات انسانی کو برانگیختہ کرسکتی ہین۔ اسی بنا پر بعضون نے ان چیزون کو بھی شاعری مین داخل کرلیا ہی۔ لیکن مل صاحب کے نزدیک یہ چیزین شاعری کے دائرہ سے باہر ہین، وہ کہتے ہین کہ "انسان جو کلام کرتا ہی اُسکی غرض کبھی تو دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہی۔ مثلاً اسپیچ۔ لکچر وغیرہ کہ ان سب کا مقصد دوسرون کا متاثر کرنا ہوتا ہی، کبھی دوسرون سے مطلق غرض نہین ہوتی بلکہ انسان محض اپنے آپ سے خطاب کرتا ہی اور اپنا آپ ہی مخاطب ہوتا ہی، مثلاً اگر کسی شخص کا بیٹا مر جائے تو اس حالت مین اُس کی زبان سے جو الفاظ نکلین گے اسکی غرض کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنا نہو گا، بلکہ وہ اپنا آپ مخاطب ہوگا۔ فرض کرو وہان کوئی شخص موجود نہو تب بھی وہی الفاظ اُسکی زبان سے نکلین گے۔ شاعری اسی قسم کے کلام کا نام ہی"، اس بنا پر شاعری کی تعریف منطقی طور پر کرنا چاہین تو یون کہین گے کہ جو کلام اس قسم کا ہو کہ اُس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہون اور اُس کا مخاطب حاضرین نہون بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو اُس کا نام شاعری ہی"

مل صاحب کی یہ تعریف اگرچہ نہایت باریک بینی پر مبنی ہی لیکن اس سے شاعری کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہی اور اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو فارسی اور

اُردو کا دفتر بے پایان بالکل بیکار ہو جائیگا۔

حقیقت یہ ہی کہ شعر کا دائرہ نہ اس قدر تنگ ہی جیسا ال صاحب کرنا چاہتے ہین اور نہ اسقدر وسیع جتنا ہمارے علماے ادب نے کیا ہی۔

شعر کی اصلی حقیقت

شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہی) ایک قسم کی مُصوّری یا نقالی ہی، فرق یہ ہی کہ مُصوّر صرف مادّی اشیا کی تصویر کھینچ سکتا ہی۔ بخلاف اسکے شاعر ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہی۔

ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہی، اس حالت مین جو اس پر صدمے گذرتے ہین، اور دلدوز خیالات کا جو طوفان اُسکے دل مین اُٹھتا ہی شاعر اسکی تصویر اسطرح کھینچ سکتا ہی کہ اگر رنج و غم مادّی چیزین ہوتین اور اُن کی تصویر کھینچی جاتی، تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے کھینچی تھی۔

اس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اسطرح کیا جائے کہ اُس شے کی اصلی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، تو اُسپر شعر کی تعریف صادق آئیگی، دریا کی روانی، جنگل کا سناٹا، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی، یا رنج، غم، غیظ، غضب، جوش محبت، افسوس، حسرت، خوشی، ان اشیا کا اس طرح بیان کرنا کہ اُن کی صورت آنکھون مین پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے یہی شاعری ہی۔

ایک اور پیرایہ مین شاعری کی تعریف کی جا سکتی ہی۔

دُنیا مین جسقدر قدرت کے مظاہر ہین، خواہ مادّی ہون مثلاً پہاڑ، بیابان، باغ، دریا وغیرہ خواہ غیر مادّی، مثلاً وصل، ہجر، تحسین، نفرین، ان سب کا دل پر اثر پڑتا ہی، اور ہر شخص کے دل پر پڑتا ہی، لیکن اثر کے مراتب متفاوت ہین، بعض اشخاص پر کم بعض پر زیادہ اور بعض پر بہت زیادہ ہوتا ہی، جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگون کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور



بعینہ اس اثر کو الفاظ سے بھی ادا کر سکتا ہو وہی شاعر ہی۔

شاعر کے جذبات اور احساسات، فطرتًا نہایت نازک، لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہین، دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہی لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بیتاب ہو جاتا ہی، دریا کی روانی سے ہر شخص محظوظ ہوتا ہی لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہی۔ سبزہ کے دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہی لیکن شاعر جھومنے لگتا ہی۔ ممکن ہی کہ اس درجہ کی کیفیت دوسرون پر بھی طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعہ سے اسطرح ادا نہین کر سکتے جسطرح شاعر کر سکتا ہی، حاصل یہ کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگون کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہو اور اُس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کر سکتا ہو وہی شاعر ہی۔

برادر عزیز مولوی حمید الدین نے جمہرۃ البلاغۃ فن بلاغت مین ایک نادر کتاب لکھی ہی اُسمین شعر کی حقیقت نہایت نکتہ سنجی سے بیان کی ہی اُسکا خلاصہ ذیل مین ہی، شاعر کے لفظی معنی صاحب شعور کے ہین، شعور اصل مین احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین یعنی شاعر وہ شخص ہی جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین مثلاً رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اُس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہین، رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہین، ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہی، انگڑائی مین اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہی، شاعر کی طبیعت پر رنج، یا خوشی، یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر پڑتا ہی۔ اور یہ اثر موزون الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی۔ اسی کا نام شاعری ہی۔

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہی۔ تو مختلف قسم کی آوازون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی۔ مثلاً شیر کی گونج، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک، بلبل کا ترانہ، اسی طرح

انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہی تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی اور جسطرح حیوانات کے جذبات کبھی حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین شلاً طاؤس ناچنے لگتا ہی، سانپ جھومتا اور لہراتا ہی، اسی طرح انسان کو چونکہ نطق کے ساتھ نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہی اسلیے موزون الفاظ مُنھ سے نکلتے ہین، اور ساتھ ہی انسان غنغنانے بھی لگتا ہی، اور جب یہ جذبہ زیادہ تیز ہو جاتا ہی تو انسان ناچنے لگتا ہی، یہ سب باتین جمع ہو جائین تو یہی اصلی شعر ہی، اس بیان سے ظاہر ہو گا کہ شعر الفاظ، وزن، نغمہ، اور رقص کے مجموعے کا نام ہی۔

لیکن چونکہ یہ تمام چیزین، جذبات کی کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین اسلیے ہر شعر مین ان تمام چیزون کا پایا جانا ضرور نہین تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہین ہو سکتا وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہی۔ راگ کی ایک قسم ہی اور یہی وجہ ہی کہ اہل عرب ہمیشہ اشعار کو گا کر پڑھتے تھے، شعر کے پڑھنے کو جو اہل عرب انشاد کہتے ہین، اُس کی یہی وجہ ہی کیونکہ انشاد کے اصلی معنی گانے کے ہین۔

ارسطو نے اس بحث مین سخت غلطی کی ہی وہ کہتا ہی کہ شاعری کے جذبے کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہی، اُسکی وجہ یہ ہی کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی مصوری ہے یعنے انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے اُن کی تصویر کھینچتا ہی، چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکات رقص کے ذریعہ سے اُس کو بتاتے جاتے ہین۔

لیکن ارسطو کا یہ خیال غلط ہی اصل یہ ہی کہ جذبات انسانی مثلاً رنج، خوشی وغیرہ انسان کے دل مین نہایت پُر زور حرکت پیدا کر دیتے ہین، یہی حرکت آواز یا راگ، یا رقص، یا تڑپ بنجاتی ہی مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہی تو دلمین ایک حرکت پیدا ہوتی ہی، اور یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہی، اور چونکہ یہ آثار، حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین اسلیے وہ حرکات نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہین جسطرح الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہین، غرض



جسطرح نطق، ایک فطری چیز ہی، اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی خود بخود سرزد ہوتے ہین، وہ نقالی اور محاکات کی غرض سے نہیں کیے جاتے، گو یہ ممکن ہی کہ محاکات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے۔

ان تمام خیالات سے تمکو شاعری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوا ہو گا، اور معلوم ہو گا کہ آج کل جس چیز کا نام شاعری ہی اُسکو شاعری سے کچھ تعلق نہین۔

## فارسی شاعری کی ابتدا

اس قدر عموماً مسلم ہی کہ اسلامی دور مین، شاعری تیسری صدی سے شروع ہوتی ہی ابو العباس مروزی کے اشعار جن کا ذکر آگے چلکر کہین آئے گا اگر روایتاً ثابت بھی ہون تو وہ ایک اتفاقیہ تفریح خاطر تھی، جو سلسلہ تاریخی کی کوئی کڑی نہین بن سکتی۔

خروج اسلام سے کئی برس تک فارسی شاعری کیون وجود مین نہین آئی

یہان سوال پیدا ہوتا ہی، کہ دو سو برس تک شاعری کی زبان کیون بند رہی، فارسی تذکرہ نویسون نے اُسکے اسباب یہ بتائے ہین "ظاہر است کہ اشعار قدیم، شعرائے عجم بسبب غلبہ عرب از میان رفتہ، چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیان را عرب سوختند از کتب قدیمہ چیزے برجا نگذاشتند الا قلیلے کہ پنہان داشتند، چون مردم ما قدغن بلیغ نمودند قاعدہ سخن فارسی و شعر متروک شد، تا مدتے گذشت و اوضاع بنوع دیگر گشت"

یہ مجمع الفصحا، کی عبارت تھی جو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے، اور ناصر الدین قاچار مغفور کے عہد مین ۱۲۸۴ھ مین تصنیف ہوا ہی، یہ خیال اصل مین دولت شاہ کے تذکرے سے ماخوذ ہی، اُس نے یہ روایت نقل کی ہی کہ "عبد اللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی تمام کتابین برباد کر دی جائین اس بنا پر آل سامان کے زمانے تک فارسی شاعری نے ظہور نہین کیا"

ان بزرگون کی تاریخ دانی کی داد دینے کا یہ موقع نہین، اسکے لیے ہماری مضمون

تراجم کو دیکھنا چاہیئے جو رسائل شبلی کے ساتھ چھپکر شایع ہوا ہی، لیکن استدلال کسقدر لطیف ہی، یعنی "چونکہ ایران کی قدیم کتابین برباد کردی گئیں، اسلیے اہل عجم فارسی مین شعر بھی نہ کہہ سکے"، اسلام نے ملکی زبان سے کبھی کچھ تعرض نہیں کیا، حضرت عمرؓ کے عہد سے حجاج بن یوسف کے زمانہ تک تمام دفاتر فارسی زبان مین تھے، حجاج کے زمانے سے عربی مین ہو گئے، لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی، رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہوکر اُردو کیطرح ایک جدید زبان پیدا ہوگئی، اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی، جو فارسی زبان سے کسی قسم کے تعصب کا اظہار نہین کیا گیا، تو فارسی شاعری نے کیا گناہ کیا تھا،

اصل حقیقت یہ ہی کہ اسلام جس قوم مین پھیلتا تھا، اس کو مذہبی اثر سے اسقدر لبریز کردیتا تھا کہ اسکو سوائے مذہب کے دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہین رہتا تھا، خود عرب کو دیکھو وہ ملک جسکے در و دیوار سے شاعری کی آواز آتی تھی اسلام کے آتے ہی دفعۃً چارون طرف سناٹا چھا گیا، ولید کے زمانہ سے جب شاہانہ دربار قائم ہوا تو لوازم سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا، لیکن تخت کی زبان عربی تھی اسلیے شاعری بھی عربی ہی رہی شعرا جو مدحیہ قصائد کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے فارسی مین شاعری کرتے تو ممدوح انکی زبان کیونکر سمجھتا، اور سمجھتا تو انکی داد کیا دے سکتا اتنے سے پہلے سی کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان مین رہا تھا، اور غالباً فارسی سے حرف آشنا ہوگیا تھا، عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی مین لکھا اور مامون الرشید نے اسکے صلے مین ہزار دینار سالانہ مقرر کردیے، ارباب تذکرہ لکھتے ہین، کہ اسلامی عہد مین فارسی شاعری کا یہ پہلا حرف تہجی تھا، اس سے پہلے اگر برائے نام کچھ پتہ چلتا ہی تو ابوحفص حکیم سغدی کا شعر ہی جو پہلی صدی ہجری مین موجود تھا شعر یہ ہی ؎

آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا　　دندارو یار، بے یار چگونہ بودا

ایک اور بڑا سبب یہ ہوا کہ چند ہی روز مین اسلام نے اپنے خاص علوم و فنون



ادب و انشا کا سرمایہ اسقدر وسیع کرلیا تھا، اور ہر شاخ مین وہ اختراعات اور جدتین پیدا کی تھین کہ اُسکے سامنے تمام قومون کو اپنا قدیم لٹریچر، ہیچ اور بے وقعت نظر آتا تھا دوسری تیسری صدی ہجری مین اسلام کی جہان جہان حکومتین قائم ہوئین یعنی ایران، مصر، شام، اندلس، ان تمام ممالک مین اسلامی علوم و فنون نے مفتوحہ قومون کے علوم و فنون کو بالکل ماند کردیا، اسلیے عرب کی شاعری کے آگے دوسری قومون کو اپنی زبان مین شاعری کرتے شرم آتی تھی، خراسان، مصر و شام، وغیرہ مین سیکڑون ہزارون شعرا پیدا ہو گئے تھے لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی مین کہتے تھے، چنانچہ ثعلبی نے یتیمۃ الدھر مین ان عجمی شعرا کا مفصل تذکرہ لکھا ہی۔

تیسری صدی ہجری مین دولت عباسیہ کا آفتاب اقبال ڈھلنا شروع ہوا اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہوکر نئی نئی حکومتین قائم ہونے لگین، اس قسم کی سب سے پہلی سلطنت جو قائم ہوئی وہ خاندان طاہریہ تھا، جو مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر ذوالیمینین کی طرف منسوب ہی، یہ خاندان جو ۵۴ برس حکمران رہا اور ۲۵۹ھ مین اس کا خاتمہ ہوگیا، اگرچہ خود مختاری کا مدعی نہ تھا لیکن خراسان مین اسکا اسقدر زور اور اقتدار ہوگیا تھا کہ خود مختاری کے تمام سر و سامان پائے جاتے تھے، دربار مین شعرا کا ہونا بھی ضرور تھا، اسلیے باوجود اسکے کہ یہ خاندان فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا، تاہم بہت سے شعرا پیدا ہوگئے

شاعری کے پیدا ہونیکو اسباب

منوچہری دامغانی نے ایک قصیدہ مین متقدمین شعرا کا ذکر کیا ہی ؎

بوالعلا و بوالعباس و بوسلیک و بوالمثل　　آنکہ آمد از نوا لج آن کہ آمد از ہری

از حکیمان خراسان کو شہید و رودکی　　بوشکور بلخی و بوالفتح بستی ہکذی

ان شعرون مین جن شعرا کے نام آئے ہین اُن مین طاہریہ شعرا بھی ہین یعنی حنظلہ بادغیسی، محمود وراق، فیروز مشرقی،

حنظلہ بادغیسی، یہ سب سے پہلا شخص ہی جس نے باقاعدہ شاعری اختیار کی

سنہ ۲۱۹ھ مین انتقال کیا، عروضی[1] سمرقندی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ صاحب دیوان تھا، چند اشعار یہ ہین،

یارم سپند گرچہ بر آتش ہمی فگند ۔۔۔ از بہر چشم تا نہ رسد مر در اگزند
اورا سپند و مجمرہ ناید ہمی بکار ۔۔۔ با روی ہمچو آتش و با خال چون سپند

یعنی میرا معشوق نظر بد سے بچنے کے لیے، آگ پر سپند جلاتا ہو لیکن اسکو اس کی کیا حاجت ہو، اس کا چہرہ خود آگ، اور اُس کا تِل خود سپند ہو۔ حنظلہ نے سنہ ۲۱۹ھ مین وفات[2] پائی۔

**محمود ورّاق**، محمد بن طاہر جو خاندان طاہر کا سب سے اخیر فرمانروا تھا، اُسکے زمانے مین تھا، مجمع الفصحا، مین اُسکے یہ دو شعر نقل کیے ہین ؎

نگارنیا بنقد جانت ندہم ۔۔۔ گرانی در بہا، ارزانت ندہم
گرفتم بہ جان، دامانِ وصلت ۔۔۔ نہم جان از کف و دامانت ندہم

**فیروز مشرقی**، اصل مین یمن کا رہنے والا تھا، سنہ ۲۸۳ھ مین وفات پائی۔ اسکے چند اشعار یہ ہین ؎

مرغی است خدنگ او عجب دیدی ۔۔۔ مرغے کہ شکار او ہمہ جانا
دادہ پر خویش کرگس ہدیہ ۔۔۔ تا بچہ اش را برد بہ مہمانا

خاندان طاہریہ کے اخیر فرمانروا محمد بن طاہر کو سنہ ۲۵۹ھ مین یعقوب صفار نے گرفتار کرلیا اور اِس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

خاندان صفاریہ کا عہد

یعقوب صفار، ذات کا ٹھٹھیرا تھا، لیکن شاہانہ دل و دماغ رکھتا تھا، یہانتک کہ خلافت عباسیہ کے زمانے مین اُس نے عَلَم بغاوت بلند کیا، اور خراسان و فارس پر قابض

[1] چہار مقالہ صفحہ ۲۷،

[2] یہ تمام حالات اور اشعار مجمع الفصحا سے ماخوذ ہین۔





ہوگیا سنہ ۲۶۵ھ مین وفات پائی اسکے بعد اُس کا بھائی عمرو بن لیث اور اسکے بعد اُسکا پوتا طاہر بن محمد چند روز حکمران رہ کر سنہ ۲۹۰ھ مین گرفتار ہوا اور اِس سلسلہ کا خاتمہ ہوگیا اِس چند روزہ خاندان نے بھی متعدد شعرا پیدا کیے جنمین سے **ابوسلیک گرگانی** زیادہ ممتاز ہو منوچہری دامغانی نے اِس کو قدما شعرا مین شمار کیا ہو، مجمع الفصحا مین اسکے یہ اشعار نقل کیے ہین ؎

بہ مژہ دل زمن بدزدیدی ۔۔۔ اے بلب قاضی و بہ مژگان دزد
مزد خواہی کہ دل زمن بردی ۔۔۔ اے شگفتا کہ دیدہ دزدی و مزد

شاعری کے متعلق اِس خاندان کا بڑا احسان یہ ہو کہ **رباعی** کی ایجاد اسی زمانے مین ہوئی، یعقوب صفار کا ایک کمسن بچہ ایک دن اخروٹون سے کھیل رہا تھا، ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے مین جا کر گرا، بچہ کی زبان سے بیساختہ یہ مصرع نکلا ع

غلطان غلطان ہمی رود تا لب گو، یعقوب بھی موجود تھا، اُسکو بچہ کی زبان سے یہ موزون کلام بہت پسند آیا، لیکن چونکہ اس وقت تک اِس بحر مین اشعار نہین کہے جاتے تھے شعرا کو بلا کر کہا کہ یہ کیا بحر ہو انھون نے کہا ہزج ہو، پھر تین مصرعے اور لگا کر رباعی کر دیا۔ اور **دوبیتی** نام رکھا، مُدّت تک یہی نام رہا، پھر دوبیتی کے بجاے رباعی کہنے لگے،[1] لیکن یہ تعجب ہو کہ عربی زبان مین آج بھی دوبیتی کہتے ہین جس سے اہل عرب کی دیانت کا اندازہ ہوسکتا ہو

## خاندان سامانیہ

خاندان سامانیہ

اسوقت تک جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی لیکن خاندان سامانیہ نے دفعۃً اس زمین کو آسمان بنا دیا، رودکی جو فارسی شاعری کا ابو الآبا سمجھا جاتا ہو اِسی دربار کا

[1] تذکرہ دولت شاہی سمرقندی۔

دست پرور تھا شاہنامہ جو عجم کا صحیفۂ آسمانی ہو اُس کا عنصر اسی عہد مین تیار ہوا اس خاندان کا سلسلۂ نسب بہرام چوبین تک پہنچتا ہو۔ اس لیے اس خاندان مین حکومت کا آنا جم وکسریٰ کا دوبارہ عالم وجود مین آنا تھا، عدل وانصاف، جاہ وجلال شان وشوکت تربیت علم وفن، کسی بات مین وہ اپنے اسلاف سے کم نہ تھا۔

اس سلسلہ کے قائم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہو کہ مامون الرشید کی جہانداریان اور شاہانہ فیاضیانہ تھین، اُن مین ایک یہ بھی تھی کہ وہ قدیم خاندانون کی تربیت کا خیال رکھتا تھا جس زمانہ مین وہ مرو مین تھا، اس سلسلہ کا مورث اول اسد بن سامان دربار مین پہنچا، اور مامون نے اس کو باریابی قرب مین جگہ دی، جب مرو سے بغداد روانہ ہوا تو وہان کے گورنر کو تاکید کرتا آیا کہ اسد کی اولاد کو معزز عہدے دیے جائین اسد کے چار فرزند تھے، نوح، احمد، یحییٰ، الیاس، چنانچہ وہ سمرقند، فرغانہ، شاش، ہرات کے گورنر مقرر کیے گئے، نوح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد سمرقند کا حاکم مقرر ہوا، لیکن چند روز کے بعد اپنے بیٹے نصر کو اپنا قائم مقام کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا، ۲۶۱ھ مین خلیفہ معتضد باللہ نے نصر کو ماوراء النہر کی حکومت دی، اس نے اپنی طرف سے اسمٰعیل کو بخارا کا حاکم مقرر کیا، چند روز کے بعد دراندازون نے دونون بھائیون کو باہم لڑا دیا، یہانتک کہ نصر میدان جنگ مین گرفتار ہو کر اسمٰعیل کے دربار مین آیا لیکن اسمٰعیل نے حوصلۂ شاہانہ سے کام لیا اور بھائی کو قید سے آزاد کر کے تخت پر بٹھایا، آپ دست بستہ اسکے سامنے کھڑے ہو کر آداب و دست بوس کی رسمین ادا کین اور عرض کیا کہ مین وہی آپ کا ماتحت صوبہ دار ہون، نصر نے سنہ ۲۷۹ھ مین انتقال کیا، اور سمرقند کا صوبہ بھی اسمٰعیل کے ہاتھ آگیا،

سلسلۂ سامانیہ کی مستقل حکومت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہو چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا یہی اسمٰعیل تھا، یہ خاندان اکسو تیس برس تک قائم رہا، اسمٰعیل نے سنہ ۲۹۵ھ مین



وفات پائی، اسمٰعیل کے بعد احمد بن اسمٰعیل اور اسکے بعد نصر بن احمد تخت نشین ہوا اور یہی وہ تاجدار ہو جسکے دربار کا ملک الشعرا رودکی تھا، جو فارسی شاعری کا بانی کہا جاتا ہو، وہ نہایت فیاض عادل اور قدردان علم وفن تھا، تیس برس کی حکمرانی کے بعد سنہ ۳۳۱ھ مین وفات پائی، اسکے بعد اس کا بیٹا نوح فرمان روا ہوا، وہ بھی باپ کی طرح مربی علم وفن تھا، فلسفہ وحکمت اور دیگر علوم وفنون کا جو کتب خانہ اس نے مرتب کیا تھا، اُس کی نسبت علامہ ابن خلکان نے بو علی سینا کے حالات کے ذیل مین لکھا ہو[۱]۔

| | |
|---|---|
| کانت عدیمۃ المثل فیہا من کل فن من | یہ کتب خانہ بےنظیر تھا، اس مین متداول اور مشہور |
| الکتب المشہورۃ بایدی الناس وغیرھم | کتابون کے علاوہ وہ کتابین تھین جو اس کتبخانہ کے |
| ما لا یوجد فی سواھا ولا سمع باسمہ | سوا، اور کہین نصیب نہین ہوسکتی تھین اور جن کا |
| فضلا عن معرفتہ | جاننا تو درکنار کسی نے اُن کا نام بھی نہین سنا تھا، |

فلسفۂ یونان کی بیشمار تصنیفات خلفاے عباسیہ کی بدولت عربی مین ترجمہ ہو چکی تھین لیکن اکثر ترجمے نامفہوم اور مشتبہ تھے، اور جن کتابون کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے نوح بن نصر نے حکیم ابو نصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھ کر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کر دے، چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا، اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیے کہ حکماے اسلام

[۱] اس کتب خانہ کا حال خود بو علی سینا کی زبانی طبقات الاطبا مین نقل کیا ہو جسکا ماحصل ہو کہ یہ بہت بڑا کتبخانہ تھا، ہر علم وفن کے لیے الگ الگ مکان تھے، اور اسمین صرف اسی فن کی کتابین تھین کتابین اوپر تلے بترتیب صندوقون مین رکھی ہوئی تھین، بو علی سینا کا بیان ہو کہ مین نے قدما کی کتابون کی فہرست دیکھی اور اپنی پسند کے موافق کتابین نکلوا کر دیکھین اُن مین اکثر ایسی کتابین تھین جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے اور خود مین نے بھی کبھی اُن کو نہین دیکھا تھا۔

مین فارابی نے معلم ثانی کا جو لقب حاصل کیا ہو وہ اسی کتاب کی بدولت تھا<sup></sup> افسوس ہو کہ یہ کتب خانہ جل گیا، اور چونکہ اس کتاب کا اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضایع ہو گیا، اس لیے آج یہ بے نظیر کتاب ناپید ہو[1]۔

نوح نے ۳۴۳ھ مین وفات پائی، اسکے بعد عبدالملک اور عبدالملک کے بعد منصور بن نوح تخت نشین ہوا، اسکے دربار کا وزیر ابو علی بن محمد تھا، جسنے تاریخ طبری کا عربی زبان سے فارسی مین ترجمہ کیا، منصور نے ۳۶۵ھ مین وفات پائی اسکے بعد نوح بن منصور ثانی فرمانروا ہوا، دقیقی مشہور شاعر اسی کے دربار کا شاعر تھا، نوح کے بعد منصور بن نوح اسکے بعد عبدالملک اور اسکے بعد اسمٰعیل بن عبدالملک تخت نشین ہوا اور اسی پر اس خاندان کا خاتمہ ہوا، جسکی تاریخ ۳۹۵ھ ہو۔

## شعرائے سامانیہ

سلسلۂ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے، طاہریہ عربی النسل خاندان تھا اس لیے فارسی شاعری کو اُسکے زمانے مین عروج نہین ہو سکتا تھا، صفاریہ نو دولت اور کم اصل تھے اور اُن کی حیثیت ایک فتنہ جو باغی سے بڑھ کر نہ تھی لیکن سامانی خاندان نسل کیان کا یادگار تھا، اُن کی سلطنت نے ایک سو دس" برس کی عمر پائی، قدردان علم و فن ہونیکے ساتھ وہ خود بھی صاحب کمال اور سخن سنج تھے وہ دیکھتے تھے کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہین یہانتک کہ اُنکی شاعرانہ قوتین بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہین، خراسان و بخارا مین سیکڑون

[1] یہ واقعہ اکثر کتابون مین ہو کشف الظنون (باب الحکمۃ) مین اس واقعہ کو منصور بن نوح کے عہد سے منسوب کیا ہو، اور مورخون کو بھی یہ دھوکا ہوا ہو لیکن یہ صریح غلطی ہو اس لیے کہ فارابی نے ۳۳۹ھ مین انتقال کیا ہو اور منصور ۳۵۰ھ مین تخت نشین ہوا ہو۔



ہزارون شعرا موجود ہین جو نسلاً عجم ہین لیکن دارالخلافہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہین عربی مین کہتے ہین، ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی اور ملکی زبان کی ترقی پر شاہانہ توجہ کی، شعرا کی بیش قرار تنخواہین مقرر کین، خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے، کلیلہ دمنہ سنسکرت سے اولاً فارسی مین ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبداللہ بن المقفع نے اس ترجمہ کو عربی مین منتقل کیا تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہو گیا، نصر بن احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا کہ اسکو فارسی مین نظم کردے، عجم کی تاریخ ابتک نامرتب اور پریشان تھی، اس لیے دقیقی کو اس کام پر مامور کیا، چنانچہ اُس نے ہزار شعر لکھے اور یہ شاہنامہ کا پہلا سنگ بنیاد تھا، تفصیل ان واقعات کی آگے آتی ہو۔

شعرائے سامانیہ کی تعداد اگرچہ سیکڑون تک پہنچتی ہو، لیکن عروضی سمرقندی وغیرہ نے جن لوگون کا نام خصوصیت سے لیا ہو وہ یہ ہین، ابو العباس، ابو المثل، ابو اسحاق جوئباری، ابو الحسن، جنازی نیشاپوری، ابو الحسن کسائی، شہید بلخی، ابو المؤید، ابو عبداللہ فرالاوی رودکی، دقیقی، رابعہ فرداری، ابو ذر معمر جرجانی، ابو المظفر نصر بن محمد نیشاپوری عمارہ مروزی، طخاری، مرادی،

خاندان سامانیہ
شعراء

یہ تعین کرنا مشکل ہو کہ اس دور کا پہلا شاعر کون ہی؟ لیکن جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہو، ابو عبداللہ فرالادی، مرادی، شہید، بوشکور بلخی اس قافلہ کے پیشرو ہین رودکی کا ایک شعر ہو[1]

شاعر شہید و شہرہ فرالادی   دین دیگران بہ جملہ ہمہ راوی

یعنی شاعر اصل مین شہید ہو لیکن فرالادی مشہور زیادہ ہو گیا ہو، باقی اور شعرا انھین دونون کے رُواۃ ہین، رودکی نے شہید کا مرثیہ بھی لکھا ہو، چنانچہ کہتا ہو

کاروان شہید رفت از پیش   وان مارفتہ گیر و می اندیش

[1] مجمع الفصحا تذکرۂ ابو عبداللہ فرالادی

ازشمار دو چشم یک تن کم | وزشمار خرد ہزاران بیش

## رابعہ

اس دور کی یہ خصوصیت یادگار ہو کہ شعر و شاعری کا مذاق عورتون مین بھی پھیل گیا تھا، رابعہ قزداری تھی، جو رودکی کی ہمعصر تھی، اعلیٰ درجہ کی شاعر تھی اسکا باپ کعب اعراب مین سے تھا لیکن رابعہ عجم مین پیدا ہوئی اور اس وجہ سے عربی فارسی دونون زبانون مین شعر کہتی تھی نہایت حسین اور صاحب فضل و کمال تھی، بکتاش نام ایک غلام سے اسکو عشق تھا لیکن پھر مجازی سے گذر کر عشق حقیقی کی نوبت پہنچی چنانچہ اس کا شمار صوفیہ مین کیا جاتا ہو۔ تاہم چونکہ عورت کا کسی اجنبی مرد سے محبت کرنا اسلامی جماعت مین معیوب تھا۔ اس لیے لوگون نے اُس کو قتل کر ڈالا، مجمع الفصحا مین اس کے بہت سے شعر نقل کیے ہین جنمین سے چند یہ ہین۔

دعوت من بر تو آن شد کایزدت عاشق کناد | بر یکے سنگین دلے نامہربان چون خویشتن
تا بدانی درد عشق و داغ ہجر و غم کشی | چون بہ ہجر اندر بپیچی پس بدانی قدر من

## رودکی

اس دور کا مشہور شاعر ہی، تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان مین دیوان مرتب کیا وہ رودکی تھا۔

سامانیون کے دور مین سیکڑون شعرا تھے جنمین سے بعض کا تذکرہ آگے آئے گا لیکن آجتک سامانیون کا نام جسکی بدولت زندہ ہی وہ رودکی ہی۔ شریف گرگانی نے سچ کہا ہی

ازان چندین نعیم جاودانی | کہ ماند از آل ساسان و آل سامان
ثنائے رودکی ماندست و مدحش | نوائے باربد ماندست و دستان



رودکی کا اصلی نام محمد یا جعفر ہی، رودک، نخشب، کے ضلع مین جسکو نسف بھی کہتے ہین ایک گاؤن کا نام ہی، رودکی اسی گاؤن کی طرف منسوب ہی، بعضون کا بیان ہے کہ رودکی کی وجہ تسمیہ یہ ہو کہ وہ رود (ایک باجے کا نام ہی) اچھا بجاتا تھا۔

یورپ اور ایشیا کا یہ عجیب اتفاقی توافق ہو کہ رودکی بھی ہومر کی طرح مادرزاد اندھا تھا، آٹھ برس کی عمر مین قرآن مجید حفظ کیا، پھر علم قرأت کی تکمیل کی، اسی سن مین شعر کہنا شروع کر دیا، شاعری کے شغلہ کے ساتھ تمام متداول علوم و فنون حاصل کیے خوش قسمتی سے نہایت خوش آواز اور طبیعت بذلہ سنج واقع ہوئی تھی، سلاطین و امرا کے دربار مین ایک بڑی خدمت ندیمی کی تھی، تقرب و اثر کے لحاظ سے ندیم کا رتبہ وزرا سے بھی بالاتر ہوتا تھا اس عہدہ کے لیے بذلہ سنجی، لطیف الطبعی، حاضر جوابی، ظرافت، وسعت معلومات، ضروری شرطین تھین، رودکی مین یہ سب شرطین جمع تھین، اس بنا پر نصر بن احمد سامانی کے دربار مین اسکو رسائی حاصل ہوئی، نصر نے اسکی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی، اکثر ارباب تذکرہ کا بیان ہو کہ رودکی کو اسقدر جاہ و دولت حاصل ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو بھی نصیب نہوئی، جب اسکی سواری نکلتی تو دو سو زرین کمر غلام رکاب کے ساتھ ساتھ چلتے، سفر مین اس کا اسباب چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا۔[۱]

یہ عموماً مسلم ہو کہ فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوئی تھی لیکن اس زمانہ مین عربی شاعری واقعیت اور حقیقت سے دور ہو کر ستائشگری اور مداحی کے سوا اور کسی کام کی نہین رہی تھی، متنبی، ابو تمام، بحتری، جو اس دور کے پیغمبران سخن ہین، اُن کا تمام تر کارنامہ یہی خوشامد اور ثنا گستری تھا، خلفا، اور امرا، شاعری کو صرف تفریح طبع، کا ایک مشغلہ سمجھتے تھے، لیکن خاندان سامانیہ نے شاعری سے اصلی کام لیے، چنانچہ رودکی کو کلیلہ دمنہ کے نظم کی خدمت دی، اور اسکے صلے مین چالیس ہزار درہم عطا کیے، عنصری ایک قصیدہ

[۱] بہارستان جامی۔

ہیں کہتا ہی۔

چہل ہزار درم رودکی ز مہتر خویش — عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

رودکی کی شاعری کا عام انداز

رودکی کی شاعری کا عام انداز واقعہ گوئی، پند و موعظت اور حسن تاثیر ہی، عرب جاہلیہ کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اُس سے بڑے بڑے قومی اور ملکی انقلابات پیدا کر دیتے تھے، فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا اور کسی کام کی نہ تھی، یعنی اس سے کبھی کوئی تاریخی واقعہ وجود مین نہین آیا، لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنیٰ ہی۔

نصر بن سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اور بادغیس مین جو ہرات کا مشہور نزہت گاہ ہی، پڑاؤ ڈالا، بہار کے دن تھے، اور تمام دشت و صحرا چمن زار بن گیا تھا، نصر ان دلفریبیون مین ایسا محو ہوا کہ ساری بہار یہین گذر گئی، جاڑے آئے تو میوون کی بہتات ہوئی، ان اطراف مین انگور بیس [12] قسم کے انگور ہوتے ہین جنمین ترنیان اور کلنجری نہایت خوش مزہ شاداب اور نرم ہوتے ہین، نصر صحرا سے اُٹھ کر آبادی مین آیا اور سواد مین جو ایک مشہور مقام ہی قیام کیا، یہ مقامات نہایت آباد اور معمور تھے، ہر طرف عالیشان قصر و ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ خانہ باغ اور پائین باغ ہوتا تھا، اُسی زمانے مین سیستان اور مازندران کے میوہ جات کی آمد ہوئی، نصر نے جاڑے بھی یہین گذارے، ہر دفعہ قصد کرتا تھا کہ اب کی بہار گذرنے پر روانہ ہو جاؤنگا لیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا تو دوسرا زنجیر پا بنجاتا تھا اسیطرح پورے چار برس گذر گئے، امرا، اور فوج کے لوگ تنگ آگئے، تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہین کر سکتے تھے، آخر رودکی کے پاس گئے اور پانچ ہزار اشرفیان اس شرط پر دینی منظور کین کہ بادشاہ یہان سے بخارا کو واپس جائے، اگلے دن رودکی دربار مین گیا، نصر شراب پی رہا تھا، رودکی نے ساز کے ساتھ عشاق کی دُھن مین یہ اشعار گائے۔

بوے جوے مولیان آید ہمے — یاد یار مہربان آید ہمے



ریگ آموی و دُرشتیہاے او — زیر پایم پرنیان آید ہمے

(یعنی دریاے جیحون)

آب جیحون با ہمہ پہنا وری — خنگ ما را تا میان آید ہمے

اے بخارا شاد باش و شاد زی — شاہ سویت میہمان آید ہمے

شاہ سرو است و بخارا بوستان — سرو سوے بوستان آید ہمے

شاہ ماہ است و بخارا آسمان — ماہ سوے آسمان آید ہمے

نصر کا یہ حال ہوا کہ پاؤن مین موزے تک نہ پہنے اور اُسی وقت سوار ہو کر بگٹٹ دوڑتا ہوا بوری ایک منزل پر جا کر دم لیا، سمرقندی نے یہ واقعہ لکھکر حیرت ظاہر کی ہی کہ "یہ ایک سیدھی سادھی نظم ہی، نہ کوئی صنعت ہی نہ مضمون بندی ہی اسکا اثر اسقدر کیونکر ہو سکتا تھا،" دولت شاہ کے زمانہ مین شاعری کی اصلی اور فطری حالت بدل چکی تھی، اس لیے لوگون کو واقعیت اور اظہار فطرت مین مزہ نہین آتا تھا لیکن جبتک قوم مین صحیح مذاق باقی رہا، شعرا ان اشعار پر سر دُھنتے تھے۔ عروضی سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر تھا چار مقالہ مین لکھتا ہی۔

"ہنوز این قصیدہ را کسے جواب نگفتہ است کہ مجال آن ندیدہ اند کہ از ین مضائق بیرون روند"

سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر معزی سے فرمائش کی گئی تھی کہ اس قصیدے کا جواب لکھے، چنانچہ اُس نے جو قصیدہ لکھا اُس کا مطلع یہ ہی۔

رستم [1] از مازندران آید ہمے — زین ملک از اصفہان آید ہمے

(ممدوح کا نام)

امیر معزی مشہور اور کامل الفن شعرا مین سے ہی لیکن رودکی کے کلام کے سامنے اسکے شعر کا جو رتبہ ہی محتاج اظہار نہین، رودکی نہایت پُرگو تھا، رشیدی سمرقندی نے اسکے اشعار کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہی، چنانچہ کہتا ہی۔

[1] جس زمانہ مین مین علی گڑھ کالج مین پروفیسر تھا آسمان جاہ (وزیر ریاست حیدرآباد دکن) علی گڑھ مین آئے سر سید مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ سپاسنامہ کے بجاے کالج کی طرف سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶ پر دیکھیے)

شعراو را بر شمردم سیزده ره صد ہزار    ہم فزون تر آید ار چونان کہ باید بشمری

مین نے اسکے اشعار تیرہ دفعہ گنے تو ایک لاکھ ٹھہرے    اور اچھی طرح گنے جائین تو اس سے بھی زیادہ نکلین گے

اقسام سخن مین رودکی کے ہان، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، مرثیہ، سب کچھ موجود ہی، مثنوی کا کوئی نمونہ موجود نہین لیکن یہ ظاہر ہی کہ کلیلہ دمنہ جو اُس نے لکھی ہی مثنوی ہی ہوگی کیونکہ مسلسل واقعات مثنوی کے سوا اور کسی طرح ادا نہین ہو سکتے،

رودکی کی شاعری کی وسعت

مضامین کے لحاظ سے بھی اسکی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہی یعنی واقعہ نگاری خیال بندی، موعظت و نصیحت، عشق و محبت، مدح و ثنا، صنائع و بدائع، سب چیزین پائی جاتی ہین اور درجۂ کمال پر پائی جاتی ہین، ہم مختصراً ہر ایک کا نمونہ پیش کرتے ہین۔

**اخلاق و موعظت** اخلاق و موعظت مین حسنِ ادا کے ساتھ اس نے دقیق نکتے بھی بیان کیے ہین، مثلاً اس کو یہ کہنا ہی کہ تم کو اورون کی خوشحالی پر رشک اور حسد نہین کرنا چاہیے اس کو وہ اس طرح دلنشین کرتا ہی۔

زمانہ پندے آزادہ وار داد مرا    زمانہ را چو نکو بنگری ہمہ پند است

بروزِ نیک کسان گفت غم مخور زنہار    بسا کسا کہ بروزِ تو آرزومند است

یعنے جسطرح تم اورون کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو اسی طرح دنیا مین ایسے لوگ بھی ہین جو تمھاری حالت پر رشک کرتے ہین، اس لیے تم کو شکایت کا کوئی موقع نہین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٢٥) قصیدہ پیش کیا جائیگا، وہ تم لکھدو، مین نے ایک خاص مناسبت سے اسی قصیدہ کو پیش نظر رکھا ابتدا مین یہ تمہید تھی کہ لوگون مین آسمان جاہ کی آمد کا چرچا ہی، پھر یہ اشعار تھے۔

ہمچنان با ہشیم گرم گفتگو    قاصدا ز درنا گہان آید ہمے

افگند شور مبارک باد و پس    این حدیثش بر زبان آید ہمے

آسمان جاہ از سوے ملک دکن    جانب ہندوستان آید ہمے

سے مجمع الفصحا ذکر رودکی۔



اکثر آدمی لوگون کی بخالت کی شکایت کرتے ہین، لیکن اُن کو یہ خیال نہین آتا کہ کسی شخص کی بخالت اور سخاوت پر توجہ کرنا گدا طبعی اور طماعی کی دلیل ہی، رودکی اس نکتہ کو یون ادا کرتا ہی۔

تا کے گوئی کہ اہل گیتی    در ہستی و نیستی لئیمند

چون تو طمع از جہان بریدی    دانی کہ ہمہ جہان کریمند

زمانہ کی بے ثباتی کو اس طرح ادا کرتا ہی۔

زندگانی چہ کوتہ و چہ دراز    نہ بہ آخر بمرد باید باز

ہم بہ چنبر گزار خواہد بود    این رسن را اگرچہ ہست دراز

خواہی اندر عنا و محنت زی    خواہی اندر نشاط و نعمت و ناز

خواہی اندک تر از جہان بپذیر    خواہی از رے بگیر تا بہ حجاز

این ہمہ بود و باد تو خواب است    خواب را حکم نے مگر بہ مجاز

این ہمہ روز مرگ، اگر بینی    نشناسی ز یکدگر شان باز

ابیکورس اور عمر خیام کے فلسفہ کو غالباً فارسی مین اول اسی نے روشناس کیا ہی چنانچہ کہتا ہی،

شاد زی، با سیاہ چشمان شاد    کہ جہان نیست جز فسانہ و باد

ز آمدہ شادمان نہ باید بود    وز گزشتہ نکرد باید یاد

نیک بخت آن کسے کہ داد و بخورد    شور بخت آن کہ او نخورد و نہ داد

باد و ابر است، این جہان افسوس    بادہ پیش آر ہر چہ بادا باد

خواجہ حافظ رح کا سارا دیوان اسی متن کی شرح ہی

روی بہ محراب نہادن چہ سود    دل بہ بخارا و بتان طراز

ایزد تا وسوسۂ عاشقے    از تو پذیرد، نہ پذیرد نماز

**واقعہ نگاری** یعنی کسی واقعہ یا حالت، کی تصویر کھینچنا شاعری کا ایک عنصر ہے رودکی کے کلام مین یہ عنصر ہر جگہ نظر آتا ہو۔ ایک قصیدہ مین اس نے جوانی اور بڑھاپے کی کیفیت بیان کی ہو۔ اس کے چند اشعار یہ ہین۔

مرا بسود و فرو ریخت ہر چہ دندان بود    نبود دندان، لا بل، چراغ خندان بود
یکے نماند کنون، بل ہمہ بسود و بریخت    چہ نحس بود همانا کہ نحس کیوان بود
نہ نحس کیوان بود، و نہ روزگار دراز    چہ بود؟ راست بگویم، قضای یزدان بود
ہمی ندانی اے ماہروے غالیہ موے    کہ حال بندہ ازین پیش بر چہ سامان بود
بہ زلف چوگان نازش ہمی کنی تو بدہ    ندیدی اورا آنگہ کہ زلف چوگان بود
شد آن زمانہ کہ رویش بسان دیبا بود    شد آن زمانہ کہ مویش بسان قطران بود
شد آن زمانہ کہ او شاد بود و خرم بود    نشاط او بفزون بود و غم بہ نقصان بود
ہمیشہ دستش زی زلفگان خوشبو بود    ہمیشہ گوشش زی مردم سخندان بود
ہمیشہ شاد ندانستمے کہ غم چہ بود    دلم نشاط و طرب را فراخ میدان بود
عیال نہ، زن و فرزند نہ مؤنت نہ    ازین ہمہ تنم آسودہ بود و آسان بود
ہمی خرید و ہمی ریخت بیشمار درم    بہ شہر ہر چہ ہمی ترک[۱] نار پستان بود
بسا کنیزک نیکو کہ میل داشت بدو    بشب زیارت او نزد او بہ پنہان بود
شد آن زمانہ کہ شعر ورا جہان بنوشت    شد آن زمانہ کہ او شاعر خراسان بود
تو رودکی را اے ماہرو کنون بینی    بدان زمانہ ندیدی کہ در خراسان بود
بدان زمانہ ندیدی کہ در چمن رفتے    سرود گویان گوئی ہزار دستان بود
کرا بزرگی و نعمت، ازاین و آن بودے    ورا بزرگی و نعمت ز آل سامان بود
بداد میر خراسانش چل ہزار درم    ازو فزونی یک پنج، میر ماکان بود

۱ غنیمت ہو کہ ایرانی شاعر ہو کر مرد کے بجاے عورت کا نام لیتا ہو۔



کنون زمانہ دگر گشت، و من دگر گشتم    عصا بیار کہ وقت عصا و انبان بود

**مدحیہ** مدحیہ شاعری کے جو نمونے پائے جاتے ہین، اعلیٰ درجہ کے ہین، اور اُن مین خیال آفرینی بھی پائی جاتی ہو۔

شاہے کہ بروز رزم از رادی    زرین نہد بہ تیر در پیکان
تا کشتۂ او ازان کفن سازد    تا خستۂ او، ازان کند درمان

یعنی "بادشاہ اس درجہ کا سخی ہو کہ لڑائی مین تیر جو استعمال کرتا ہو اُن کی پیکان سونے کی ہوتی ہین، جس سے یہ مقصود ہو کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو پیکان کو بیچکر اپنا علاج کر سکے، اور مر جائے تو تجہیز و تکفین کے کام آئے"۔

**مرثیہ** مرثیے متعدد ہین، اور سب مین مرثیہ کی خالص شان پائی جاتی ہو، ایک مرثیہ مین جو وزیر اعظم کے بیٹے کی وفات پر لکھا ہو، حکیمانہ انداز مین وزیر کو صبر کی تلقین کی ہو۔

اے آنکہ غمگینی و سزا واری    واندر نہان سرشک ہمی باری
اے وہ کہ غمزدہ ہو، اور غمزدہ ہونا زیبا بھی ہو    اے وہ کہ چپکے چپکے آنسو بہاتا ہے
رفت آنکہ رفت، آمد آنکہ آمد    بود آنچہ بود، خیرہ چہ غم داری
جو گیا، گیا، جو آیا، آیا    جو ہونا تھا ہوا، اب فضول کیون غم کرتے ہو
ہموار کرد خواہی گیتی را؟    گیتی است کے پذیرد ہمواری
کیا تم زمانہ کو ہموار کرنا چاہتے ہو    یہ زمانہ ہو، بھلا وہ کب ہموار ہو سکتا ہو
مستی مکن، نشنود او مستی    زاری مکن، کہ نشنود او زاری
جوش ظاہر نہ کرو، وہ جوش کا لحاظ نہین کرتا    فریاد نہ کرو، وہ فریاد نہین سنتا
شو تا قیامت زاری کن    کے رفتہ را بہ زاری باز آری
اچھا جاؤ قیامت تک روتے رہو    لیکن جو شخص چلا گیا کیا وہ رونے سے واپس آجائیگا

شہید بلخی، اور مرادی، جو اِسکے زمانہ کے مشہور شاعر تھے، اُن کا مرثیہ بھی لکھا ہے جو مجمع الفصحا وغیرہ مین منقول ہی۔

**غزل** غزل نے اسوقت تک مستقل حیثیت اختیار نہین کی تھی قصائد کی ابتدا مین جو تشبیب کرتے تھے یہی اُس زمانہ کی غزل تھی، اُس کا نمونہ یہ ہی۔

اے جان من از آرزوی تو بزبان ۔۔۔ بنمای یکی روی بہ بخشائی برین جان
دشوار نمائی رُخ و دشوار دہی بوس ۔۔۔ آسان بربائی دل و آسان ببری جان
نزدیک من آسانی تو باشد دشوار ۔۔۔ نزدیک تو دشواری من باشد آسان

---

مشوش است دلم از کرشمۂ سلمےٰ ۔۔۔ چنان کہ خاطر مجنون ز طرۂ لیلےٰ
چو گاشکر دہیم، درد دل شود تسکین ۔۔۔ چو ترش روی شوی وا رہانی از صفرا
بردہ نرگس تو آب جادوی بابل ۔۔۔ کشادہ غنچۂ تو باب معجز عیسےٰ

والۂ داغستانی نے رودکی کی ایک غزل نقل کی ہی جسکا مطلع یہ ہی۔

زہے فزودہ جمال تو زیب آرا را ۔۔۔ شکستہ سنبل زلف تو مشک سارا را

لیکن اِس زمانہ کا یہ انداز نہین ہی، اِسکے علاوہ اِس غزل کے مقطع مین تخلص بھی مذکور ہی حالانکہ اِس زمانہ تک غزلون مین تخلص نہین لاتے تھے۔

رودکی کے اِن اشعار کا جو رتبہ ہی ظاہر ہی تاہم عنصری کہتا ہی،

غزل رودکی وار نیکو بود ۔۔۔ غزل ہائے من رودکی وار نیست

اِس سے ظاہر ہوتا ہی کہ عنصری، رودکی کو غزل گوئی مین اُستاد مانتا تھا، اِس لیے یا تو ماننا چاہیے کہ رودکی کی عمدہ غزلین جاتی رہین، یا یہ کہ عنصری غزل گوئی مین رودکی سے بھی کم تھا۔

**قصیدہ** قصیدہ کا جو طریقہ رودکی نے قائم کیا، آج تک قائم ہی، یعنی ابتدا مین تشبیب



یا بہار یہ وغیرہ پھر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز، جود و سخا، عدل و انصاف، شجاعت و دلیری کا ذکر، پھر دعائیہ، صنائع شاعری مین ایک صنعت ہی جسکو ترصیع کہتے ہین یعنی دونون مصرعون مین ہم وزن الفاظ لاتے ہین، مثلاً

**عرفی** رادراشر رقہرا وکند شنجرف ۔۔۔ جمادرا اثر لطف او کند شمشاد

یہ صنعت رودکی کے تمام قصیدون مین پائی جاتی ہی، اور چھٹی صدی تک تمام شعرا کا یہ عام انداز رہا۔

قصیدہ مین اگرچہ صرف مداحی ہی مداحی ہوتی ہی، لیکن رودکی نے جابجا نیچرل سین بھی دکھلائے ہین۔

**بہار**
از بنفشہ مرزہا گستردہ دیباہا بہ چین ۔۔۔ وز شگوفہ شاخہا بربستہ دُر شاہوار
باہوائے اوست گفتی ہرچہ گفتی در نسیم ۔۔۔ برزمین اوست گفتی ہرچہ در عالم بہار
از میان جوے آن آبے روان ہمچو گلاب ۔۔۔ شاخہاے گل شگفتہ بر کنار جویبار
بود ہر جا بہر نزہت گاہ بار، و نقل و مُل ۔۔۔ گلستان در گلستان و میوہ اندر میوہ زار

**خزان**
کوہ دیگر کوہ سیمین گشت و زرین شد چمن ۔۔۔ آب دیگر بارہ روشن گشت و تیرہ شد ہوا
گشت خامش فاختہ، تا شد چمن پرداختہ ۔۔۔ گشت بلبل بے نوا تا بوستان شد بے نوا
نار چون برحقۂ زرین نگین ہاے عقیق ۔۔۔ سیب چون بر چہرۂ سیمین نشانہاے بکا
باد سرد آمد چو آہ عاشقان ہنگام صبح ۔۔۔ بانگ زاغ آمد چو از معشوق پیغام جفا

---

**معرکۂ جنگ**
بدانگہے کہ دو لشکر بروے یکدیگر ۔۔۔ گران کنند رکاب و سبک کنند عنان
ز گرد اسپان تیرہ شود رُخ خورشید ۔۔۔ ز بانگ مردان خیرہ شود دل کیوان
یکے کشیدہ سنان و یکے کشادہ حُسام ۔۔۔ یکے کشادہ کمند و یکے کشیدہ کمان

قصیدہ کے حُسن کا بڑا معیار گریز ہی، یعنی تشبیب کہتے کہتے ممدوح کا ذکر اس طرح چھڑ جائے، جس طرح بات مین سے بات پیدا ہو جاتی ہی، یہ بالکل نہ معلوم ہو کہ بہ قصد و

ارادہ ممدوح کی مدح شروع کی ہو۔ رودکی کی اکثر گریزین اسی قسم کی ہین مثلاً ایک قصیدہ مین خزان کا حال لکھتے لکھتے کہتا ہو۔

بادخوارزمی کنار باغ پُر دینار کرد ۔۔۔ چون کنار زائران را کرد دست بادشا

یا مثلاً باغ کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہو۔

یار من گفتا بہشت است اے شگفت !! این باغ نیست
گفتم این باغیست خرم چون بہشت کردگار
آن بہشت ناپدید است، این بہشت استے عیان
این بہ نقد است آن بہ نسیہ آن نہان این آشکار
آن مکافات نماز است، این مکافات مدیح
آن عطاے کردگار است، این عطاے شہریار

یعنی معشوق نے باغ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بہشت ہی، مین نے کہا بہشت نہین، باغ ہی، لیکن خدا کی بہشت کے ہم پلہ ہی، فرق یہ ہو کہ خدا کی بہشت کا پتا نہین، اور یہ علانیہ موجود ہی، یہ نقد ہو وہ اُدھار، یہ ظاہر ہو، وہ مخفی، وہ نماز پڑھنے سے ہاتھ آتی ہو اور یہ مدح کرنے سے، وہ خدا کا عطیہ ہو، اور یہ بادشاہ کا،

بعض بعض قصیدون مین ایسی باتون کا التزام کیا ہو جس کی تقلید کسی نے نہین کی، مثلاً ایک قصیدہ تینتیس ۳۳ شعرون کا کہا ہو جسمین صرف مطلع ہی ہین پہلا مطلع یہ ہو۔

ندانی در دہجر اے بُت، مرا زان زار گردانی ۔۔۔ دگر زارم نگردانی بہ داغ ہجر گردانی

**ہجو یا شکایت** ہجو فارسی شاعری کے چہرہ کا نہایت بدنما داغ ہی، لیکن رودکی کی ہجو مین بھی متانت اور واقعیت پائی جاتی ہو۔

نہ سوار و جوان، و توانگر از رہ دور ۔۔۔ بخدمت آید نیکو سگال نیک اندیش
پسند آیدم خواجہ راپس از دہ سال ۔۔۔ کہ باز گردو پیر و پیادہ و دل ریش



ممدوح سے کہتا ہو کہ کیا یہ مناسب ہو کہ جو لوگ آپ کے دربار مین جوان، دولتمند اور سواریون پر آئین، وہ اسقدر آپ کے ہان امیدواری مین پڑے جھولا کرین کہ جب واپس جانے لگین تو دولتمند غریب، اور سوار پیادہ، اور جوان بوڑھا ہو کر جائے۔

**جدت مضامین** عام قاعدہ یہ ہو کہ ابتداے شاعری مین مضمون بندی بالکل نہین ہوتی، لیکن یہ حیرت انگیز بات ہو کہ رودکی نے کثرت سے نئے نئے مضامین پیدا کیے، مثلاً

گھوڑے کی تعریف

آفتابیکہ زجا بک قدمی ۔۔۔ بر سرِ ذرہ نماید جولان

شراب کی تعریف

رودکی چند برگرفت و نواخت ۔۔۔ بادہ انداز کو سرود انداخت
آن عقیقین مے کہ ہر کہ بدید ۔۔۔ از عقیق گداختہ نشناخت

تشبیہ

ہر دو یک گوہرند، لیک بطبع ۔۔۔ این بفسرد، و آن دگر بگداخت
نابسودہ دو دست رنگین کرد ۔۔۔ ناچشیدہ بہ تارک اندر تاخت

یعنی شراب، اور عقیق، دونون ایک ہی چیز ہین، فرق یہ ہو کہ ایک سیال ہے، اور دوسری منجمد، شراب کے رنگ، اور نشہ کی یہ کیفیت ہو کہ بے چھوئے ہوئے ہات رنگین ہو جاتے ہین، اور بے چکھے ہوئے دماغ مین دوڑ جاتی ہو،

بنفشہ ہاے طرب خیل خیل سر برکرد ۔۔۔ چو آتشے کہ بگوگرد بر دوید کبود
بیار وہان بدہ آن آفتاب کش بخوری ۔۔۔ زلب فروشود وا زدہان بر آرد دود

یعنی بنفشہ دستہ دستہ اُگ رہا ہو، جسطرح گندھک سے جلانے کے وقت، نیگگا شعلہ اُٹھتا ہو، اب وہ آفتاب لاؤ (یعنی شراب) کہ ادھر ہونٹون سے اُترے اور اُدھر منھ سے دُھوان اُٹھنے لگے۔

تیر اُو مانندہ روزی کہ زی مردم رسد ۔۔۔ تیر دشمن باز گردد سوے دشمن چون صدا

یعنی ممدوح کا تیر اس طرح نشانے پر لگتا ہو جس طرح انسان کا مقدر، اور دشمن کا تیر

اس طرح دشمن ہی کی طرف پلٹ جاتا ہی جسطرح آواز

موسم بہار

ہر انچہ بست میان ارم بہم شدّاد　　ہر انچہ کرد بزیر زمین نہان قارون
سرشک ابر پراگند کرد در بستان　　نسیم باد بدیدار کرد در ہامون

یعنی باغ ارم مین شدّاد نے جو چیزین فراہم کی تھین، بادل کے آنسوؤن نے وہ سب باغ مین پھیلا دین، اور قارون نے زمین کے اندر جو چیزین چھپا رکھی تھین، نسیم نے وہ سب میدان مین کھولکر دکھا دین۔

مہ نیسان شبیخون کرد، اکنون برمہ کانون
کہ گردون گشت ازو پُر گرد، وصحرا گشت ازو پُر خون
اگر خواہی نشانِ خون، نگہ کُن لالہ بر صحرا
اگر خواہی نشان گرد بنگر ابر بر گردون

یعنی بہار کے مہینے نے خزان کے مہینے پر شبخون مارا جسکی وجہ سے صحرا پُر خون ہوگیا، اور آسمان مین گرد بھر گئی، صحرا مین جو لالہ نظر آتا ہی یہ وہی خون ہی،

نگارینا شنیدستم کہ گاہ محنت و راحت　　سہ پیراہن سلب بودہ است یوسف را بہ عمر اندر
یکے از کید شد پُر خون، دوم شد چاک از تہمت　　سوم یعقوب را از بوے روشن کرد چشم تر
رخم ماند بدان اول، دلم ماند بدان دوم　　نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر

یعنے اے معشوق مین نے سُنا ہے کہ حضرت یوسف کے تین پیراہن تھے، ایک خون سے رنگین ہوا، دوسرا زلیخا نے چاک کیا، تیسرے نے حضرت یعقوب کی آنکھین روشن کین، میرا چہرہ پہلے پیرہن کے مشابہ ہے، اور میرا دل دوسرا پیرہن ہے باقی تیسرا، وہ خدا وصل مین نصیب کرے۔

زلف ترا جیم کہ کرد، آن کہ او　　خال ترا نقطۂ آن جیم کرد
از دہن تنگ تو گویا کسے　　دانۂ نار بدو نیم کرد



یعنی تیرا دہن ایسا چھوٹا ہو کہ معلوم ہوتا ہو کہ کسی نے انار کے دانے کے دو حصے کر دیے ہین۔

**رباعیان۔** رباعیان معمولی ہین، مجمع الفصحا مین ایک رباعی نقل کی ہی۔

چون کار دلم ز زلف او ماند گرہ　　در ہر رگِ جان صد آرزو ماند گرہ
امید ز گریہ بود، افسوس افسوس　　کانہم شب وصل در گلو ماند گرہ

لیکن یہ ہرگز رودکی کے زمانہ کا کلام نہین ہو سکتا،

**قبولیت عام اور اعتراف شعرا۔** رودکی کے کمال شاعری کو تمام شعرا نے تسلیم کیا ہی، خود اس کا معاصر اور ہم فن اور ہمپایہ شہید کہتا ہی۔

بسخن ماند شعر شعرا،　　رودکی را سخنش تلو نبیا است
شاعران را خہ و احسنت، مدیح　　رودکی را خہ و احسنت ہجاست
معنی خوب ۱۲

عنصری کہتا ہی۔

غزل رودکی وار، نیکو بود　　غزل ہاے من رودکی وار نیست
اگرچہ بکوشم بہ باریک وہم　　درین پردہ اندر مرا بار نیست

معروف بلخی کہتا ہی۔

از رودکی شنیدم سلطان شاعران

دقیقی کہتا ہی

کرا رودکی گفتہ باشد مدیح　　امام فنون و سخنور بود
دقیقی مدیح آورد نزد اُو　　چو خرما بسوے ہجیور بود

نظامی سمرقندی کے زمانہ مین کسی نے رودکی کی شاعری پر اعتراض کیا تھا نظامی نے اُسکے جواب مین لکھا ہی۔

اے آنکہ طعن کردی در شعر رودکی　　این طعن کردن تو از جہل و کودکی است
کانکس کہ شعر داند، داند کہ در جہان　　صاحب قران شاعری استاد رودکی است

رودکی نے سنہ۳۰۴ھ مین وفات پائی، اسکا دیوان ایران مین چھپ گیا ہی۔

## دقیقی

سلسلہ سامانیہ کے ہر فرمانروا کا عہد، اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہی، لیکن نوح بن منصور کا زمانہ آخر المنازل ہی، یہ فخر اسی دور کو حاصل ہی کہ عجم کا سرمایۂ فخر و ناز، یعنی "شاہنامہ" جسکو ابن الاثیر، قرآن العجم کہتا ہی، اس کا ابتدائی خاکہ اسی عہد مین قائم ہوا، اور اگر ایک اتفاقی واقعہ پیش نہ آجاتا، تو سلطان محمود کے کارنامون کی فہرست شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی۔

سامانی خاندان، ابتدا سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ اُن کے اسلاف کی داستان نثر سے نظم ہوکر، عام زبانون پر چڑھ جائے، لیکن ابھی شاعری نے اسقدر ترقی نہین کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ، شعر کے قالب مین آجائے، نوح بن منصور جب سنہ۳۶۵ھ مین تخت نشین ہوا تو پایۂ تخت یعنی بخارا مین بڑے بڑے شعرا موجود تھے، ان مین دقیقی خاص پایۂ تخت کا رہنے والا تھا۔ اس کا اصلی نام منصور بن احمد ہی ابتدائی تربیت امرائے چغانیہ یعنی ابوالمظفرؔ کی تھی، لیکن جب اسکا کمال مشہور ہوا تو نوح نے دربار مین بُلاکر، شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، دقیقی اپنے زور بازو کا اندازہ کر چکا تھا، اُس نے یہ خدمت قبول کی، اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے، بعضون کا بیان ہی شاہنامہ کی ابتدا کہ صرف ایک ہزار شعر تھے جو آج شاہنامہ مین شامل ہین، فردوسی نے شاہنامہ کی تاریخ کے بیان مین ان واقعات کو اس طرح اجمالاً لکھا ہی۔

جوانے بیامد گشادہ زبان          سخنگوی و خوش طبع و روشن روان
بہ شعر آرم این نامہ را گفت من          ازو شادمان شد دل انجمن

---

سلہ تذکرۂ ہفت اقلیم و مجمع الفصحا در روایت اخیر۔



ز گشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار          بگفت و سرآمد ورا روزگار

کیا عجیب بات ہے، کہ اتنے بڑے کامل الفن کا دامن عزت، ایک اخلاقی دھبے سے داغدار ہے، دقیقی کا ایک خورد غلام تھا، جس سے اِسکو عاشقانہ محبت تھی، لیکن افسوس ہے کہ اِس محبت مین ہوس کا شائبہ تھا، غلام نہایت غیور تھا، اُس نے ننگ کو گوارا نہ کیا اور دقیقی کا خاتمہ کردیا، فردوسی نے اِس ناگوار واقعہ کو ابہام کے پردہ مین ادا کیا ہی،

جوانیش را خوے بد یار بود          ابا بد ہمیشہ بہ پیکار بود
یکایک ازو بخت برگشتہ شد          بدست یکے بندہ کُشتہ شد

فردوسی نے فیاض دلی سے اِس کے اشعار شاہنامہ مین شامل کرلیے جسکی بدولت، آج اِس کا نام زندہ رہ گیا، چنانچہ خود کہتا ہی،

کنون راز ہا باز جویم ترا          حدیث دقیقی بگویم ترا
چنان دید گوینده یک شب بخواب          کہ یک جام مے داشتے چون گلاب
دقیقی ز جاے پدید آمدے          بران جام مے داستانہا زدے
بہ فردوسی آواز دادے کہ مے          مخور جز بہ آئین کاؤس کے
کہ شاہے گزیدے ز گیتی کہ تخت          بنازد بدو تاج و شمشیر و بخت
شہنشاہ محمود گیرندہ شہر          ز شادی بہر کس رسانند بہر
بدین نامہ گر چند بشتافتے          کنون ہرچہ جستی ہمہ یافتے
از اندازہ من بیش گفتم سخن          اگر بازیابی بخیلی مکن
ز گشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار          بگفتم سرآمد مرا روزگار
گران مایہ نزد شہنشہ رسد          روان من از خاک بر مہ رسد
بداند کہ پیش از تو آخر کسے          درین داستان رنج بردش بسے

پذیرفتم و داشتم زو سپاس     مرا در دل آمد زہر سو ہراس
کہ روزے مرا ہم بباید گزشت     ز گفتار او در نشاید گزشت
ز گفتار او بشنو اکنون سخن     کہ گفت است این داستان کہن

ان اشعار کا حاصل یہ ہو کہ ایک دن مین نے خواب مین دیکھا کہ میرے ہاتھ مین جام شراب ہی، دقیقی کہین سے آنکلا اور اُس نے کہا کہ شراب، کیانی طریقہ سے پیو، تم کو ایسا بادشاہ ہاتھ آگیا ہی جسپر سلطنت کو ناز ہی، تم نے شاہنامہ کے لیے بہت تگ و دو کی، جو تم چاہتے تھے وہ تم کو مل گیا، مین نے بھی گشتاسپ و ارجاسپ کے واقعہ مین ہزار شعر لکھے تھے تم کو اگر یہ اشعار ملجائین تو اپنی کتاب مین شامل کر دینا کہ بادشاہ تک پہونچ جائین، اور لوگون کو یہ معلوم ہو کہ اور بھی کسی نے کچھ محنت اُٹھائی تھی،

یہ سنکر میرا دل کانپ اُٹھا کہ مجھکو بھی ایک دن مرنا ہی، اس لیے اسکی خواہش پوری کرنی چاہیے۔ اب تم اسکے اشعار سُنو،

فردوسی نے دقیقی کے ساتھ جس ہمدردی اور مُردہ پرستی کا اظہار کیا ہو، قدر کے قابل ہو۔ لیکن داستان کے ختم ہوتے ہوتے نیت بدل جاتی ہی، دقیقی کے اشعار کے بعد کہتا ہی،

نگہ کردم این نظم سُست آمدم     ہمہ بیتہا نادرست آمدم
من این زان نوشتم کہ تا شہریار     بداند سخن گفتن نابکار
دہان گر بماند ز خوردن تہی     ازان بہ کہ ناساز خوانے نہی
دو گوہر بنودم بہ گوہر فروش     کنون شاہ دارد بہ گفتار گوش
سخن چون بدینگونہ بایدت گفت     مگوی و مکن رنج با طبع جفت
چو طبعت نباشد چو آب روان     مبر دست، زی نامۂ خسروان

یعنے جب مین نے دقیقی کی یہ نظم دیکھی تو تمام اشعار مجکو سُست اور غلط نظر آئے،



مین نے یہ اشعار اس لیے نقل کردیے کہ بادشاہ ان اشعار کی لغویت سے واقف ہوجائے اگر آدمی کو کھانا نہ دیا جاے تو اس سے بہتر ہی کہ اسکے سامنے بدمزہ کھانے لائے جائین۔ مین نے گوہر فروش کے سامنے دو موتی رکھدیے ہین، اب بادشاہ خود تمیز کرلے جب تم کو اسی طرح شعر کہنا آتا ہو تو اس سے تو نہ کہنا ہی اچھا ہی، جب تمھاری طبیعت مین روانی نہین ہی، تو سلاطین کی تاریخ پر کیون ہاتھ ڈالتے ہو،

اگر دقیقی کا کلام نقل کرنے سے اپنے اشعار کا چمکانا مقصود تھا، تو اُس غریب پر احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ سلطان محمود کی ہجو مین کس حد تک واقعیت کا پہلو ہوگا۔

فردوسی خداے سخن ہی، اس کے آگے بندون کو زبان کھولنے کی کیا جرأت ہوسکتی ہی؟ لیکن ع

انصاف شیوہ ایست کہ بالای طاعت است

دقیقی کا انداز کلام

ہم سرسری طور پر یہان دقیقی کے چند اشعار بغیر کسی انتخاب کے نقل کرتے ہین جس سے دقیقی کے رتبۂ کلام کا اندازہ ہوسکے گا، وہ معرکہ آرائی کا سمان اس طرح کھینچتا ہی۔

زبس بانگ اسپان و جوش و خروش     ہمی نالۂ کوس نشنیدہ گوش
درفشان بسیارا فراشتہ     سر نیزہا، ز ابر بگزاشتہ
چو رستہ[۱] درخت از بر کوہسار     چو بیشۂ نیستان بوقت بہار
ز تاریکی گرد و بانگ سپاہ     کسے روز روشن، نمی دید راہ
بکردند یک تیر باران نخست     بسان تگرگ بہاران درست
بپوشیدہ شد چشمۂ آفتاب     ز پیکانہاے درخشان چو آب
تو گفتی ہوا ابر آرد ہمے     وزان ابر الماس بارد ہمے
ہوا زین جہان بود شبگون شدہ     زمین سر بسر پاک در خون شدہ

[۱] علم

در و دشت تنها شد همه لاله گون    به دشت و بیابان همی ریخت خون
چنان شد ز بس کشته آن رزمگاه    که بر وے نه تا[نست][1] رفتن نگاه

فردوسی کے کلام کا جو اصلی جوہر ہی یہی ہی کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہی، اسکی تصویر کھینچ دیتا ہی، انصاف سے کہو، کیا ان اشعار مین یہ بات نہین ہی؟ بے شبہ فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا، لیکن یہ صاف نظر آتا ہی کہ وہی شراب ہی جو دوبارہ کھنچکر تیز ہو گئی ہی۔ دقیقی کے زمانہ تک فارسی زبان مین عربی الفاظ اس طرح مخلوط تھے کہ دونون سے ملکر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی، عباس مروزی کے کل چار شعر ہین، لیکن عربی الفاظ، فارسی سے زیادہ ہین، رودکی و شہید بلخی وغیرہ کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہی۔ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک کرکے، مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہی، وہ دقیقی ہی ہی، اسکے، سیکڑون شعر پڑھتے چلے جاؤ، عربی کا ایک لفظ نہین آتا۔ دقیقی کی بدقسمتی دیکھو کہ اس فخر کا تاج شہرت کے ہاتھون نے اُس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا، دقیقی نے زبان کو جس طرح صاف کیا اُس کا نمونہ یہ ہی:-

دقیقی کے ہان عربی الفاظ بہت کم ہین

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت    فرود آمد از تخت و بر بست رخت
به بلخ گزین شد بدان نوبہار    ق که یزدان پرستان آن روزگار
مر آن خانہ را داشتندے چنان    که مر مکہ را تازیان این زمان
بدان خانہ شد شاہ یزدان پرست    فرود آمد آن جا و ہیکل[اہل عرب][2] به بست
به بست آن در آفرین[عبادت گاہ][3] خانہ را    دران خانہ نگذاشت بیگانہ را
بپوشید جامۂ پرستش[4]، پلاس    خدا را چنین داشت باید سپاس
بیفگند یارہ، فرو ہشت موے[5]    سوے روشن دادگر کرد روے
نیایش ہمی کرد خورشید[6] را    چنان بردہ بد راہ جمشید را



چو گشتاسپ بر شد بہ تخت پدر    که فرخ بد داشت بخت پدر
بسر بر نہاد آن پدر دادہ تاج    که زیبندہ باشد بر آزادہ تاج
منم گفت یزدان پرستندہ شاہ    مرا ایزد پاک داد این کلاہ
بدان داد ما را کلاہ بزرگ    که بیرون کنیم از رمہ میش گرگ
سوے راہ[7] ورزان نیازیم جنگ    بر آزادہ گیتی نداریم تنگ
پس از دختر نامور قیصرا[8]    کتایون کہ ناہید بُد نام آن دخترا
کتایونش خواندی گرانمایہ شاہ    دو فرزندش آمد چو خورشید و ماہ
یکے نامور فرخ اسفندیار    شہے کارزاری، ہژبرہ سوار
پشوتن دگر گرد شمشیر زن    شہے نامبردار[سپاہی] لشکر شکن
چو یک چند گاہے بر آمد برین    درختے پدید آمد اندر زمین
از ایوان گشتاسپ بیان کاخ    درختے گشن برگ، و بسیار شاخ
ہمہ برگ او پند، بارش خرد    کسے کو چنو بر خورد کے مرد
خجستہ پے[9] نام او زردہشت    کہ اہرمن بدکنش را بکشت

ان اشعار مین جا بجا فک اضافت اور الف اشباع ہی جو آج کل متروک و معیوب ہے، لیکن قدما کے ہان اس کا عام رواج تھا، فردوسی بے تکلف ان چیزون کو برتتا ہی،

دقیقی نے مثنوی کے ساتھ، قصیدہ اور غزل کو بھی ترقی دی، یہ دو شعر جو نامعلوم طور پر لوگون کی زبانون پر جاری ہین، اسی کی غزل کے ہین۔

گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہد    آرے دہد ولیک بہ عمر دگر دہد
من عمر خویشتن بہ صبوری گذاشتم    عمر دگر بباید تا صبر بر دہد

اس نے بعض غزلین مسلسل لکھی ہین، اور یہ اُس زمانہ کے لحاظ سے بالکل نئی بات ہی

اس کی شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رزم و بزم، اور عشق و عاشقی کے دائرہ مین محدود نہین، آج جس چیز کو لوگ نیچرل شاعری کہتے ہین فارسی مین غالباً سب سے پہلے اسی نے اس کی بنیاد قائم کی، ایک قصیدہ مین بہار کا سمان دکھایا ہے، اسمین خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولون کی تصویر اسطرح کھینچتا ہے۔

نیچرل شاعری

سحرگاہان کہ بادِ نرم جنبد — بجنباند درختِ سرخ و زرد (صفرا ۱۲)

تو پنداری کہ از گردون ستارہ — ہمے بارید بر دیبائے اخضر

نگار اندر نگار و لون در لون — ہزاران در شدہ پیکر بپیکر (کمخواب ۱۲)

ایک مسلسل غزل بہار کی رنگینی اور مے و معشوق پر لکھی ہے،

غزل مسلسل

درافگند اے صنم ابرِ بہشتی — زمین را خلعتِ اردیبہشتی

زمین برسان خون آلودہ دیبا — ہوا برسان مشکِ اندودہ دشتی (مانند ۱۲)

بدان ماند کہ گوئی از مے و مشک — مثالِ دوست بر صحرا نوشتی (تصویر ۱۲)

بتے رخسار او ہمرنگ یاقوت — مے برگونۂ جامہ کنشتی

جہان طاؤس گونہ گشت گوئی — بجائے نرمی و جائے درشتی

زِ گل بوئے گلاب آید بدانسان — کہ پنداری گل اندر گل سرشتی

دقیقی چار خصلت برگزیدست — بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی

لبِ یاقوت رنگ و نالۂ چنگ — مے خون رنگ و کیشِ زردہشتی[1] (مذہب ۱۲)

## شہید بلخی

زمانہ کی ناقدردانی کی شکایت

اس دور کا مشہور شاعر ہے، مختصر تذکرہ اس کا اوپر گذر چکا، اشعار کا نمونہ یہ ہے

دانش و خواستہ است نرگس و گل — کہ بہ یکجائے نشگفند بہم

[1] یعنی زردشتی، کیونکہ زردشت کے مذہب مین شراب حلال ہے۔



ہر کرا دانش است خواستہ نیست — ہر کرا خواستہ است دانش کم

اگر غم را چو آتش دود بودے — جہان تاریک بودے جاودانہ

درین گیتی سراسر گر بگردی — خردمندے نیابی شادمانہ

بہ فلک ہر دو شخص پیشہ ورند — این یکے درزی، آن دگر جولاہ

این نہ دوزد مگر کلاہ ملوک — وان نہ بافد مگر پلاس سیاہ

تشبیہات

ابر ہمی گرید چون عاشقان — باغ ہمی خندد معشوق وار

رعد ہمی نالد مانند من — چون کہ بنالم بہ سحرگاہ زار

چون چلیپائے دم زان شد باغ — کاب ریزے است باغ را ز حلی

ابر چون چشم ہند بن عتبہ است — برق مانند ذو الفقارِ علی

موعظت و نصیحت

عیب باشد بہ کارِ نیک درنگ — گر شتاب آید اے رفیق ملام

عاقبت را ہم از نخستین بین — تا بہ غفلت گلو نہ گیرد دام

## ابو شکور بلخی

۳۳۶ھ مین تھا، اس کا کلام بہت کم ملتا ہے لیکن جسقدر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے، سقراط سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو اسقدر تحقیقات و تدقیقات کے بعد کیا معلوم ہوا؟ اُس نے کہا یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہین معلوم ہوا" اس فلسفیانہ خیال کو کس قدر عمدہ اور شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہے۔

تا بدانجا رسیدہ دانش من — کہ بدانم ہمے کہ نادانم

یعنے میرا علم اس حد تک ترقی کر گیا کہ مین نے اب جان لیا کہ مین کچھ نہین جانتا۔ اس کی مثنوی کے چند اشعار جو منقول ہین اُن مین صاف شاہنامہ کا

رنگ نظر آتا ہی۔

بہ دشمن برت مہربانی مباد     کہ دشمن درختے است تلخ از نہاد
درختے کہ تلخش بود گوہرا     اگر چرب و شیرین دہد مر ورا
ہمان میوہ تلخت آرد پدید     از و چرب و شیرین نخواہی مزید

اسی مضمون کو فردوسی نے زیادہ بلند کر دیا ہی۔

درختے کہ تلخ است ویرا سرشت     گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوے خلدش بہنگام آب     بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد     ہمان میوہ تلخ بار آورد

## خبازی نیشاپوری

دولت سامانیہ کا نامور شاعر ہی ۳۴۲ھ مین وفات پائی، اس کا کلام بالکل نایاب ہی، ایک قصیدہ کی گریز کے دو شعر مشہور ہین جن مین متاخرین کی جدت مضمون کے ساتھ نیچرل رنگ مین موجود ہی۔

می بینی آن دو زلف کہ بادش ہمی برد     گوئی کہ عاشقی است کہ ہیچش قرار نیست
یا نہ کہ دست حاجب سالار لشکر است     کز دور می نماید کامروز بار نیست

یعنی معشوق کی زلف جو ہوا سے ہل رہی ہی، گویا ایک بےچین عاشق ہی یا شاہی نقیب کا ہاتھ ہی جو دور سے اشارہ کر رہا ہی کہ آج دربار نہ ہو گا۔

## عمارۂ مروزی

مرو کا رہنے والا تھا، ۳۶۵ھ مین انتقال کیا، کلام کا نمونہ یہ ہے۔

آتش اگر ندیدی با آب ممتزج     اینک نگاہ کن تو بدین جام و این شراب



جام بلور و لعل سے صاف اندرو     گوئیکہ آتشے ست بر آمیختہ بہ آب

ان شعراء کے علاوہ اس دور مین اور بہت سے خوشگو اور خوش فکر تھے، مثلاً اعجمی، طخاری، ابوالعباس زنجی، جویباری، ابوالمثل بخاری، طلحہ، وغیرہ لیکن چونکہ انکے حالات، اور اشعار بہت کم ملتے ہین اس لیے ہم اُن کے نام قلم انداز کرتے ہین۔

## غزنویہ

شاعری اگرچہ ابتدائے ظہور سے روز افزون ترقی کرتی جاتی تھی، لیکن غزنویہ دور مین انتہائے کمال تک پہنچ گئی، فردوسی، اسدی طوسی، عنصری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری دامغانی، جنمین ہر شخص اقلیم سخن کا صاحب تاج و تخت ہی، اسی عہد کی یادگار ہین۔

غزنوی خاندان کا اجمالی تذکرہ

سلسلہ غزنویہ، حقیقت مین سامانی حکومت کی ایک شاخ ہی، عبدالملک بن نوح سامانی المتوفی ۳۵۰ھ کے زمانہ مین الپتگین جو اسی خاندان کا غلام تھا، ترقی کر کے امارت کے درجہ تک پہنچ گیا، عبدالملک نے اس کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا، عبدالملک کے بعد جب اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا تو الپتگین خراسان چھوڑ کر غزنین چلا گیا اور یہان ۱۶ برس تک حکومت کر کے وفات پائی، اسکے بعد اسکا بیٹا ابو اسحق قائم مقام ہوا لیکن چند روز کے بعد مر گیا، الپتگین کا ایک غلام سبکتگین تھا، اُس نے الپتگین کے عہد مین ایسی قابلیت کے جوہر دکھائے کہ ابو اسحق کے بعد، لوگون نے ۳۶۵ھ مین اسی کو غزنین کا حاکم مقرر کر دیا، یہی غلام (در غلام) سلطنت غزنویہ کا بانی اول ہی اور سلطان محمود فاتح ہندوستان اسی نامور کا فرزند ہی سبکتگین پہلا شخص ہی جس نے ہندوستان کو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا، اور جیپال کو بار بار شکستین دین، سامانی دربار سے اس کو ناصر الدین کا خطاب ملا ۳۸۷ھ مین وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا اسمعیل جو الپتگین کی دختر کے بطن سے تھا، بلخ مین تخت نشین ہوا

محمود، غزنین مین تھا، اُس نے بھائی کو لکھا، کہ آپ بلخ مین حکومت کیجیے، لیکن غزنین میرے قبضہ مین رہنے دیجیے، اُس نے نہ مانا، اس پر جنگ ہوئی اور اسمٰعیل نے شکست کھائی، محمود، باپ کی زندگی ہی مین نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب حاصل کرچکا تھا، تخت نشینی کے بعد اس کو بغداد کے دربار سے یمین الدولہ کا لقب ملا۔

محمود کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیان ایک دلچسپ داستان ہے جسکی آواز بازگشت آج بھی ہندوستان کے درودیوار سے آرہی ہو۔ لیکن شعرا العجم کی زبان سے اُسکے مُلکی فتوحات کے بجائے، علمی فتوحات کا ترانہ زیادہ موزون ہوگا۔

سلطان محمود کے علمی کارنامے

محمود جسطرح فاتح دکشورستان تھا اسی طرح علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا، جواہر مضیئہ جو فقہاے حنفیہ کے حالات مین ایک نہایت مستند کتاب ہو اُسمین اسکو فقہا مین شمار کیا ہو، فقہ مین خود اسکی ایک مبسوط تصنیف موجود ہے، غزنین مین اُس نے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جسکے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا جسمین تمام دنیا کے نوادر موجود تھے[سلہ] ملک مین جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے اکثرون کو بلاکر دربار مین جگہ دی تھی، اُنہین سے ایک ابوریحان بیرونی بھی تھا جو متعدد فنون مین بوعلی سینا کا ہمپایہ و ہمسر تھا بوعلی کو بھی اس نے خوانِ کرم پر دعوت دی تھی لیکن اسکو کچھ وہم پیدا ہوا اور نہ آیا۔

شعرا کی تربیت اور فیاضی

شاعری پر اس نے حوصلۂ شاہانہ سے توجہ کی، ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دیکر اسکا افسر مقرر کیا، تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ محمود کے خوانِ کرم سے چارسو شاعر بہرہ یاب تھے، جنکو حکم تھا کہ جو کچھ کہین پہلے عنصری کو دکھلاکر پھر دربار مین لائین، ایک موقع پر جب شہزادہ مسعود خراسان سے غزنین مین آیا اور

سلہ تاریخ فرشتہ۔



شعرا نے دربارِ عام مین قصائد پیش کیے تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور زینتی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کیے[سلہ] غضاری کو دو دو شعرون پر دو دو توڑے دیے چنانچہ غضاری خود کہتا ہو۔

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہان | بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد دو ہزار درم | برغم حاسد و تیمار بدسگال انکال

عنصری کو ایک رباعی پر حکم دیا کہ اس کا مُنھ جواہرات سے بھر دیا جاے۔

ان واقعات کو ایک نکتہ چین محمود کے فضائل کے بجاے اسکے معائب کے دفتر مین لکھے گا، اور واقعی، مداحون اور خوشامد گویون کی ایک فوج کثیر بہم پہنچانا اور اُن پر زر و جواہر کا مینھ برسانا، فیاضی نہین، بلکہ اسراف اور سبک سری ہی لیکن حقیقت حال یہ ہو کہ محمود کی یہ فیاضیان، مدح پسندی کی غرض سے نہین، بلکہ فن ادب و تاریخ کی ترقی کی غرض سے تھین، اُس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا، کہ عجم گو خود مٹ گیا لیکن اسکے کارنامے آجتک نہ مٹ سکے، اسلامی فتوحات، مسلمانون کے مذہبی ترانے ہین، لیکن مسلمان، خالد، و ضرار کے بجائے، رستم و سہراب کے نام سے زیادہ آشنا ہین، عبدالملک، ولید، مقتدر، معتضد، معتصم، مستعصم کو کتنے آدمی جانتے ہین؟ لیکن جم و کیخسرو، کیکاؤس و فریدون، و افراسیاب و اسفندیار کو بچہ بچہ جانتا ہو۔

عنصری نے ۱۰۰ اشعرون کا قصیدہ لکھا جسمین محمود کی تمام لڑائیان نہایت تفصیل سے بیان کین[سکہ]، برایعی بلخی نے نوشیروان کا نصیحت نامہ نظم کیا، اسدی طوسی نے لغات فارسی کی تدوین کی اور بدائع و صنائع فارسی پر ایک کتاب لکھی، تاریخ و اخلاق کے

سلہ مجمع الفصحا و تذکرہ زینتی۔

سکہ تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ۱۲

علاوہ محمودی شعرا نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہین ادا کر سکین، واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہار جذبات قدرتی مناظر کی تصویر، غرض شاعری کے جتنے انواع ہین، سب اُن کے ہان پائے جاتے ہین، غزل البتہ رہ گئی لیکن ابھی اسلام کی ترقی کا شباب تھا، ابھی سے اِس فتنۂ خوابیدہ کے جگانے کی کیا ضرورت تھی۔

محمودی شعرا اگرچہ بیشمار ہین، لیکن جن نامورون کو محمود نے ندما مین داخل کر لیا تھا اور جو آسمان سخن کے سبعہ سیارہ تھے، یہ ہین۔ عنصری، فردوسی، اسدی عسجدی، غضاری، فرخی، منوچہری،

## عنصری

حسن بن احمد نام، ابوالقاسم کینت، عنصری تخلص، بلخ کا رہنے والا تھا، آغاز شباب مین والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، چونکہ آبائی پیشہ تجارت تھا، خود بھی تجارت شروع کی، ایک دفعہ اسی ضرورت سے سفر کو نکلا، راہ مین ڈاکہ پڑا اور جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی،

عنصری نے تجارت کا خیال چھوڑ کر علم کی طرف توجہ کی، اس زمانہ مین تحصیل علم کے لیے فیس وغیرہ کا کچھ جھگڑا نہ تھا، ہر جگہ، ہر طرف بڑی بڑی درسگاہین کھلی ہوئی تھین، جو شخص جس آزادی سے پڑھنا چاہتا تھا، پڑھ سکتا تھا، عنصری نے تمام متداول علوم و فنون حاصل کیے، لیکن طبیعت کو قدرتی لگاؤ شاعری سے تھا، اس لیے شاعری کو اپنا فن قرار دیا اور اسی ذریعہ سے، سلطان محمود کے چھوٹے بھائی نصر بن سبکتگین کے دربار مین پہنچا، نصر نے جوہر قابل دیکھ کر محمود کے دربار مین تقریب کی، رفتہ رفتہ ملک الشعرا کا خطاب ملا، سلطان محمود نے حکم دیا کہ دربار کے تمام شعرا جنکی تعداد چار سو تھی، اپنا کلام

ملک الشعرائی کا خطاب



عنصری کو اصلاح کی غرض سے دکھائین اور جبکا کلام پیش ہو عنصری کی اصلاح کے بعد پیش ہو، بڑے بڑے نامور شعرا عنصری کی مدح مین قصائد لکھ کر پیش کرتے تھے اور گران بہا صلے پاتے تھے، محمود کی شاہانہ فیاضیون نے عنصری کو دولت و مال سے اسقدر مالامال کر دیا کہ چار سو زرین کمر غلام، رکاب مین ساتھ چلتے تھے، اور جب سفر کرتا تو اسکا ساز و سامان جو عموماً طلائی و نقرئی ہوتا تھا چار سو اونٹون پر بار کیا جاتا تھا، انتہا یہ کہ دیگین بھی طلائی و نقرئی ہوتی تھین۔ اکثر شعراء نے عنصری کی دولتمندی کا ذکر حسرت و رشک کے ساتھ کیا ہے، خاقانی کہتا ہے۔

عنصری کی دولت و ثروت

شنیدم کہ از نقرہ زد دیگدان ۔۔۔ ز زر ساخت آلات خوان عنصری

محمود کے دربار مین چار سو شعرا تھے جنمین فرخی، عسجدی، غضاری، منوچہری جیسے قادر الکلام بھی شامل ہین لیکن یہ بات اسی کو حاصل ہوئی کہ سلطان محمود کا بقائے نام اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ نظامی سمرقندی کہتا ہے۔

بسا کا خا کہ محمود شس بنا کرد ۔۔۔ کہ از رفعت ہمی با مہ نداکرد
زبینی زان ہمہ یک خشت برپائے ۔۔۔ مدیح عنصری ماندست برجائے

عنصری نے سلطان محمود کی وفات کے تقریباً دس برس بعد ۴۳۱ھ مین وفات پائی، اسکے اشعار کی تعداد ۳۰ ہزار بیان کی جاتی ہے جن مین اب صرف تین ہزار موجود ہین قصائد کے سوا متعدد مثنویان بھی لکھی تھین مثلاً وامق و عذرا، سرخ بت و خنگ، شہر و عین، لیکن آج بالکل ناپید ہین، اس زمانہ تک شاعری کا بڑا لازمہ ندیمی یعنی فن مجلس تھا، جو شاعر جسقدر زیادہ اس فن مین کمال رکھتا تھا اسیقدر زیادہ کامیاب ہوتا تھا، اسکے لیے سب سے مقدم چیز بدیہہ گوئی تھی عنصری اس وصف مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا، وہ نہایت پُرگو تھا اور برجستہ کہتا تھا، آتشکدہ مین لکھا ہے کہ

لہ عنصری کے حالات زیادہ تر مجمع الفصحا و تذکرہ دولت شاہ سمرقندی سے لیے گئے ہین۔

ایک موقع پر رات بھر مین ہزار اشعار کہہ ڈالے۔ اس کی بدیہہ گوئی کے واقعات تذکرون مین کثرت سے ملتے ہین۔

عنصری کی بدیہہ گوئی

سلطان محمود کو ایاز سے جو محبت تھی اگرچہ حد سے متجاوز تھی لیکن ہوس کا شائبہ نہ تھا، ایک دن بزم عیش مین بادہ وجام کا دور تھا محمود خلاف عادت معمول سے زیادہ پی کر بدمست ہو گیا، اسی حالت مین ایاز پر نظر پڑی، اسکی شکن در شکن زلفین چہرہ پر بکھری ہوئی تھین، محمود نے بے اختیار اُسکے گلے مین ہاتھ ڈالدیے لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوش تقوی مین آکر ایاز کو حکم دیا کہ زلفین کاٹ کر رکھدے، ایاز نے فوراً حکم کی تعمیل کی[1]، صبح کو جب محمود سوکر اُٹھا تو ایاز کی صورت دیکھ کر سخت مکدر ہوا، بار بار اُٹھ اُٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، ندما اور مقربین نم بخود تھے آخر علی قریب نے جو حاجب خاص تھا، عنصری کو بلا کر صورت واقعہ بیان کی، عنصری نے محمود کے سامنے جاکر یہ رباعی پڑھی

گر عیب سر زلف بت از کاستن است | نہ جاے بغم نشستن و خاستن است
وقت طرب ونشاط، و می خواستن است | کاراستن سرو ز پیراستن است

یعنی اگر معشوق کی زلفین ترش گئین تو یہ رنج وغم کی کیا بات ہی، یہ تو اور خوشی کا موقع ہی اس لیے کہ سرو جب چھانٹ دیا جاتا ہی تو اور زیادہ موزون ہو جاتا ہی محمود نے حکم دیا کہ عنصری کا منھ جواہرات سے بھر دیا جاے چنانچہ تین دفعہ ایسا کیا گیا چہار مقالہ مین لکھا ہی کہ مُنھ کے بجاے دامن بھر گیا تھا، فیاضی کے مبالغہ کے لحاظ سے شاید یہی روایت صحیح ہو، لیکن مُونھ بھرنے مین جو بات ہی وہ دامن مین نہین

ایک دفعہ سلطان نے فصد لی، عنصری نے برجستہ کہا۔

آمد آن رگ زن مسیح پرست | نیش الماس گون گرفتہ بدست

---

[1] شعرا نے اس واقعہ سے مضامین پیدا کیے، مرزا صاحب لکھتے ہین،

پا از گلیم خویش نباید دراز کرد | تیغ ستم ببین چہ بزلف ایاز کرد



طشت زرین و آبدستان خواست | بازوے شہریار را بربست
نیش بگرفت و گفت عز علیک | این چنین دست را کہ یارد خست
سرفرو برد و بوسہ بر داد | وز سمن شاخ ارغوان برجست

پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہی کہ اوج ترقی کے زمانہ مین بھی جراحی وفصادی کا کام عیسائی کرتے تھے ایک دفعہ محمود، چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر پڑا خفیف سا زخم آیا، عنصری نے فی البدیہ کہا۔

شاہا! ادبے کن فلک بدخورا | کاسیب رسانید رُخ نیکو را
گر گوی خطا رفت بہ چوگانش زن | ور اسپ غلط کرد بمن بخش اورا

اخیر مصرع دو پہلو رکھتا ہی، ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اسکو بخشدیجیے، دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رو ہی تو مجھے دے ڈالیے۔ محمود نے اس حسن طلب کے صلہ مین گھوڑا عنصری کو دیدیا، عنصری نے ایک اور رباعی گھوڑے کیطرف سے معذرت مین لکھی،

رفتم بر اسپ تا بنوازش بکشم | گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہان برگیرم | نے چرخ چہارمم کہ خورشید کشم

یعنی مین نے گھوڑے کو سزا دینے کا قصد کیا، گھوڑے نے کہا، پہلے میرا عذر تو سن لیجیے، کچھ مین گاو زمین تو نہین ہون کہ عالم کا بار اُٹھا لون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون،

شاعری کے متعلق، عنصری نے جو کام کیے اُن کی تفصیل یہ ہی۔

(۱) قصیدہ مین تخلص اور گریز سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز سمجھی جاتی ہی یعنی غزلیہ مضامین کہتے کہتے بادشاہ کی مدح کی طرف کیونکر رجوع کرین، متاخرین کو ناز ہی کہ یہ نکتہ آفرینیان اُنھین کے ساتھ مخصوص ہین، لیکن انصاف یہ ہی کہ عنصری کے مخالص بھی

عنصری کی شاعری کی خصوصیات

متاخرین سے کم نہین، ایک قصیدہ مین ابتدا سے انتہا تک دو دو چیزون کا مقابلہ کیا ہی، اُس مین لکھتا ہی:

غنو دستند آن ماہ منور — خط، و زلفین آن مہ روے دلبر
یکے را سنبل نورستہ بالین — یکے را لالہ خود روے بستر
بہ روی و موی او بنگر کہ بینی — بے آذر، ہر دو آن را نعل آذر
یکے بے دود سال و ماہ تیرہ — یکے بے نور روز و شب منور
مرا بہرہ دو چیز آمد ز گیتی — دلِ پاک و زبان مدح گستر
یکے بر مہر جانان وقف کردم — یکے بر مدح شاہنشاہ کشور

ایک اور قصیدہ ہی۔

گہ آن آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر — گہ آن پیراستہ جعدش ببارد مشک و گہ عنبر
شگفتہ لالہ رخسارہ، حجابِ لالہ سیارہ — بُراز عاج و دل از خارہ تن از شیر و لب از شکر
سمن بوے، شبہ موے، بلا جوے، جفا گوے — پریزادے، پری روے، پری چہرے، پری پیکر
بپرداز اے دل از روی کہ گاہ آمد کہ حق جوے — غزل چندین چرا گوئی ز عشق آن بت دلبر
ثنا جوے از غزل بگسل، کہ تا این ہر دو بود فرخ — غزل بر ماہِ زیبا رخ، ثنا بر شاہ نیک اختر

ایک قصیدہ سوال و جواب سے شروع کیا ہی اور اخیر تک یہ انداز قائم رکھا ہی۔ اُس مین نہایت خوبی سے مدح کی طرف رجوع کی ہی۔

ہر سوالے کز ان گل سیراب — دوش کردم مرا بداد جواب
گفتم آتش بران رخت کہ فروخت — گفت آن کہ دل تو کرد کباب
گفتم اندر عذابِ عشق توام — گفت عاشق نکو بود بہ عذاب
گفتم از چیست روے راحت من — گفت ہر دم ز ردی خسرو شاب
گفتم آن میر نصر ناصر دین — گفت آن مالکِ قلوب و رقاب



گفتم اندر جہان چو او دیدی — گفت نے و نخواندہ ام بکتاب
گفتم اعداے او دروغ زن اند — گفت ہمچون مسیلمہ کذاب
گفتم از مدح او ثنیا سایم — گفت زینسان کنند اولوا الالباب
گفتم او را چہ خواہم از ایزد — گفت عمر دراز و دولت شاب

ایک قصیدہ کو تشبیب سے شروع کیا ہی، معشوق کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہی

او، و من ہر دو ہمی نازیم، و ناز من بہ است — کو بہ حسنِ خویش نازد من بمدح شہریار

ایک قصیدہ زلف کی تعریف سے شروع کیا ہی۔

ای شکستہ زلفِ یار، از بسکہ تو دستان کنی — دست، دستِ تست اگر با ساحران یکسان کنی
ہم زرہ پوشی و ہم چوگان زنی بر ارغوان — خویشتن را گہ زرہ سازی و گہ چوگان کنی
نیستی دیوانہ، بر آتش چرا غلطی ہمی؟ — نیستی پروانہ، گرد شمع چون جولان کنی؟

زلف سے خطاب کرتے کرتے، اپنے آپ سے خطاب کرتا ہی۔

دل نگہدار اے تن از دردش کہ دل باید ترا — تا ثناے کدخداے کشور ایران کنی

(۲) قصیدہ اگرچہ مداحی اور بھٹئی کے لیے مخصوص ہو گیا تھا، اسی بنا پر عرفی نے کہا ہی، قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی

ایک اور شاعر کہتا ہی۔

گر نگویم قصیدہ باکے نیست — من خوشامدمی توانم گفت

لیکن عنصری نے اکثر قصائد سے واقعہ نگاری کا کام لیا ہی، اس نے اکثر قصیدون مین محمود کی لڑائیان اور فتوحات نظم کی ہین، ایک قصیدہ مین جو ۲۰۰ شعرون کا ہے محمود کے تمام معرکے اجمالاً لکھے ہین[1]۔ اسکے چند اشعار یہ ہین۔

شنیدۂ؟ خبر شاہ ہندوان جیپال — کہ بر سپہر بلندستش ہمی بسود انسر

[1] تذکرۂ دولت شاہ مین لکھا ہی کہ اس قصیدہ مین ۱۸۰ اشعر مین، لیکن دیوان موجود مین اس سے کم ہین۔

بدان صفت سپہے چون شب سیاہ بزرگ    بدست ایشان شمشیرہائے ہمچو سحر
چو دود تیرہ، در د آتشے زبانہ زنان    تو گفتہ کہ پراگندہ شد بدشت سقر
خدایگان خراسان بدست پیشاور    بہ حملۂ بپراگند آن ہمہ لشکر
حکایت سفر مولتان ہمے دانی    دگر ندانی تاج الفتوح پیش آدر
اگر ز دجلہ فریدون گزشت بے کشتی    بہ شاہنامہ برآن برحکایت است سمر
ازان سپس کہ در و وہم رانبُد پایاب    وزان سپس کہ بران بادرانہ بود عبر
بہ مولتان شد و در رہ دو دلیت قلعہ کشاد    کہ ہر یکے راصد بندہ بود چون خیبر
بلاد و بت کدہ شان کشاد و سوخت ہمہ    بہ رد باد ہمہ تو دہائے خاکستر
چو باز گشت بہ یک تاختن بہ میمنہ شد    ازان کہ بود خراسان ز رنجہا مضطر

خوارزم کی فتح مین لکھتا ہے۔

بوقت آن کہ زمین تفتہ بُد ز باد سموم    ہوا چو آتش دگر دا ندرو، بجاے شرار
فرو گذشت بآمویہ شہریار جہان    بہ فال اختر نیک و بہ نصرت دادار
ہمہ زمین شدہ، از روئے (دریاے جیحون ۱۲) بندگان کشمیر    ہمہ ہوا شدہ از عکس جادشان فرخار
در آب در ہمہ غرقہ شدند چون فرعون    چو بر گذشت بر آن آب شاہ موسیٰ وار
فراخ جیحون چون کوہ شد ز بسکہ درد    کلاہ د ترکش و زین بود و جامہ و دستار
کسے کہ زندہ بماندست ازان ہزیمتیان    اگرچہ تنش درست است، ہست چون بیمار
بہ مغزش اندرون تیغ است، اگر بود خفتہ    بہ چشمش اندر تیر است اگر بود بیدار
اگر بہ جنبد، بند قباے او از باد    گمان کند کہ ہمی بر جگر خورد مسمار
اگر سوال کند، گویدا اے سوار مزن    دگر جواب دہد، گویدا اے ملک زنہار

آخر شعر دن مین شکست یافتہ فوجون کی بدحواسی اور خوف زدگی کی تصویر کس خوبی سے کھینچی ہے، کہتا ہے کہ جب یہ سوتے ہین تو خواب مین ان کو ہر طرف



تلوارین نظر آتی ہین، اور آنکھ کھلتی ہے تو تیر ہی تیر دکھائی دیتے ہین، قبا کا بند اگر ہوا سے جنبش کرتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ کوئی شخص کلیجے مین کیل ٹھوک رہا ہے۔ اگر کچھ درخواست کرتا ہے تو یہ کہ میان سوار! اب نہ مارنا، اور کچھ جواب دیتا ہے تو یہ کہ اے بادشاہ، پناہ دے۔

(۳) مناظر قدرت، اور خاص خاص چیزون کے اوصاف بھی اُس نے نہایت خوبی سے لکھے ہین۔

بہار

ابر نوروزی، ہمی دُر بار دو بت گر شود    تا ز صنعش ہر درختے لعبتے دیگر شود
باغ ہمچون کلبۂ بزاز پُر دیبا شود    باد ہمچون طبلۂ عطار پُر عنبر شود
روے بندد[۱] ہر زمینے حلۂ چینی شود    گوشوار ہر درختے رشتۂ گوہر شود
زمین کا ہر تختہ چینی کپڑے کی نقاب پہن لیتا ہے    درخت کانون مین سونے کے بُندے ڈال لیتے ہین
چون حجابی لعبتان خورشید را بینی کہ باز    گہ برون آید ز میغ، و گہ بہ میغ اندر شود
آفتاب ابھان متی کی پُتلی بن گیا ہے    کہ کبھی بادل سے نکل آتا ہے اور کبھی بادلون مین گھس جاتا ہے
افسر سیمین فرو گیرد ز سر کوہ بلند    باز مینا چشم، و دیبا روے و مشکین سر شود
پہاڑ نے چاندی کا تاج (برف) سر سے اُتار کر رکھ دیا    اور اسکی آنکھین سبز، چہرہ پر رنگا اور سر مشکین ہو گیا

مقصد یہ کہ پہاڑ پر سبزہ، بنفشہ، اور طرح طرح کے پھول پیدا ہو گئے۔

نارنج کی تعریف

درخت نارنج، از خامہ گوئیا شنگرف    برِ حیت است کسے مُشت مُشت در زنگار
ز برگ و بار ہمہ طوطیان پُرّا نند    کہ برگ شان ہمہ پَر است و بار شان منقار

نہر کی تعریف

مجرہ وار یکے جوے اندرو گزرد    بر آب خضر بتہ کردہ، آب او بازار
اگر بجنبد (کہکشان ۱۲) گوئی ہمی بجنبد جان    وگر بہ پیچد (آب حیات ۱۲) گوئی ہمے بہ پیچد مار
بسان قارون گاہے فرو شود بزمین    گہے شود بہ ہوا بر چو جعفر رض طیار

---

۱ نقاب کو کہتے ہین۔

ہاتھی کی تعریف

نہ چرخ اند، لیکن ہمہ چرخ گردش    نہ کوہ اند، لیکن ہمہ کوہ پیکر
چو اندر ہوا، کوہ بر قوم موسیٰ    چو بر قوم عاد آیت باد صرصر
چنان گردد، از عرض شان دشت گوئی    بہ موج اندر آید، ہمی بحر اخضر
تنک راہ گیرند، بر آب و آتش    بدندان بدرند پولاد و مرمر
زمین کوہ باشد چو آیند پیدا    چو اندر گذشتند، چاہ مقعر

صنایع و بدایع | یہ بدعت عنصری سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن خال خال تھی اور اسقدر نمایان نہ تھی کہ لوگون کا خیال اُسطرف رجوع ہوتا، عنصری نے اکثر صنعتین مثلاً لف و نشر، ترصیع، تقسیم، سوال و جواب، کثرت سے برتین اور چونکہ بعض صنعتین نہایت خوبی سے استعمال کین، اور شعرا نے بھی تقلید کی، اور ایک عام شاہراہ پیدا ہو گئی، چنانچہ ترصیع یعنی دونون مصرعون مین تمام الفاظ کا باہم مساوی الوزن ہونا یا ہم قافیہ ہونا، اسقدر عام ہوا کہ قدما کے اخیر دور یعنی ساتوین صدی تک تمام قصائد اسی انداز پر لکھے جاتے تھے اور فی صدی ۹۰ شعرون مین یہ صنعت پائی جاتی تھی. لف و نشر تقسیم سیاقۃ الاعداد، کو بھی رواج ہوا، لیکن نہ اسقدر کہ قصائد گلے کا ہار بنجائین عنصری نے جسطرح اِن صنعتون کو برتا، اُن کی مثالین درج ذیل ہین۔

ترصیع

درختے است گویا بہ مینا منقش    پرندے ست گویا بہ لولو مشجر
روندہ است در فتنش در مغز شیران    خورندہ است خوردنش از مغز کافر
نہ وہم است و گستنش چون وہم بر دل    نہ مغز است و بودنش چون مغز در سر

گر آن آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر    گر آن پیراستہ جعدش ببارد مشک گہ عنبر
رُخ چون تو شگفتہ گل، ہمہ گلبن بہ رنگ مُل    ہمہ شمشاد، پر سنبل، ہمہ بیچارہ پر شکر
بہ ... واز نکوئے معنی، بہ غمزہ از جادوے دعوے    بہ چہرہ حجت مانی، بہ خوبی حاجت آذر
سمن بوے، شبہ موے، بلا جوے، جفا گوے    پری زادے، پری روے، پری چہرے، پری پیکر



دل آرامی، دل آرائے، غم انجامی، غم افزائے    نکو روے، نکو رائے، بہ حسن اندر جہان سرور

تمام قصیدہ اِسی صنعت مین ہے، اور اسقدر مقبول ہوا کہ تمام شعرائے مابعد نے الخ، اما اسکے تتبع مین قصائد لکھے، سلمان ساوجی، امیر خسرو، اور قاآنی نے بعض اور خوبیان اسمین اضافہ کین، اور زیادہ حسن پیدا کر دیا، مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

کنون کز شنبلید و ارغوان و یاسمن دارد    چمن تزئین، دمن تمکین، زمین آئین، زمان زیور
بہ صحن باغ، و طرف راغ، و زیر سرو، و پائے جو    بزن گام، و بجو کام، و بدہ جام، و بکش ساغر

لف و نشر اور تقسیم کو اگرچہ عنصری نے بہت کم برتا ہے لیکن نہایت خوبی اور سادگی سے برتا ہے۔

یا ببندد، یا کشاید، یا ستاند یا دہد    تا جہان باشد ہمی مر شاہ را این یادگار
انچہ بستاند ولایت، انچہ بدہد خواستہ    انچہ بندد دست دشمن، انچہ بکشاید حصار

مبالغہ، اس مین بھی، عنصری نے کچھ کمی نہین کی، لیکن اسوقت تک تکلف اور بناوٹ کو اسقدر ترقی نہین ہوئی تھی اس لیے متاخرین کے مقابلہ مین اس کے مبالغے پھیکے معلوم ہوتے ہین مثلاً وہ گھوڑے کی تعریف مین کہتا ہے۔

شگفت آید از مرکب تو خرد را    کش از باد طبع است و از خاک منظر
بہ گام سپہر برود گر برانے    بہ تقریبش از باختر تا بہ خاور
نہ جستن کند کم ز دریا بہ دریا    نہ منزل کند کم ز کشور بہ کشور

---

مضمون آفرینی

بہ نور و ظلمت ماند زمین و ابر ہمی    بہ دُر و مینا ماند سرشک ابر و گیا
فریفتہ است زمین ابر تیرہ را کہ ازو    ہمی ستاند دُر و ہمی دہد مینا

یعنی زمین اور بادل نور و ظلمت کے مشابہ ہین، اور قطرۂ باران اور گھاس، گویا موتی اور سبز شیشے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ بادل، زمین کے فریب مین آگئے ہین، کیونکہ

زمین سبز شیشہ دیکر اسکے عوض بادلون سے موتی لیتی ہی۔

همانا که خورشید رنگ رخش را بدزدو که بخشد به یاقوت احمر

عام خیال یہ ہو کہ آفتاب، جب کسی پتھر پر چالیس برس تک متصل طلوع ہوتا رہتا ہو تو وہ یاقوت بنجاتا ہی، عنصری کہتا ہی، کہ آفتاب دراصل معشوق کے چہرے کا رنگ چُراتا ہی، اور وہ یاقوت کو دے دیتا ہی۔

گھوڑے کی تعریف

زمانِ گزشتہ است کش درنیابی چو بگزشت از پیش چشم تو دیگر

برجعت بر آن گونہ باشد کہ گوئی ہمے باز گردد زمانہ مکرر

یعنے جب یہ گھوڑا، سامنے سے نکل جاتا ہو تو گویا گزرا ہوا زمانہ ہے جس کو تم پا نہین سکتے، اور جب چکر لگا کر آجاتا ہو تو یہ معلوم ہوتا ہو کہ زمانہ نے پلٹا لیا۔

## فرخی

علی نام ابوالحسن کنیت، فرخی تخلص سیستان وطن، باپ کا نام قلوغ تھا، جو امیر خلف بن احمد حاکم سیستان کے دربار مین ملازم تھا، بچپن مین ادب اور موسیقی کی تعلیم پائی، چنانچہ چنگ بجانے مین کمال پیدا کیا، معاش کی یہ صورت تھی کہ ایک زمیندار کی ملازمت کرتا تھا جسکے معاوضہ مین سالانہ دوسو کیل غلہ اور سو درہم مقرر تھے، یہ مختصر سی آمدنی اسکی سادہ زندگی کے لیے کافی تھی، لیکن چند روز کے بعد اُس نے امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کی جسکی وجہ سے خرچ بڑھ گیا، آقا سے تحریری درخواست کی کہ تنخواہ مین ۵۰ درم کا اضافہ کردے، اور غلہ کی مقدار دوسو کیل کے بجاے تین سو کردی جائے، آقا نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ اس قدر حاضر ہو اور اس سے زیادہ کا مجھ کو مقدور نہین۔



فرخی کو شعر و شاعری کا بچپن سے ذوق تھا اور اب اُس نے اس فن مین کافی ترقی کر لی تھی، شاعری کی قدردانی کے قصے ہر جگہ مشہور تھے اس لیے اسکو خیال ہوا کہ اس ذریعہ سے یہ مشکل حل ہو گی، چنانچہ لوگون سے پوچھتا رہتا تھا کہ اس فن کا کون بڑا قدردان ہو،

ابوالمظفر چغانی اس زمانہ مین سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا، اور نہایت فیاض طبع، اور قدردان سخن تھا، فرخی اس کی فیاضی اور قدردانی کا شہرہ سنکر چغان مین آیا، چنانچہ ایک قصیدہ کی ابتدا اس واقعہ سے کی ہی،

با کاروانِ حلہ برفتم ز سیستان با حُلۂ تنیدہ ز دل بافتہ ز جان

ابوالمظفر کو گھوڑون سے بہت شوق تھا، اور بڑے اہتمام سے اُن کی پرداخت و تربیت کرتا تھا، اٹھارہ ہزار گھوڑیان اور بچھیرے ہمیشہ چراگاہ مین رہتے تھے، سال مین ایکدفعہ ان بچھیرون کا جائزہ لیتا تھا اور ان کو داغ کرتا تھا، فرخی جب بلخ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابوالمظفر داغ گاہ مین گیا ہی، لیکن خوش قسمتی سے عمید اسعد جو ابوالمظفر کا مختار کل تھا موجود تھا، فرخی اسکی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کی کہ شاعر ہون، عمید نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو فرخی کے چہرہ مہرہ ہیئت، وضع قطع، کسی چیز کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، بھدا ڈیل ڈول، ڈھیلا ڈھالا کرتا جسکے دونون طرف چاک سر پر بڑا سا پگڑ، سخت متعجب ہوا، تاہم حسن اخلاق کے لحاظ سے کہا کہ مین تمکو امیر کے دربار مین لیچلون گا، لیکن پہلے داغ گاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ لکھ لاؤ، اسکے ساتھ داغ گاہ کی صورت کا نقشہ کھینچکر دکھایا کہ کوسون تک سبزہ زار ہوتا ہی، جابجا چشمے بہتے ہین، بے تکلف احباب مل بیٹھتے ہین، گاتے بجاتے ہین، شراب پیتے جاتے ہین، بادشاہ ایک ہاتھ مین پیالہ دوسرے مین کمند لیکر بیٹھتا ہی، شراب پیتا جاتا ہی، اور لوگون کو گھوڑے انعام دیتا جاتا ہی؛

فرخی نے رات بھر مین قصیدہ تیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے پڑھا۔

چون پرند نیلگون، بر روے پوشد مرغزار پرنیانِ ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار

خاک را چون نافِ آہو مشک زاید بیقیاس ۔۔۔ بید را چون پرِّ طوطی برگ روید بے شمار

دوش وقت نیمشب بوے بہار آورد باد ۔۔۔ حبذا بادِ شمال و فرخا بوے بہار

باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین ۔۔۔ باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد در کنار

نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ ۔۔۔ ارغوان لعلِ بدخشان دارد اندر گوشوار

باغ بوقلمون لباس و شاخ بوقلمون نماے ۔۔۔ آب مروارید گون، و ابر مروارید بار

داغگاہ شہریار اکنون چنان خرم شود ۔۔۔ کاندرو از خرمی خیرہ بماند روزگار

سبزہ اندر سبزہ بینی چون سپہر اندر سپہر ۔۔۔ خیمہ اندر خیمہ بینی چون حصار اندر حصار

ہر کجا خیمہ است خفتہ عاشقے با دوست مست ۔۔۔ ہر کجا سبزہ است شادان یارے از دیدار یار

سبزہا با بانگ چنگ و مطربان چرب دست ۔۔۔ خیمہا با بانگ نوش ساقیان میگسار

عاشقان بوس و کنار و نیکوان ناز و عتاب ۔۔۔ مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار

بر درِ پردہ سراے خسرو پیروز بخت ۔۔۔ از پے داغ آتشے افروختہ خورشید وار

داغہا چون شاخہاے بسد یاقوت رنگ ۔۔۔ ہر یکے چون ناردانہ گشتہ اندر زیر نار

ریدکان خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف ۔۔۔ مرکبان داغ ناکردہ قطار اندر قطار

روے ہامون سبز چون گردون ناپیدا کران ۔۔۔ روے صحرا سادہ چون دریاے ناپیدا کنار

اندران دریا سمارے، وان سماری جانور ۔۔۔ اندرین گردون ستارہ وان ستارہ بیمدار

خسرو فرخ سیر، بر بارۂ، دریا گزر ۔۔۔ با کمند اندر میان دشت چون اسفندیار

گردن ہر مرکبے چون گردن قمری بہ طوق ۔۔۔ از کمند شہریار شہر گیر شہریار

ہر کرا اندر کمند شصت بازی، در فگند ۔۔۔ گشت نامش بر سرین و شانہ و در دش نگار

رود یک نیمہ بکند و مرکبان تیز تگ ۔۔۔ نیم دیگر مطربان و بادۂ نوشین گسار

عمید نے فرخی کو ساتھ لیا، اور ابوالمظفر کے پاس جاکر اس تقریب سے پیش کیا کہ دقیقی کے بعد آجتک اس پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا، یہ کہہ کر سارا واقعہ



بیان کیا، ابوالمظفر نے فرخی کو دربار مین مناسب موقع پر جگہ دی، شراب کا دور چل رہا تھا، دو تین دور ہو چکے تو فرخی اُٹھا اور درد آمیز لہجہ مین یہ قصیدہ پڑھا

ع با کاروان حلہ برفتم ز سیستان، ابوالمظفر خود شاعر تھا، حد سے زیادہ مسرور ہوا[۱] اور فرخی سے کہا کہ ہزار کمیت بچھیرے سامنے ہین جسقدر تم سے پکڑے جا سکین سب تمھارے ہین، فرخی شراب سے بدمست تھا، فوراً اُٹھا دستار سر سے پھینک بچھیرون کی قطار مین گھُس گیا، وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر پھیل گئے، فرخی ہر طرف پیچھے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا، تھک کر چور ہو گیا، اور وہین زمین پر پڑ کر سو رہا، صبح کو دن چڑھے اُٹھا، ابوالمظفر نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر، فرخی کو دربار مین طلب کیا، اور اسپ خاصہ، ایک خیمہ، تین شتر، پانچ غلام، اور پہننے کے کپڑے انعام دیے، دریافت سے معلوم ہوا کہ فرخی نے جس گلہ پر ہاتھ ڈالا تھا، اسمین بیالیس بچھیرے تھے، ابوالمظفر نے وہ بھی انعام مین دیدیے، چندروز کے بعد فرخی بڑے سر و سامان سے سلطان محمود کے دربار مین پہونچا، سلطان نے نہایت قدردانی کی اور شعراے خاص مین داخل کیا،[۲] ایک موقع پر اسپ خاصہ عنایت کیا تو فرخی نے یہ اشعار شکرگذاری مین لکھے۔

اسپے کہ چنان شاہ دہد اسپ نباشد ۔۔۔ تاجے بود آراستہ از لولوے شہوار

دشمن کہ برین ابلق رہوار مرا دید ۔۔۔ بے صبر شد و کرد غم خویش پدیدار

اسوقت تک باوجود تقرب اور منصب ندامت کے فرخی کو دربار مین کمربند باندھنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ لباس امراے فوج کے ساتھ مخصوص تھا، فرخی نے نہایت خوبی سے اس قصیدہ مین اس عہدہ کی آرزو کی ہے،

[۱] یہ تمام واقعہ اگرچہ تمام تذکرون مین منقول ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیل چہار مقالہ مین ہے اور مین نے گویا اُسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔

گفتا کہ بہ میران و بہ سرہنگان مانی　　امروز کلاہ و کمرت باید ناچار
گفتم کہ چہ دانی کہ شب تیرہ چہ زاید　　بشکیب و صبوری کن تا شب بنہد بار
من تنگدلی پیشہ نگیرم کہ بزرگان　　کس را بہ بزرگی نہ رسانند بیک بار

یعنی دشمن نے مجھ سے کہا کہ ابتو تمھارا ٹھاٹھ امرا کا سا ہی، اب کمر بند و کلاہ بھی ملنا چاہیئے مین نے کہا تجھ کو کیا خبر ہی کہ کل کیا ہوگا؟ جس نے مجکو اب خاصہ کے قابل سمجھا، وہ اسکا مستحق بھی سمجھے گا، مین دل گرفتہ نہین ہوتا کیونکہ سلاطین کا یہ دستور نہین کہ کسی کو ایکدم سے بڑے رتبہ پر پہنچا دین، بالآخر فرخی کی دولت و جاہ کی یہ نوبت پہونچی کہ جب اُسکی سواری نکلتی تھی تو بیس زرین کمر غلام رکاب مین چلتے تھے۔

ایاز جو سلطان محمود کا محبوب خاص تھا، فرخی کا نہایت قدردان تھا اور اُس سے نہایت خلوص رکھتا تھا، ربط زیادہ بڑھا تو محمود کو رشک ہوا یہانتک کہ فرخی کا دربار بند کر دیا، فرخی نے متعدد قصیدے معذرت مین لکھے۔ بالآخر سلطان صاف ہوگیا اور فرخی بدستور دربار مین جانے آنے لگا[۱]،

اِس زمانہ کے تمدن اور معاشرت پر تعجب ہوتا ہی کہ شعرا محمود کی مدح مین جو قصیدے لکھتے تھے، اُس مین علانیہ ایاز کے حسن و معشوقی کا ذکر کرتے تھے اور محمود اس سے خوش ہوتا تھا، فرخی ایک قصیدے مین لکھتا ہی۔

امیر جنگ جو ایا ناد میاق　　دل و بازوے خسرو روز پیکار
زنان پارسا از شوق گردند　　بہ کابین کردنی او را خریدار
نہ بر خیرہ بود دل داد محمود　　دل محمود را بازی مپندار
جز او در پیش سلطان نیز کس بود　　جز او سلطان غلامان داشت بسیار
اگر چون تیر یک تن بود آنجا　　نہ چندین بد مر او را اگرم بازار

[۱] مجمع الفصحا۔



غضاری نے محمود کی فرمایش سے ایاز کی تعریف مین دو شعر لکھکر پیش کیے تو محمود نے دو ہزار اشرفیان انعام مین دلوائین چنانچہ غضاری ایک قصیدہ مین کہتا ہی

مراد و بیت بفرمود شہریار جہان　　بران صنوبر عنبر عذار مشکین خال
دو بدرہ زر بفرستاد دو ہزار درم　　برغم حاسد تیمار بد سگال نکال

فرخی نے صنائع و بدائع شعری مین ایک کتاب بھی لکھی جسکا نام ترجمان البلاغہ ہی رشید الدین وطواط نے حدائق السحر مین اسکا ذکر کیا ہی اور لکھا ہی کہ "لغو کتاب ہی" بظاہر تعجب ہوتا ہی کہ ایران کے شعرا ابتدا ہی سے صنائع و بدائع کی طرف کیونکر مائل ہوے لیکن حقیقت مین یہ تعجب کی بات نہین، شاعری کا جو نمونہ فارسی شعرا کے پیش نظر تھا وہ عربی شاعری تھی، عرب مین خود اِس زمانہ مین صنائع و بدائع کی بدعت ایجاد ہو چکی تھی اور عبد بن معتز کی کتاب البدیع جو اِس فن کی پہلی کتاب تھی گھر گھر پھیلی ہوئی تھی، تاہم فرخی کی سلامت روی دیکھو کہ اُس نے صنائع و بدائع پر کتاب لکھی لیکن خود ان تکلفات سے آزاد ہی، فرخی نے ۴۲۹ھ مین وفات پائی۔

کلام پر رائے

فرخی کے کلام کا عام جوہر، زبان کی صفائی، اور سلاست و روانی ہی، حیرت ہوتی ہی کہ اِس ابتدائی زمانہ مین اُس نے زبان کو اِسقدر صاف کر دیا کہ ہزار برس گزر چکے لیکن آج کی زبان معلوم ہوتی ہی، قاآنی کا بڑا اعجاز یہی خیال کیا جاتا ہی، کہ وہ قصائد مین ہر قسم کے واقعات اِسطرح بے تکلف ادا کرتا جاتا ہی گویا دو آدمی آپس مین باتین کر رہے ہین، فرخی سے اِس کا موازنہ کرو، صاف نظر آئے گا کہ جو بات قاآنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی، فرخی کو اُسوقت حاصل ہوئی، رمضان اور عید کے ذکر مین قاآنی کا ایک مشہور قصیدہ ہی۔

دلگا ا ہیچ خبر داری کان ترک پسر　　با من از ناز دگر بار چہ آورد بہ سر
بلب نوشین آمد، شب دوشین پسرا ے　　حلقہ بر در زد و بر جستم و بگشودم در

گفت قاآئیکا اتا کے خوشی بہ سرا ے  خیز کز روزہ شد اوضاع جہان زیروزبر

غالباً مست چنان خفتہ اندر رمضان  کز سر روزہ واز رفتہ ترا نیست خبر

گفتم اے ترک دلآرام مگر باز آمد  رمضان آن مہ شاہد کش وزاہد پرور

گفت آرے رمضان آمد گوید کہ بہ خلق  رقم از بار خدا دارم واز پیغمبر

وقت آن آمد کان واعظک از بعد نماز  ہمچو بوزینہ بہ یکبار جہد از منبر

اِسی بحر وقافیہ مین فرخی کا قصیدہ دیکھو،

رمضان رفت و رہے دور گرفت اندر بر  خنک آن کس رمضان را بہ سزا برد بسر

بس گرامی بود این ماہ ولیکن چہ کنم  رفتنی رفتہ بہ، ور روے نہادہ بہ سفر

رمضان گر بشد از راہ فراز آمد عید  عید فرخندہ زماہ رمضان نیکوتر

گاہ آن آمد کز شادی برگرد و دل  وقت آن آمد کز بادہ گران گردد سر

بادہ روشن و آسودہ وصافی چو گلاب  ساقی و دلبر و شایستہ وشیرین چو شکر

مطربا آن غزل نغز دلآویز بیار  ورنہ دانی بشنو تا غزل گویم تر

اے دریغا دل من کان صنم سیمین بر  دل من بردو مرا از دل او نیست خبر

او دلے داشت گرامی و دل دیگر یافت  کاشکے من دلکے یافتمی نیز دگر

اِسی بحر اور قافیہ مین اسکا ایک اور قصیدہ ہی جو سراپا محاورہ اور روزمرہ ہے

ترک بت روے من از خواب گران دار دسر  دوش مے دادہ است از اول شب تا بسحر

میرا پری چہرہ معشوق نیند سے سرگران ہے  کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا ہے

من بچشم اورا دو بار بنمودم کہ بخسپ  او ہمی گفت بسر تا برم این دور بسر

مین نے دو دفعہ آنکھ سے اشارہ کیا کہ سو رہو  لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دور تو ختم ہونے دو

شب ہمہ بہرِ دلِ من نہ نشست و نخفت  دل من جست کہ ننشست و نخفت آن دلبر

ساری رات شراب پلانے مین گرمجوشی نہ بیٹھا نہ سویا  یہ میری خاطرداری تھی کہ سویا نہین اور نہ کھڑا رہا



حیلہ سازد کہ می افزون خود از نوبت خویش  ور تواند بخورد نوبت یاران دگر

چالاکی کرکے چاہتا ہی کہ اپنے حصے سے زیادہ پی لے  اور اُسکے امکان مین ہو تو اورون کا حصہ بھی اُڑا لے

کیست آن کو ننہد دل بچنین خدمت دوست  کیست آن کو نہ کشد بار چنین خدمت گر

---

مدح کے تشبیب مین فتوحات کا ذکر کرتا ہی۔

خسرو ما بہ شکار ملکان تاختہ بود  ما ز اندیشۂ او خستہ دل و خستہ جگر

خسرو از راہ دراز آمد با نعمت و کام  ملک از جنگ عراق آمد با فتح و ظفر

قلعہ ہا کندہ و بنشاندہ بہر شہر سپاہ  جنگہا کردہ و بنمودہ بہر جاے ہنر

اے پسر اگر دل من کرد ہمیخواہی شاد دگر  از پس بادہ بمن بوسہ ہمی باید داد

نقل با بوسہ بود، بادہ دہی نقل بدہ  دیرگاہ است کہ این رسم نہاد آن کہ نہاد

گر ہمی گوئی بوس از دگرے نیز بخواہ  تو مرا از دگران بردہ اے حور نژاد

یہ بھی فرخی کے خصوصیات مین ہی کہ جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہی تو اُس کا اصلی سمان آنکھون کے سامنے کھینچ دیتا ہی، ایک قصیدہ مین مجلس عیش کی خیالی تصویر کھینچی ہی۔

سرو ساقی و ماہ رود نواز  پردہ بستہ و در رہ شہناز

زخمۂ رود زن نہ پست و نہ تیز  زلف ساقی نہ کوتہ و نہ دراز

مجلسے خوب خسروانی وار  از سخن چین، تہی و از غماز

بوستانے ز لالہ و سوسن  ہمچو روے تذرو و سینۂ باز

دوستان مساعد و یک دل  کہ توان گفت پیش ایشان راز

ماہ روے نشاندہ اندر پیش  خوش زبان و موافق و دمساز

جعد او بر برند گشتی گیر  زلف او بر حریر چوگان باز

بادہ چون گلاب روشن د تلخ — مانده در خُم زگاہِ آدم باز
ازچنین مجلس وچنین بادہ — ہیچ زاہد مرا ندارد باز

سلطان محمود نے ایک باغ بڑے سروسامان سے تیار کرایا تھا، گلہاے رنگ رنگ کے تختہ زار، جابجا جدولین، دوطرفہ شمشاد، ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اُس مین رنگ برنگ کی مچھلیان کانون مین موتی کے آویزے پہنے تیرتی پھرتی تھین، تصویرخانہ مین محمود کی مجسم تصویرین، کہین برچھا ہاتھ مین لیے ہوے شکار کھیل رہا ہے، کہین بزم عیش مین بیٹھا ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے، فرخی اس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے۔

بہ فرخندہ فال و بہ فرخندہ اختر — زنو باغ میخواست شاہ مظفر
درو مسکن ماہرویان مجلس — درو خانۂ شیرگیران لشکر
کجا جاے بزم است گلہاے بیحد — کجا جاے صید است مرغان بیمر
روان گرد برگرد رعنا درختان — تدروان، آموختہ مادہ ونر
یکے کاخ شاہانہ اندر میانش — سرکنگرہ بر کنارِ دو پیکر
بہ کاخ اندرون صُفّہاے مُصفّا — دَرِ صُفّہا ساختہ سوے منظر
یکے ہمچو دیباے چینی منقش — یکے ہمچو ارژنگ مانی مُصوّر
نگارید در چند جام مُصوّر — شہ شرق را اندران کاخ پیکر
بہ یکجاے در صید، در دست ژوبین — بہ یک جاے در بزم بر دست ساغر
ازان کاخ فرخ چو اندر گزشتی — یکے رود، آب اندرو ہمچو شکر
نہ چرخ است واجزاے او چون ستارہ — نہ ابر است وآواے او ہمچو تندر
اگر بگزرد بر سرش مرغ موجش — بیالاید اندر ہوا مرغ را پر
بدنیسان بہ باغ اندران تند رودے — یکے ژرف دریا مرآن را برابر



بُرد اندران ماہیان چون عروسان — بگوش اندرون پرگہر حلقۂ زر
مکانے برآوردہ بہلوے دریا — بدان، تا بران می خورد شاہ صفدر
یمینِ دُول شاہ محمود غازی — امینِ ملل خسروِ بندہ پرور

ابوالمظفر چغانی کے دربار مین جب اس نے جانا چاہا ہے تو راہ مین بہت صعوبتین پیش آئین، قصیدہ مین تمام حالات تفصیل سے بیان کیے ہین، اور دیکھو مدح کی تمہید کا پہلو کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہے،

رہے صعب و شبے تاریک و تیرہ — ہوا چون قیر و زو ماہ مقیر
ہوا اندودہ رخسارہ بدودہ — سپہر آراستہ چہرہ بہ گوہر
گمان بردی کہ باد اندر پراگند — بروے سبز دریا برگ عبہر
مجرہ چون بدریا راہ موسیٰ — کہ اندر قعر او بگذشت لشکر
زمانے رفت وسر برزد مہ از کوہ — برنگ روے مہجوران مزعفر
بہ ریگ اندر ہمی شد بارہ تازان — چو در غرقاب مرد آشنا ور
شکم مالان بہ ہامون در ہمی رفت — شدہ ہامون بزیرِ آن مقعر
دمندہ اژدہاے پیشم آمد — خروشان وبے آرام و زمین در
گرفتہ دامن خاور بدنبال — نہادہ برکران باختر سر
بہ باران بہاران گشتہ فربہ — بگرماے حزیران گشتہ لاغر
میج شاہ بر جیحون بخواندم — برآمد بانگ از آب اللہ اکبر
کہ من شاگرد کف راد اویم — کہ تو مدحش ہمی برخوانی از بر
بفر شاہ از جیحون گزشتم — یکے موے از تن من ناشدہ تر
وزان جا تا بدین درگاہ گفتی — کشادستند مر فردوس را در

سا بے کی ی ظاہر نہین ہوتی۔ اور یہ قدما کی زبان ہے۔

همہ بالا پُر از دیبائے رومی — همہ پستی پُر از کالائے ششتیر (نام شہر پیر)
تو گفتی هینکل (ہندی) زر دشت گشتہ است — زبس لالہ همہ صحرا سراسر

فرخی نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے بھی یہ صفت موجود تھی لیکن سیکڑون گوناگون واقعات کو نہایت بے تکلفی اور برجستگی سے ادا کرکے اُس نے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کردی، اور آئندہ نسلون کیلیے راستہ صاف کردیا، اکثر قصیدون مین فتوحات کے حالات لکھتا ہی، اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک مورخ بے کم و کاست ٹھیک ٹھیک حالات لکھتا جاتا ہی، سومنات کی فتح مین جو قصیدہ لکھا ہی، اسمین ایک ایک مقام اور اس کا حال بیان کیا ہی۔

گمان کہ برد؟ کہ ہرگز کسے ز راہ طراز — بہ سومنات برد لشکر و چنین لشکر
یہ کسکو خیال تھا کہ کوئی شخص طراز کی راہ سے — سومنات پر فوج لیجا سکتا ہی اور فوج بھی ایسی فوج
ہوائے آن وژم و باد آن چو دود جحیم — زمین آن سیہ و خاک آن چو خاکستر
راستے مین ہوا ایسی خراب جیسے دوزخ کا دھوان — زمین بالکل سیاہ اور خاک جیسے راکھ
همہ درخت، د میان درخت خار کشن — نہ خار بلکہ سنان خلندہ و خنجر
تمام جھاڑیان اور جھاڑیون کے کانٹے — کانٹے نہین بلکہ چبھنے والی برچھیان اور خنجر
نہ مرد را سر آن کاندران نہادے پے — نہ مرغ را دل آن وازران کشادے پر
نہ آدمی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ قدم رکھے — نہ پرند کو یہ ہمت ہوتی تھی کہ اُڑ سکے
عجب تر آنکہ ملک را همی چنین گفتند — کہ اندرین رہ مار دو سر بود بیمر
سب سے بڑھکر عجیب بات یہ کہ لوگون نے بادشاہ سے کہا تھا — کہ اس راہ مین دو مونہے سانپ بیشمار ہین
بہ شب چو خفتہ بود مرد سر بر آرد مار — همی کشد نفس خفتہ تا بر آید خور
آدمی جب رات کو سو جاتا ہی تو یہ سانپ نکلتے ہین — اور دھوپ نکلنے تک پھنکار مارتے ہین۔
چہ خور بر آمد و گرمی بہ مرد خفتہ رسد — سبک نگردد ازان خواب تا گہ محشر
جب آفتاب نکل آتا ہی اور آدمی کے بدن کو گرمی پہنچتی ہی — تو آدمی ٹھنڈا ہوکر رہ جاتا ہی اور قیامت تک اُٹھ نہین سکتا



بدین درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد — گذشت شاہ بتوفیق خالق اکبر
ایسے سخت اور خراب راستہ سے جسکا مین نے بیان کیا — بادشاہ خدا کی توفیق سے گزر گیا
بُرد ز بہر پس ماندگان و گم شدگان — میان بادیہ ہا حوضہائے چون کوثر
پیچھے رہ جانے والون کے لیے — جنگل مین حوض تیار کرا دیے تھے
بدان رہ اندر چندین حصار و شہر بزرگ — خراب کرد و بکند اصل ہر یک از بن و بر
سیکڑون قلعے اور شہر جو راہ مین پڑے — برباد کردیے اور اُنکی جڑ کھود کے پھینک دی
نخست لاردہ کز روے برج و بارہ او — چو کوہ کوہ فرو ریخت آہن و مرمر
پہلا قلعہ لاردہ تھا، جسکے برج اور دیوار سے — پہاڑون کے برابر لوہا اور پتھر برستا تھا
چہ مندھیر کہ در مندھیر حوضے بود — چنانکہ خیرہ شدے اندرو دو چشم فکر
اور مندھیر کا کیا کہنا، جسمین ایک ایسا حوض تھا — جسکو دیکھکر عقل کی آنکھون کو چکاچوندھ لگجاتی تھی
فراخ پہنا حوضے بہ صد ہزار عمل — ہزار بتکدہ خرد گرد حوض اندر
نہایت چوڑا حوض جسمین ہزارون کاریگریان کام مین آئین — ایک ہزار چھوٹے چھوٹے بتخانے اُسکے اندر تھے
یکے حصار قوی بر کران شہر درو — ز بت پرستان گرد آمدہ یکے محشر
شہر کے کنارے پر ایک قلعہ تھا، — جسمین بت پرست ٹھٹ کے ٹھٹ اکٹھے تھے
فریضہ ہر روز آن سنگ را بشستندے — بہ آب گنگ و بہ شیر و بہ زعفران و شکر
اُس بت کو لازمی طور پر ہر روز — گنگا کے پانی اور دودھ اور زعفران اور شکر سے دھوتے تھے

شکار مین قمرغہ کا طریقہ، ایک مدت سے چلا آتا ہی، یعنی کسی بڑے جنگل مین جہان کثرت سے شکاری جانور ہوتے تھے، چارون طرف آدمیونکی صفون کو پھیلا کر بڑا حلقہ قائم کرلیتے تھے، پھر حلقہ کو بتدریج چھوٹا کرتے جاتے تھے یہانتک کہ دو چار میل کی وسعت رہ جاتی تھی، اور تمام جانور سمٹ کر اتنے ہی دور مین آجاتے تھے پھر ہر طرف سے اُنپر حملے ہوتے تھے، اکثر مارے جاتے تھے، بہت سے زندہ بھی گرفتار ہوتے، سلطان محمود بھی

اس طریقے سے اکثر شکار کھیلا کرتا تھا، **فرخی** نے ایک قصیدہ مین اسکا سمان دکھایا ہی،

اے ز جنگ آمدہ و روے نہادہ بہ شکار — تیغ و تیر تو ہمے سیر نگردیدہ زکار

ہرچہ در ایران پرندہ، دو و دامی بود — ہمہ را گرد بہم کردی در یک دیوار

گرد ایشان پرہ بربستی مانند عقاب — زان برون رفت ندانست یکے زانہمہ کنار

در دویدند سوے تو بہ قطار از سر کوہ — باز گستردے در دامن کہسار بہ قطار

بامدادان ہمہ کہسار پُر از وحشی بود — شامگاہان ہمہ پرداختہ بود از کہسار

در زمانے، ہمہ آن دشت زخون دد و دام — لعل کردے چو گلستانے ہنگام بہار

خواہمی من کہ بجاستے بہرام امروز — تا بدیدے و بیاموختے از شاہ شکار

واقعہ نگاری کا اندازہ فرخی پر اسقدر غالب ہی کہ قصائد کی تشبیب مین جو در اصل غزل ہوتی ہی، یہ انداز قائم رہتا ہی، مثلاً ایک قصیدہ کی تشبیب مین لکھتا ہی۔

دوش متواریک بہ وقت سحر — اندر آمد بہ خیمہ آن دلبر

چنگ در بر گرفت و خوش بنواخت — دازدو بید فرو فشاند شکر

پنج شش جام خورد و بر گل گشت — رُخ آن روے نیکوان یکسر

مست گشت و ز بہر خفتن ساخت — خویشتن را کنار من بستر

زلف مشکین بروے در پوشید — دست من زیر کرد، و زلف زبر

زلف او را بدست بگرفتم — زنخ گرد او بہ دست دگر

راست گفتی گرفتہ بُد چاکر — گوی و چوگان شہ بدست اندر

دیکھو تشبیب سے مدح کی تمہید کس خوبی سے پیدا کی ہی۔

**فرخی** سے پہلے مرثیہ کے اشعار بہت کم پائے جاتے ہین، اور جسقدر ہین معمولی درجہ کے ہین، لیکن **فرخی** نے سلطان محمود کا جو مرثیہ لکھا وہ نہ صرف پُر درد او ر پُر تاثیر ہی بلکہ اس فن کے تمام اصول اور آئین اس سے قائم ہو سکتے ہین،



مرثیہ گوئی کے بڑے اصول تین ہین۔

۱۔ ممدوح کی عظمت و شان کا ذکر کیا جاتا ہی تاکہ اُس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اس پایہ کا شخص اُٹھ گیا۔

۲۔ اسکے مرنے سے ملک مین جو رنج و ماتم برپا ہی، اس کا ذکر کیا جاے۔

۳۔ اسکو مخاطب کرکے ایسے خیالات ظاہر کیے جائین جس سے یہ ثابت ہو کہ انتہاے وارفتگی اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ کہنے والے کو اُس کے مرنے کی بھی خبر نہین، اور وہ ابتک اسکو اسی طرح مخاطب کرکے باتین کرتا ہی جسطرح زندگی مین کرتا تھا،

**فرخی** کے مرثیہ مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، اسکے ساتھ الفاظ، بندش اور طرز ادا اسقدر موثر ہی کہ پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہی۔

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار — چہ فتادست کہ امسال دگرگون شد کار

غزنین اب وہ نہین ہی جو مین نے پار سال دیکھا تھا — اس سال کیا پیش آیا کہ وہ حالت بالکل بدل گئی

کوہہا بینم پر شورش و سرتاسر کوے — ہمہ پُر جوشن و جوشن در، و پُر خیل و سوار

دیکھتا ہون کہ تمام گلیون مین شور برپا ہی اور اس سرے سے اس سرے تک — جوشن پوش گھوڑون اور سوارون کے ٹھٹ ہین

مہتران بینم بر سر زنان ہمچو زنان — چشمہا کردہ زخون نابہ برنگ گلنار

بڑے بڑے سردار عورتون کی طرح مُنھ پیٹ رہے ہین — اور اُن کی آنکھین خون سے رنگین ہو گئی ہین

ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا — دشمنے روے نہادست درین شہر و دیار

شاید اس سال بادشاہ جہاد سے واپس نہین آیا — اس وجہ سے ملک مین کوئی دشمن آ پہنچا ہے

مے بسے خوردہ مگر دی، کہ بخفتہ است امروز — دیر تر خاست مگر رنج رسیدش ز خمار

غالباً رات بہت شراب پی گیا اسلیے ابتک سو رہا تھا — چونکہ خمار کی تکلیف ہی اسلیے آج دیر مین اُٹھے گا

خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند — ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار

اے بادشاہ اُٹھ! بادشاہون کے قاصد آئے ہین — جو کثرت سے ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہین

کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا　　خفتنی خفتۂ کز خواب نگردی بیدار
کس کی طاقت ہے کہ تجھ کو اس نیند سے جگا سکے　　تو ایسی نیند سویا کہ اب پھر نہ جاگے گا
خفتن بسیار اے خواجہ خوے تو نبود　　ہیچ کس خفتہ ندیدست ترا زین کردار
اے آقا! دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی　　کسی نے اس طرح تجھ کو سوتے نہیں دیکھا تھا
یک دمک باے در خانہ بالیست نشست　　تا بدیدے روے تو عزیزان و تبار
ذرا دیر تو تجکو دربار مین آکر بیٹھنا چاہیے　　کہ عزیز اور قریب تیرا چہرہ دیکھ لیتے
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان　　تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بہ حصار؟
تیرے ڈر سے تو تمام سلاطین قلعون مین بھاگ کر چھپ گئے　　تو کس کے ڈر سے قلعہ مین بھاگ کر چھپا ہے
شعرا را بہ تو بازار برافروختہ بود　　رفتی و با تو بہ یکبارہ برفت آن بازار
تیرے دم سے شاعرون کا بازار گرم تھا　　تو گیا، اور وہ بازار بھی جاتا رہا

---

صنائع شاعری مین ایک چیز **تلمیح** یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہے، **فرخی** اس صنعت کا استعمال نہایت خوبی سے کرتا ہے.

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت مین گیہون کھالیا تو اُن کے بدن کے کپڑے خود بخود اُتر گئے اور وہ بالکل برہنہ رہ گئے، فرخی نے اس واقعہ سے خزان کی تعریف مین مضمون پیدا کیا،

مگر درخت شگوفہ گناہ آدم کرد　　کہ از لباس چو آدم ہمی شود عریان

**نوشیروان** نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی ایوان شاہی مین ایک زنجیر لٹکا دی تھی کہ جس کسی کو کچھ شکایت ہو وہ زنجیر آکر ہلا دے، زنجیر کے ہلنے کے ساتھ وہ کسی حالت مین ہوتا، باہر نکل آتا تھا، دیکھو فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے

من چو مظلومان، از سلسلۂ نوشیروان　　اندر آویختہ زان سلسلۂ زلف دراز



مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے تخت پر بیٹھکر سیر کیا کرتے تھے فرخی نے اس سے تشبیہ کا کام لیا

سپے بازی گوے شد خسرو　　بر یکے تازی اسپ گرپیکر
راست گفتی بہ باد بر جم بود　　گر بود باد را ستام بہ زر

حضرت موسیٰ جب رود نیل پر پہنچے تو دریا بیچ مین سے پھٹ کر سیدھی سڑک نکل آئی جس سے تمام بنی اسرائیل پار اُتر گئے، فرخی کہکشان کی تعریف مین کہتا ہے.

معجزہ چون بدریا راہ موسے　　کہ اندر قعر او بگذشت لشکر

صنائع و بدائع، عارض سخن کے داغ ہین تاہم چونکہ اس زمانہ مین اس کا رواج عام ہو چکا تھا، فرخی کے کلام مین بھی یہ داغ پائے جاتے ہین لیکن چندان بدنما نہین معلوم ہوتے، لف ونشر، اور صنعت تقسیم کو ایک قصیدہ مین جمع کیا ہے.

در رگ و اندر تن و اندر دل و اندر دو چشم
خواب و صبر و روح و خون را اے مہ افتاد انقلاب
رنج دارد جاے خون و درد دارد جاے روح
عشق دارد جاے صبر و آب دارد جاے خواب
ہشت چیز او برد از ہشت مایہ، ہشت چیز
سال و مہ این ہشت چیزش را ہمین ست اکتساب
حلم او سنگ زمین و طبع او لطف ہوا
روے او دیدار ماہ و دست او جود سحاب
رسم او حسن بہار و لفظ او قند شکر
خلق او بازار مشک و خوے او بوے گلاب
ہشت چیزش را برابر یافتیم با ہشت چیز
ہر یکے زان ہشت سوے فضل او دارد مآب

تیغ او را با قضا و تیر او را با قدر
اسپ او را با سپہر و خشتِ او را با شہاب

حزم او را با امان و عزم او را با ظفر
لفظ او را با قرآن و حفظ او را با کتاب

صنعتِ سوال و جواب،

برخیت کہ گل سوری، چہ ریخت ؟ برگ، چرا؟
ز ہجر لالہ کجا رفت لالہ؟ شد پنہان

ازان چہ خیزد؟ دُرّ و ازین چہ خیزد؟ زر
سخا کہ ورزد؟ این و عطا کہ بخشد؟ آن

# فردوسی

حسن بن اسحاق بن شرف نام، اور فردوسی تخلص تھا، دولت شاہ کا بیان ہو کہ کہین کہین وہ اپنا تخلص ابن شرف شاہ بھی لاتا ہو، مجالس المومنین مین بعض مورخون کے حوالہ سے اسکے باپ کا نام منصور بن فخر الدین احمد بن مولانا فرخ بیان کیا ہو وطن

[۱] فردوسی کا حال تمام تذکرون مین بہ تفصیل مذکور ہو لیکن سب مین باہم سخت اختلاف ہو، ان مین سب سے زیادہ قابل اعتبار چار مقالہ ہو جسکا مصنف خود نامور شاعر اور فردوسی سے قریب العہد ہو تاہم اس مین بھی سخت غلطیان ہین۔ تیمور کے پوتے بای سنقر نے فضلا سے شاہنامہ پر جو دیباچہ لکھوایا تھا اسمین فردوسی کی مفصل سوانحمری ہو لیکن بعض واقعات ایسے لغو لکھے ہین کہ اعتبار اُٹھ جاتا ہو، دولت شاہ سمرقندی نے بھی کسی قدر تفصیل سے حالات لکھے ہین اور وہ بھی غلطیون سے خالی نہین، عربی مصنفین مین سے صرف قزوینی نے آثار البلاد مین اُس کا حال لکھا ہو، مین نے ان سب مین سے واقعات لیے ہین؛ لیکن جابجا اُن کی غلطیون کی بھی تصریح کردی ہو۔



فردوسی کا وطن

مین بھی اختلاف ہو، چار مقالہ مین ہو کہ طبرستان کی نواحی مین باژ نام ایک گاؤن تھا، فردوسی یہین کا رہنے والا تھا، دیباچۂ شاہنامہ مین گاؤن کا نام شاداب لکھا ہو، بہرحال اسقدر عموماً مسلم ہو کہ فردوسی کا وطن طوس کے اضلاع مین تھا، اور یہ دہی مردم خیز صوبہ ہو جسکی خاک نے امام غزالی، اور محقق طوسی پیدا کیے۔

سنہ ولادت معلوم نہین، البتہ سال وفات ۴۱۱ھ ہو، اور چونکہ عمر کم از کم ۸۰ برس کی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتا ہو۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد
امیدم بہ یکبارہ برباد شد

اس لیے سال ولادت تقریباً ۳۲۹ھ سمجھنا چاہیے۔

فردوسی کی ولادت

فردوسی جب پیدا ہوا تو اسکے باپ نے خواب مین دیکھا کہ نوزائیدہ بچے نے کوٹھے پر چڑھ کر نعرہ مارا، اور ہر طرف سے لبیک کی صدائین آئین، صبح کو جاکر نجیب الدین سے جو اُس زمانہ کے مشہور معبّر تھے، تعبیر پوچھی، اُنھون نے کہا، یہ لڑکا شاعر ہوگا اور اسکی شاعری کا غلغلہ تمام عالم مین پھیلے گا، سن رشد کو پہنچکر تحصیل علوم مین مشغول ہوا اور تمام درسی علوم حاصل کیے، چونکہ آبائی پیشہ زمینداری تھا، اور جس گاؤن مین سکونت تھی خود اسکی ملک مین تھا، اس لیے معاش کی طرف سے فارغ البال تھا، وہ اطمینان کے ساتھ علمی شغلون مین بسر کرتا تھا اور کتب بینی کیا کرتا تھا۔

**شاہنامہ کی ابتدا اور دربار مین رسائی** یہ واقعہ جسقدر قطعی ہو اُسی قدر اسکی تفصیل مین اختلاف ہو عام روایت یہ ہو کہ فردوسی دادرسی کے لیے محمود کے دربار مین گیا، یہان اس کی شاعری کا جوہر کھلا، اور شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہوا، لیکن یہ قطعاً غلط ہو، فردوسی نے خود بیان کیا ہو کہ شاہنامہ کی تصنیف مین ۳۵ برس صرف ہوے۔

سی و پنج سال از سرای سپنج
بسے رنج بردم بہ امید گنج

[۱] چہار مقالہ صفحہ ۶۰ -

چو بربادداوند گنج مرا    بند حاصلے سی و پنج مرا

اور سلطان محمود کی کل مدت سلطنت ۳۱ برس ہے۔

شاہنامہ کے دیباچہ مین فردوسی نے خود جو سبب تصنیف بیان کیا ہے اُس سے بھی اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے، اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار مین پہنچنے سے بہت پہلے وہ شاہنامہ شروع کر چکا تھا، تفصیل ان واقعات کی شاہنامہ کے سبب تصنیف مین آگے آئے گی۔

شاہنامہ کی ابتدا

بہرحال اس قدر یقینی ہے کہ فردوسی نے وطن ہی مین شاہنامہ کی ابتدا کی اور ابومنصور نے جو طوس کا صوبہ دار تھا، اُسکی سرپرستی کی، ابومنصور کے مرنے کے بعد طوس کا عامل سلان خان مقرر ہوا چونکہ شاہنامہ کا اب ہر جگہ چرچا پھیلتا جاتا تھا سلطان محمود کو بھی خبر ہوئی، سلان خان کے نام حکم پہنچا کہ فردوسی کو دربار مین بھیجدو، فردوسی نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر شیخ معشوق کی پیشین گوئی یاد آئی، اسلیے راضی ہو گیا اور طوس سے چل کر ہرات مین آیا لیکن اِدھر درانداز یان شروع ہو گئین، دربار کا میر منشی بدیع الدین دبیر تھا، اُسی نے عنصری سے کہا کہ بادشاہ کو مدت سے شاہنامہ کی تصنیف کا خیال تھا لیکن دربار کے شعرا مین سے کسی نے اسکی ہامی نہین بھری اب اگر فردوسی سے یہ کام بن آیا تو تمام شعراے دربار کی آبرو خاک مین ملجائے گی، عنصری نے کہا بادشاہ سے یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ فردوسی کو اُلٹا پھیر دیجیے، لیکن اسکی اور تدبیر کرنی چاہیے، چنانچہ فردوسی کے پاس ایک قاصد بھیجا[1] کہ یہان کا قصد بیفائدہ ہے سلطان کو یون ہی ایک خیال پیدا ہوا تھا جسکی بنا پر آپ کی طلبی کا حکم صادر ہوا لیکن اُس دن سے آجتک پھر کبھی ذکر تک نہین آیا، اسلیے حقیقت واقعہ سے آپکو اطلاع دیدی گئی، فردوسی نے ہرات سے واپس جانا چاہا لیکن ساتھ ہی خیال پیدا ہوا کہ شاید اسمین کچھ بھید ہو۔ اتفاق سے عنصری اور بدیع الدین دبیر مین شکر رنجی

[1] دیباچہ نویسون نے عنصری کے ساتھ رودکی کا نام بھی لکھا ہے، لیکن رودکی اس سے پہلے ۳۲۹ھ مین مر چکا تھا۔



پیدا ہوئی، عنصری نے فردوسی کو جو خط لکھا تھا بدیع الدین ہی کے مشورہ سے لکھا تھا، اب بدیع الدین نے فردوسی کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً اِدھر کا عزم کیجیے عنصری نے جو لکھا خودغرضی سے لکھا تھا، فردوسی نے خط کے جواب مین لکھ بھیجا کہ مین آتا ہون یہ اشعار بھی خط مین درج کیے۔

بگوش از سروشم بسے مژدہ ہاست    دلم گنج گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد بہ میزان من عنصری    گیا چون کشد پیش گلبن سرے

غرض ہرات سے چلکر غزنین مین آیا اور ایک باغ کے قریب ٹھہرا، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، شہر مین جن لوگون سے راہ و رسم تھی اُن کو اپنے آنے کی اطلاع کی، چلتا پھرتا باغ مین جا نکلا، حُسن اتفاق سے دربار کے ممتاز شعرا یعنے عنصری، فرخی، عسجدی باغ مین سیر کو آئے تھے، اور بادہ و جام کا دور چل رہا تھا، فردوسی اُدھر کو جا نکلا، حریفون نے اسکو مخل صحبت سمجھ کر روکنا چاہا، ایک نے کہا کہ اسکو چھیڑا جائے تو خود تنگ آ کر چلا جائیگا، عنصری نے کہا، یہ تہذیب اور آدمیت کے خلاف ہے، آخر رائے قرار پائی کہ رباعی کا ایک مصرع طرح کیا جائے سب اس مین طبع آزمائی کرین اگر یہ بھی مصرع لگائے، تو شریک صحبت کر لیا جائے ورنہ خود شرمندہ ہو کر اُٹھ جائے گا۔

شعراء کا معرکہ

عنصری نے ابتدا کی اور کہا ع چون عارض تو ماہ نباشد روشن ۔

فرخی نے کہا ع مانند رخت گل نبود در گلشن۔

عسجدی نے کہا ع مژگانت ہمی گذر کند از جوشن۔

قافیون مین شین کا التزام تھا اور اس التزام کے ساتھ کوئی شگفتہ قافیہ باقی نہین رہا تھا۔ فردوسی نے برجستہ کہا ع مانند سنان گیو در جنگ پشن

سب نے گیو اور پشن کی تلمیح پوچھی، فردوسی نے تفصیل بیان کی اسوقت تو سب نے

اسکو شریک صحبت کر لیا، لیکن رشک اور حسد، ایشیائی قوموں کا خاصہ ہی، سب نے سازش کی کہ فردوسی دربار تک نہ پہونچنے پائے[1]۔

بعض روایتون مین ہی کہ یہ مشاعرہ خود سلطان محمود کے دربار مین ہوا تھا سلطان محمود کے ندیمون مین ماہک نام ایک شخص صاحب مذاق تھا، اُس سے یہین باغ مین ملاقات ہوگئی تھی، فردوسی کی شیرین زبانی اور قابلیت دیکھکر گرویدہ ہوا اور اپنے گھر مین لا کر رکھا، کھانے کے بعد فردوسی سے اس کا حال دریافت کیا اُس نے اپنی ساری داستان بیان کی

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان نے شاہنامہ کی تصنیف کا حکم دیا تھا اور سات شاعر یعنی عنصری، فرخی، زینبی، عسجدی، منجیک، چنگ زن خرمی، ابوبکر، اسکاف ترمذی اس کام کے لیے انتخاب ہوے تھے۔

ماہک نے فردوسی سے شاہنامہ کی تصنیف، اور شعرا کے انتخاب کا ذکر کیا فردوسی نے کہا، مین بھی شعر کہتا ہون موقع ہو تو دربار مین میرا بھی ذکر کر دینا ماہک نے اُسی دن دربار مین جا کر فردوسی کی تقریب کرنی چاہی لیکن موقع نہ ملا اسطرح ایک ہفتہ گزر گیا، ایک دن ماہک نے دربار سے آکر بیان کیا کہ آج تمام شعرا دربار مین حاضر تھے اور شاہنامہ کی مختلف داستانین سنائی جارہی تھین، عنصری نے رستم و سہراب کی داستان نظم کی تھی، جب یہ دو شعر پڑھے۔

دربار مین پہنچنے کی تقریب

هر آنگه که تشنه شدی تو بخون | بیالودی این خنجر آبگون
زمانه بخون تو تشنه شود | بر اندام تو موے دشنه شود

تو سلطان محمود نے نہایت پسند کیا، اور حکم دیا کہ عنصری ہی اس خدمت کے لیے مقرر کیا جائے، فردوسی اُسوقت چپکا ہو رہا اور خود یہ داستان نظم کرنی شروع کی رات کو جب معمول کے موافق کھانے پر بیٹھے تو فردوسی نے کہا عنصری سے پہلے شعرا نے

[1] یہ دیباچہ شاہنامہ کی روایت ہی دولت شاہ کا بیان ہی کہ اس امتحان کے بعد عنصری نے فردوسی کی تحسین کی اور خود دربار شاہی مین اسکو لیجاکر پیش کیا۔



رستم و سہراب کی داستان نظم کی چنانچہ خود میرے پاس ایک نظم موجود ہی جسکے آگے عنصری کے اشعار کی کچھ حقیقت نہین، یہ کہکر نظم حوالہ کی، سرنامہ تھا۔

کنون خورد باید مئے خوشگوار | کہ می بوے مشک آرد از جویبار
ہوا پُر خروش و زمین پر ز جوش | خنک آنکہ دل شاد دارد بنوش
ہمہ بوستان زیر برگ گل است | ہمہ کوہ پر لالہ و سنبل است

ماہک نے سلطان محمود کی خدمت مین جا کر تمہید کے ساتھ پیش کی محمود نے پوچھا کہ یہ جواہر کہان سے ہاتھ آئے، ماہک نے فردوسی کا نام لیا، اُسی وقت طلبی ہوئی محمود نے نام و نشان پوچھا، فردوسی نے کہا طوس کا باشندہ ہون محمود نے اُسکے حالات پوچھے اور اسی سلسلہ مین پوچھا کہ طوس کب سے آباد ہی اور کس نے آباد کیا، فردوسی نے تفصیل سے تمام واقعات بیان کیے، محمود نے شعراے سبعہ کو بلوایا اور فردوسی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ رستم و سہراب کی داستان اسی نے نظم کی ہی فردوسی نے اس کے اشعار سُنائے تو سب حیرت زدہ رہ گئے، محمود نے خلعت عطا کیا، شعرا نے تحسین کی صدا بلند کی، عنصری نے بڑھ کر، فردوسی کے ہاتھ چوم لیے اس زمانہ مین امرد پرستی عیب نہین سمجھا جاتا، محمود نے فردوسی سے فرمایش کی کہ ایاز کے سبزۂ خط کی تعریف مین کچھ کہے، فردوسی نے برجستہ کہا۔

بدیہہ گوئی کا امتحان

مست است بتا چشم تو و تیر بدست | بس کس کہ ز تیر چشم مست تو بخست
گر پوشد عارضت زرہ عذرش ہست | کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ ز مست

یعنی معشوق کی آنکھین مست اور تیر بکف ہین، اُن تیرون نے ہزارون کے دل چھلنی کر دیے ہین اس لیے اُن سے بچنے کے لیے رخسارون نے زرہ پہن لی ہی (خط کو زرہ سے تشبیہ دی ہی کیونکہ مست سے سبھی ڈرتے ہین خصوصاً جب اُسکے ہاتھون مین تیر ہو۔

شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد ہوئی

محمود نہایت محظوظ ہوا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ فردوسی کو ایوان شاہی کے قریب ایک مکان دیا جائے جو تمام ضروری سازوسامان سے آراستہ ہو، اور آلات جنگ، اسلحہ حرب، شاہان عجم اور بہادران اور پہلوانون کے مرقعون اور تصویرون سے سجادیا جائے، ایک ایک شعر پر ایک ایک اشرفی صلہ مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ جب ہزار شعر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیان دیدی جایا کرین، لیکن فردوسی نے متفرق رقم سے انکار کیا، اور کہا کہ جب کتاب پوری ہوجائے گی تو ایک ساتھ لون گا۔

فردوسی جب وطن مین تھا تو اکثر ایک چشمہ کے کنارے بیٹھا کرتا، اور آب رواں کی سیر سے لطف اٹھاتا تھا، چشمہ کے اوپر بند تھا جو برسات کے زمانہ مین ٹوٹ جاتا تھا، اور اس وجہ سے پانی گدلا ہوجاتا تھا، فردوسی کی طبیعت اس سے مکدر ہوتی تھی قصد کیا کہ بند کو پختہ کرادے، لیکن اتنا مقدور نہ تھا، شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو نیت کی کہ جو کچھ صلہ ملے گا بند کی تیاری مین صرف کردون گا، یہ وجہ تھی کہ اُس نے شاہنامہ کا صلہ متفرق طور پر لینا پسند نہ کیا۔

فردوسی نے متصل ۴ سال تک غزنین مین قیام کیا، اور شاہنامہ کی تصنیف مین مصروف رہا، پھر وطن گیا اور کئی برس رہ کر واپس آیا[1]، اس اثنا مین جو حصہ تیار ہوچکا تھا، محمود کے حضور مین پیش کیا اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کیے۔

اثنائے تصنیف مین بیٹے کا انتقال

شاہنامہ کی تصنیف کے بیسوین سال جبکہ اسکی عمر ۶۵ برس کی تھی اُسکے جوان بیٹے کا انتقال ہوگیا، فردوسی کو سخت رنج ہوا، چنانچہ اس واقعہ کا ذکر شاہنامہ مین کیا ہے۔

مگر بہرہ گیرم از بند خویش — براندیشم از مرگ فرزند خویش
نہ بد ہا تو بودی مرا دستگیر — چرا راہ جستی ز ہمراہ پیر

[1] دولت شاہ



مگر ہمرہان جوان یافتی — کہ از پیش من تیز بشتافتی
جوان را چو شد سال برسی و ہفت — نہ بر آرزو یافت گیتی و رفت
ہمی بود ہموارہ با من درشت — برآشفت و یکبارہ بنمود پشت
مرا شصت و پنج و ورا سی و ہفت — نپرسید ازین پیر و تنہا برفت

فردوسی کی ناکامی اور اسکا سبب

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے کہ فردوسی کو اسکی اعجاز بیانی کی داد نہین ملی یعنی جب شاہنامہ تیار ہوا تو اُسکو اشرفیون کے بجائے روپے دلوائے گئے۔

یہ واقعہ عموماً مسلم ہے، لیکن اسباب مختلف بیان کیے گئے ہین اور سب باہم متناقض ہین۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایاز کی طرف کبھی رُخ نہین کیا اسلیئے اُس نے دراندازی کی اور محمود کو یقین دلایا کہ فردوسی رافضی ہے، نظامی عروضی کا بیان ہے کہ دربار کا بڑا گروہ وزیر اعظم حسن میمندی کا مخالف تھا اور چونکہ فردوسی کا مربی اور سرپرست وہی تھا اس لیے اس کی ضد پر اس گروہ نے محمود کے کان بھرے اور فردوسی کو معتزلی اور رافضی ثابت کیا، دیباچہ مین ہے کہ فردوسی کو خود حسن میمندی نے تباہ کیا جسکی وجہ یہ تھی کہ غزنین اور اطراف وجوانب کے امرا فردوسی کو طرح طرح کے تحفے بھیجتے تھے، فردوسی بھی اشعار کے ذریعہ سے اُن کا شکریہ ادا کرتا تھا حسن کو یہ ناگوار معلوم ہوتا تھا، لیکن فردوسی کچھ پرواہ نہین کرتا تھا اور کہتا تھا۔

من بندہ کز مبادی فطرت نبودہ ام — مائل بمال ہرگز و طامع بجاہ نیز
سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم — چون فارغم ز بارگہ پادشاہ نیز

حسن میمندی مذہباً خارجی تھا اور فردوسی شیعہ، اس لیے بھی اس نے فردوسی کی مخالفت کی، ان متناقض روایتون مین سے کس پر اعتبار کیا جائے[1]۔

[1] سلطان محمود کی مدت حکومت مین تین شخصون کو وزارت کا رتبہ ملا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۲ پر ملاحظہ ہو)

دیباچہ نویسون نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے اور اُسپر ان کو ناز ہے وہ یہ کہ فردوسی نے شاہنامہ مین جابجا شرافتِ نسب کو بڑی آب و تاب سے لکھا ہے، اور یہ سلطان محمود کو اس وجہ سے ناگوار ہوتا تھا کہ وہ غلام زادہ تھا اس لیے شرافت کی خوبی پر زور دینا، گویا در پردہ اُس پر چوٹ تھی۔

تذکرہ نویسون کا یہ فیصلہ ہے کہ محمود نے فردوسی کے شیعہ پن کی وجہ سے اسکی قدردانی مین کمی کی، لیکن اولاً تو محمود کے دربار مین بہت سے شیعی علما و فضلا تھے جو نہایت قدر و عزت سے بسر کرتے تھے، ابوریحان بیرونی جو علانیہ شیعہ تھا محمود نے خود فرمان بھیجکر اُس کو بُلایا تھا اور نہایت قدردانی کرتا تھا، دربار مین ہندو عیسائی، یہودی ہر مذہب و ملت کے اہل کمال تھے فردوسی نے کیا قصور کیا تھا۔

دیباچہ مین ایک اور وجہ بیان کی ہے اور وہ قرین قیاس ہے۔

سلطان محمود کو دیلمی خاندان سے سخت عداوت تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متعصب شیعہ تھے (دیباچہ مین رافضی کا لفظ تھا جسکو ہم نے بدل دیا) اس خاندان کا تاجدار فخر الدولہ تھا وہ فردوسی کا نہایت قدردان تھا۔ جب فردوسی نے رستم و اسفندیار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) سب سے پہلے فضل ابن احمد اس منصب پر ممتاز ہوا وہ ابتدا مین سامانی خاندان کا نائب میر منشی تھا۔ پھر سبکتگین کے دربار مین وزارت کے رتبہ پر پہونچا، سبکتگین کے بعد سلطان محمود نے اسکا عہدہ بحال رکھا علم و فن سے عاری تھا، لیکن مہمات سلطنت کے انتظام مین خداداد ملکہ رکھتا تھا، دس برس وزارت کرنیکے بعد سلطان محمود نے رقابت کی بنا پر معزول کر دیا، اسکے بعد حسن میمندی وزیر مقرر ہوا، اٹھارہ سال کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور حسن بن محمد کو وزارت[1] کی سند ملی، فردوسی نے فضل بن احمد کی مدح شاہنامہ مین لکھی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ محمد کے دربار مین اسی نے فردوسی کی تقریب کی ہوگی اور بالآخر جس نے محمود کو فردوسی کی ناکامی پر متوجہ کیا، وہ حسن بن محمد ہوگا،

[1] حبیب السیر مین ان وزرا کے حالات کسی قدر تفصیل سے مذکور ہین۔



کی داستان نظم کی تو اس نے صلہ کے طور پر ہزار اشرفیان بھیجین اور لکھا کہ اگر آپ یہان تشریف لائین تو نہایت اعزاز و احترام کیا جائیگا، یہ خبر تمام غزنین مین پھیل گئی محمود نے سُنا تو اُسکو ناگوار گزرا،

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ سلاطین دیلم عموماً سخت متعصب شیعہ تھے ۳۵۱ھ مین معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد کی تمام مسجدون کی دیوارون پر یہ عبارت لکھی گئی "امیر معاویہ اور غاصب فدک پر لعنت ہے" رات کو لوگون نے یہ عبارت مٹا دی معز الدولہ نے دوبارہ لکھنے کا حکم دیا، لیکن وزیر مہلبی نے رائے دی کہ صرف اسقدر لکھوا دیا جائے "ظالمینِ آل محمد پر لعنت ہے" البتہ معاویہ کا نام بہ تصریح لکھا جاے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی[1] یہ تعصب روز بروز بڑھتا گیا، سیوطی ۳۶۲ھ کے واقعات مین لکھتے ہین۔

| | |
|---|---|
| وفی هذه السنة و بعدها غلا الرفض | اس سنہ مین اور اسکے بعد مصر، شام، اور مشرق |
| وفاد بمصر و الشام و المشرق و المغرب | و مغرب مین رفض اُبل پڑا۔ |

فرقہ باطنیہ جو مسلمانون کو چھپ چھپ کر قتل کرتا رہتا تھا، اُنکی بڑی جمعیت دیلمیون ہی کے زیر حمایت تھی، چنانچہ جب ۴۲۰ھ مین سلطان محمود نے مجد الدولہ دیلمی کو گرفتار کیا تو باطنیون کا ایک گروہ عظیم اسکے ساتھ تھا ان اسباب سے محمود کو دیلمیون کے ساتھ نہ صرف مذہبی بلکہ پولیٹیکل دشمنی تھی اس لیے وہ فردوسی کے ساتھ فخر الدولہ دیلمی کی خط و کتابت کو مصالح ملکی کے لحاظ سے بھی گوارا نہین کرسکتا تھا[2]۔

بہرحال وجہ کچھ ہو، واقعہ یہ ہے کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا فردوسی حمام مین نہا رہا تھا کہ شاہنامہ کا صلہ پہنچا، فردوسی حمام سے نکلا تو ایاز نے

[1] ابن الاثیر واقعات ۳۵۱ھ۔

[2] ابن الاثیر واقعات ۴۲۰ھ۔

روپے کی تھیلیان پیش کین، فردوسی نے بڑی بیتابی سے دستِ شوق بڑھایا لیکن سونیکے پھل کے بجاے چاندی کے پھول تھے، فردوسی کے دل سے بیساختہ آہ نکلی، تھیلیان کھڑے کھڑے لٹا دین اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ "مین نے یہ خونِ جگر اِن سفید دانون کے لیے نہین کھایا تھا، ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی محمود نے حسن میمندی کو بلاکر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ تیری دراندازی نے مجھ کو بدنام کردیا، میمندی نے کہا کہ حضورِ خاک کی ایک چٹکی بھیجدیتے تب بھی فردوسی کو آنکھون سے لگانا تھا، انعام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہو" اس چبھتے ہوئے فقرہ نے محمود کے دلمین بھی اثر کیا، اور برہم ہوکر کہا کہ کل مین اس قرمطی کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤنگا فردوسی کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا، صبح کو محمود باغ مین آیا تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤن پر سر رکھدیا اور بدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود     بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در ظلِ عدلش قرار     شدہ ایمن از گردشِ روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ     رہے را شمارد یکے زان گروہ[غلام ۱۲]

سلطان محمود کو رحم آیا، اور اُسکی تقصیر معاف کی،

سلطان محمود کی ہجو

غزنین سے چلتے وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سربمُہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے ۲۰ دن بعد بادشاہ کو دینا، فردوسی ہرات کو روانہ ہوا، محمود نے لفافہ کی مُہر کھولی تو ہجو کے اشعار تھے۔

یکے بندگی کردم اے شہریار     کہ ماند ز تو در جہان یادگار
پے افگندم از نظم کاخ بلند     کہ از باد و باران نیابد گزند
بسے رنج بردم درین سال سی     عجم زندہ کردم بدین پارسی
چو بر باد دادند گنج مرا     نبد حاصلے سی و پنج مرا



اگر شاہ را شاہ بودے پدر     بسر بر نہادے مرا تاج زر
دگر مادر شاہ بانو بدُے     مرا سیم و زر تا بزانو بدُے
پرستار زادہ نیاید بکار     دگر چند دارد پدر شہریار
سرِ ناسزایان برافراشتن     وز ایشان امید بہی داشتن
سرِ رشتۂ خویش گم کردن است     بہ جیب اندرون مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت     گرش برنشانی بہ باغ بہشت
ور از جوی خلدش بہنگام آب     بہ بیخ انگبین ریزی و شہد ناب
سر انجام گوہر بہ کار آورد     ہمان میوۂ تلخ بار آورد
ز بد اصل چشم بہی داشتن     بود خاک در دیدہ انباشتن
ازان گفتم این بیتہاے بلند     کہ تا شاہ گیرد ازین کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا     بماند ہجا تا قیامت بجا

کلام کی جہانگیری دیکھو محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتین مٹا دین ملک کے ملک غارت کردیے، عالم کو زیر و زبر کردیا، لیکن فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہین اور قیامت تک نہین مٹ سکتے۔

فردوسی کا غزنین سے نکلکر آوارہ پھرنا

**فردوسی** غزنین سے نکلا تو اس بے سر و سامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کے سوا، کچھ پاس نہ تھا، احباب اور قدردانون کی کمی نہ تھی لیکن معتوبِ شاہی کو کون پناہ دیسکتا تھا تاہم ایاز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر کچھ نقدی اور سامانِ سفر بھجوا دیا، فردوسی ہرات مین آیا اور اسمٰعیل وراق کے ہان مہمان ہوا، چونکہ سلطان محمود نے ہر طرف فرمان بھیجدیے تھے کہ فردوسی جہان ہاتھ آئے گرفتار کرکے بھیجدیا جائے۔ چھ مہینے تک روپوش رہا، شاہی جاسوس ہرات مین آئے لیکن فردوسی کا پتہ نہ لگا سکے، اب اُس نے ہرات سے طوس کا رخ کیا،

سلہ چہار مقالہ ۱۲

سلطان محمود کی شکایت کے اشعار

طوس سے قہستان گیا، ناصر لک یہان کا حاکم تھا اسکو خبر ہوئی تو ندیمان خاص کو استقبال کے لیے بھیجا اور نہایت اخلاص کے ساتھ پیش آیا، فردوسی نے ایک مثنوی لکھنی شروع کی تھی جسمین حاسدون کی درازدستی، اپنی مظلومی اور سلطان محمود کی بدعہدی و ناقدردانی کا ذکر تھا،

بہ غزنین مرا گرچہ خون شد جگر ... ز بیداد آن شاہ بیدادگر
کزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام ... شنید از زمین آسمان نالہ ام
ہمی خواستم تا فغانہا کنم، ... بہ گیتی از و داستانہا کنم
بگویم زہا در شگ وہم از پدرش ... نہ ترسم بغیر از خداوند عرش
چو دشمن نمی داند از دوست باز ... بہ تیغ زبانش کنم پوست باز
و لیکن ز فرمودہ محتشم، ... بدانم گزین پیش چون سرکشم
فرستادم ار گفتہ ٔ داشتم ... بہ نزدیک خود ہیچ نگذاشتم
اگر باشد این گفتہا نا صواب ... بسوزان در آتش بشو آن در آب
گزشتم ایا سرور نیک رائے[۱] ... ازین داوری تا بدیگر سرائے
رسد لطف یزدان بفریاد من ... ستاند بمحشر از و داد من

فردوسی نے مثنوی کے اشعار ناصر لک کو سنائے تو اس نے سمجھایا کہ بدگوئی اہل کمال کی شان نہین، مین لاکھ روپے ان اشعار کے معاوضہ مین دیتا ہون اشعار کہین ظاہر ہونے پائین، فردوسی نے منظور کیا، ناصر لک نے سلطان محمود کی خدمت مین عریضہ لکھا کہ فردوسی کے حق مین بڑا ظلم ہوا[۱]

[۱] یہ دیباچہ کی روایت ہے چہار مقالہ مین قہستان کے بجائے طبرستان اور ناصر لک کے بجائے سپہبد شیرزاد کا نام ہے۔ دولت شاہ نے طبرستان کے بجائے رستمدار لکھا ہے۔ طبرستان اور رستمدار دراصل ایک ہی ہین لیکن سپہبد اور ناصر لک دو شخص ہین، دولت شاہ نے ان مین سے ایک کو چھوڑ دیا ہے۔



فردوسی جب غزنین سے روانہ ہوا تھا تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا۔

خجستہ درگہ محمود غزنوی دریاست ... چگونہ دریا کان را کرانہ پیدا نیست
چہ غوطہا زدم و اندرو ندیدم دُر ... گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

اتفاق یہ کہ جس دن ناصر لک کا عریضہ پہنچا، سلطان نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد مین آیا تھا اتفاق سے ان اشعار پر نظر پڑی نہایت متاسف ہوا۔ مسجد سے آکر، ناصر لک کا عریضہ دیکھا اور بھی مکدر ہوا جن لوگون نے فردوسی کے حق مین کانٹے بوئے تھے اُن کو بلا کر سخت توبیخ کی کہ تم نے دنیا مین مجھ کو بدنام کر دیا

ناصر لک نے گو فردوسی کی بہت کچھ خاطر مدارات کی تاہم سلطان محمود کے ڈر سے اپنے پاس نہ ٹھہرا سکا۔ فردوسی یہان سے بھی نکلا اور ماژندران مین آیا یہان وہ شاہنامہ کی نظر ثانی مین مشغول ہوا۔

ماژندران کی حکومت قابوس بن وشمگیر کے خاندان مین چلی آتی تھی اس زمانہ مین سپہبد فرمان روا تھا اسکو فردوسی کے آنے کی خبر ہوئی تو نہایت مسرت ظاہر کی اور فردوسی کو دربار مین بلایا۔ فردوسی نے مدحیہ اشعار اضافہ کر کے شاہنامہ پیش کیا سپہبد نے چاہا کہ فردوسی کو دربار سے نہ جانے دے، لیکن پھر سلطان محمود کا خیال آیا، ایک گران بہا صلہ بھیجکر کہلا بھیجا کہ محمود آپ سے ناراض ہے۔ اس لیے مین آپکو ٹھہرا نہین سکتا آپ اور کہین تشریف لیجائیے۔

دیباچہ نویسون نے لکھا ہے کہ "فردوسی یہان سے بغداد گیا، خلیفہ عباسی نے اسکی بڑی قدر کی۔ فردوسی نے عربی مین قصیدے لکھ کر پیش کیے اور اہل بغداد کی فرمائش سے یوسف زلیخا لکھی، سلطان محمود کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی

کو تہدید کا خط لکھا کہ فردوسی کو فوراً یہان بھیجدیجئے، ورنہ بغداد ہاتھیون کے پانون کے نیچے ہوگا۔ وہان سے تین حرف الف لام میم لکھکر آئے کہ سورۂ الم ترکیف کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہ تمام بے سروپا مزخرفات ہین۔

ایک دفعہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا راستہ مین دشمن کا قلعہ تھا، وہین ٹھہر گیا اور قاصد بھیجا کہ حاضر خدمت ہوکر اطاعت بجا لائے دوسرے دن قاصد جواب لایا لیکن ابھی کچھ کہنے نہین پایا تھا کہ محمود نے وزیر اعظم سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہی،

وزیر نے برجستہ کہا،

اگر جز بکام من آمد جواب — من و گرز و میدان افراسیاب

سلطان محمود نے تلافی مافات کا ارادہ کیا

محمود پھڑک اُٹھا اور پوچھا کس کا شعر ہے؟ وزیر نے کہا اُس بدقسمت کا جسنے ۱۵ برس خون جگر کھایا اور کچھ نہ حاصل ہوا محمود نے کہا مجھ کو سخت ندامت ہی غزنین پہنچکر یاد دلانا۔ غرض پایہ تخت مین پہنچکر ساٹھ ہزار اشرفیان فردوسی کے پاس روانہ کین۔ لیکن تقدیر پر کسکا زور ہی۔ ادھر شہر کے ایک دروازے جس کا نام **رودبار** تھا صلہ پہونچا اُدھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔[1]

بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ میر — یاد آئی مرے عیسی کو دوا میرے بعد

طوس مین ایک واعظ صاحب تھے اُنھون نے فتوی دیا کہ چونکہ فردوسی رافضی تھا اس کا جنازہ مسلمانون کے قبرستان مین دفن نہین ہوسکتا ہر چند

[1] یہ واقعہ مختلف طریقون سے مروی ہی، مین نے جو روایت لکھی ہی نظامی سمرقندی سے مروی ہی اور اسلیے زیادہ معتبر ہی کہ اس نے سنہ ۵۱۲ھ مین امیر معزی (ملک الشعرا سلطان سنجر) سے سنی تھی۔ اور امیر معزی سے امیر عبد الرزاق نے بیان کی تھی، دیکھو چہار مقالہ واقعات فردوسی۔



لوگون نے منت سماجت کی لیکن بدنفس واعظ نے ایک نہ مانی۔ مجبوراً شہر کے باہر ایک باغ مین کہ خود فردوسی کی ملک تھا دفن کیا۔ سلطان محمود کو پرچہ گزرا تو حکم دیا کہ واعظ شہر سے نکال دیا جائے۔[1]

فردوسی نے اولاد ذکور نہین چھوڑی تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی شاہی صلہ اسکی خدمت مین پیش کیا گیا، لیکن اسکی بلند ہمتی نے گوارا نہ کیا کہ باپ جس چیز کی حسرت مین مرگیا اولاد اُس سے تمتع اُٹھائے، سلطان محمود کو اسکی اطلاع دی گئی۔ حکم دیا کہ اشرفیان امام ابوبکر اسحاق کے حوالے کی جائین کہ اس سے فردوسی کے نام پر ایک کاروان سرائے بنا دی جائے۔ ناصر خسرو نے سفرنامہ مین لکھا ہی کہ سنہ ۴۳۷ھ مین جب طوس مین پہنچا تو ایک بڑی کاروان سرا دیکھی۔ لوگون سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہی۔ فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ مین لکھا ہی کہ اس کا نام چاھہ ہی، اور مرو اور نیشاپور کے راستہ مین ہی۔

عام تذکرہ نویسون کا بیان ہی کہ فردوسی نے سنہ ۴۱۱ھ مین وفات پائی لیکن فردوسی نے شاہنامہ کے خاتمہ مین تصریح کی ہی کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ مین انجام کو پہنچا،

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار — کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہی کہ اسوقت اسکی عمر اسی برس کی تھی۔

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد — امیدم بیکبارہ برباد شد

شاہنامہ کے ختم ہونے کے بعد، وہ دو چار برس سے زیادہ زندہ نہین رہا اس لیے اسکی وفات سنہ ۴۱۱ھ سے چند برس پہلے ہوئی ہوگی۔

فردوسی کا مزار مدت تک آباد اور بوسہ گاہ عالم رہا۔ نظامی سمرقندی نے

[1] چہار مقالہ ۱۲

سنہ ۱۵۰۰ھ میں اسکی زیارت کی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہو کہ آج اسکا مزار مرجع عام ہو قاضی نوراللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہین کہ "عبداللہ خان ازبک کی توجہ سے فردوسی کا مقبرہ معمور اور پُر رونق ہے۔ عام لوگ عموماً اور شیعہ خصوصاً زیارت کو جاتے ہین۔ مین نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو"

هرگز نمیرد آن که دلش زنده شد بعشق      ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

## شاہنامہ

**سنہ تصنیف و سبب تصنیف** کیا عجیب بات ہو، جو واقعہ جسقدر زیادہ مشہور ہوتا ہو اسیقدر اکثر غلط اور بے سروپا ہوتا ہو۔ عام طور پر مشہور ہو کہ فردوسی نے سلطان محمود کے دربار مین پہنچکر اسکے حکم سے شاہنامہ لکھنا شروع کیا۔ اکثر تذکرون مین بھی یہی لکھا ہو لیکن یہ غلط اور محض غلط ہو۔

فردوسی نے خاتمہ مین خود تصریح کی ہو کہ یہ کتاب سنہ ۴۰۰ھ مین تمام ہوئی

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار[1]      کہ گفتم من این نامۂ شہریار

اسکے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہو کہ پینتیس برس کتاب کی تصنیف مین صرف ہوئے

سی و پنج سال از سرای سپنج      بسے رنج بردم بامید گنج

اس بنا پر تصنیف کا آغاز سنہ ۳۶۵ھ سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ مین تخت نشین ہوا۔ اس لیے اسکی تخت نشینی سے مدتون پہلے شاہنامہ کی ابتدا ہو چکی تھی۔

عام خیال یہ ہو کہ شاہنامہ سلطان محمود کی فرمائش سے لکھا گیا۔ لیکن یہ بھی محض غلط ہے۔ فردوسی نے خود سبب تصنیف لکھا ہو جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسکو

[1] پانچ کو اسی مین ضرب دین تو چار سو ہوتے ہین ۱۲



صرف اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا مقصود تھا۔

همی خواهم از دادگر یک خدای      کہ چندان بمانم بہ گیتی بجای

کہ این نامۂ شهریاران پیش      بپیوندم از خوب گفتار خویش

بسے رنج بردم درین سال سی      عجم زندہ کردم بدین پارسی

همہ مردہ از روزگار دراز      شد از گفت من نامشان زندہ باز

چو عیسی من این مردگان را تمام      سراسر همہ زندہ کردم بنام

پے افگندم از نظم کاخ بلند      کہ از باد و باران نیابد گزند

تیسرے دفتر مین جہان دقیقی کے اشعار نقل کیے ہین خاتمہ پر لکھتا ہو۔

من این نامہ فرخ گرفتم بفال      همی رنج بردم بہ بسیار سال

ندیدم سرافراز بخشندۂ      بہ گاہ کیان بر نشینندۂ

سخن را نگہ داشتم سال بیست      بدان تا سزاوار این گنج کیست

جہاندار محمود با فر و جود      کہ اورا کند ماہ و کیوان سجود

ان اشعار مین صاف تصریح ہو کہ سلطان محمود کے دربار مین پہونچنے سے بیس سال پہلے شاہنامہ شروع ہو چکا تھا۔

دیباچہ سے ثابت ہوتا ہو کہ کتاب کا آغاز اس نے خود اپنے شوق سے کیا، قرائن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فردوسی فطرۃً شاعر تھا۔ اس کے ساتھ نسل کا مجوسی یعنی شاہان ایران کا ہم قوم تھا، دقیقی نے شاہنامہ کی جو بنیاد ڈالی تھی اور جسقدر شعر لکھ دیے تھے اسکے چرچے ہر جگہ پھیل گئے تھے اور اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس کتاب مین قبولیت کا کس قدر مادہ ہو۔ یہ اسباب اس بات کیلیے کافی تھے کہ فردوسی نے خود اپنے شوق سے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ ایک عظیم الشان کام تھا اور اعانت کے بغیر انجام نہین پا سکتا تھا سب سے زیادہ اس بات کی

ضرورت تھی کہ تاریخ کا مستند سرمایہ ہاتھ آئے حُسن اتفاق یہ کہ فردوسی کے وطن ہی مین ایک شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا اور وہ فردوسی کا مخلص دوست تھا اسکو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے یہ کتاب لاکر فردوسی کو دی۔ چنانچہ فردوسی دیباچہ مین لکھتا ہو۔

بہ شہرم یکے مہربان دوست بود — تو گفتی کہ بامن بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رائے تو — بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من این نامۂ پہلوے — بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو این نامۂ خسروان باز گوے — بدین جوے زد میہمان آبروے
چو آورد این نامہ نزدیک من — برافروخت این جان تاریک من

فردوسی اگرچہ جیسا کہ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے "رئیس زادہ اور خوشحال تھا، تاہم جب اس نے شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو علم دوست امرا نے قدردانی کا اظہار کرنا چاہا۔ لیکن منصور بن محمد نے جو طوس کا حاکم تھا۔ ایسی فیاضی کا اظہار کیا کہ فردوسی تمام لوگون سے بے نیاز ہوگیا۔

بدین نامہ چون دست کردم دراز — یکے مہترے بود گردن فراز
جوان بود از گوہر پہلوان — خردمند و بیدار و روشن روان
مرا گفت کز من چہ آید ہمے — کہ جانت سخن بر گراید ہمے
بچیزے کہ باشد مرا دست رس — بکوشم نیازت نہ آرم بکس

افسوس کہ منصور چند روز کے بعد مر گیا۔ فردوسی نے اس کا بہت پر درد مرثیہ لکھا۔

شاہنامہ کے قدردان

حیین قتیب۔ علی دیلم۔ بودلف۔ اور فضل ابن احمد کا نام بھی فردوسی کے قدردانون کی فہرست مین داخل ہو، نظامی سمرقندی نے لکھا ہو کہ "حیین قتیب طوس کا عامل تھا" (غالباً منصور کے مرنے کے بعد مقرر ہوا ہوگا) اس نے فردوسی کے دیہات کی مالگذاری معاف کردی تھی[1]

[1] چہار مقالہ۔ نظامی سمرقندی ۱۲



فضل ابن احمد سلطان محمود کا وزیر تھا، جسکے مرنے کے بعد حسن میمندی اس منصب پر ممتاز ہوا، فضل کا تذکرہ بھی فردوسی نے شاہنامہ مین کیا ہو۔

نظامی عروضی کا بیان ہو کہ علی دیلمی شاہنامہ کا مسودہ صاف کیا کرتا تھا اور بودلف راوی تھا، یعنی شاہنامہ حفظ یاد رکھتا تھا۔ اور جلسون اور صحبتون مین لوگون کو سُناتا تھا، لیکن شاہنامہ مین فردوسی نے ان دونون کا نام اس انداز سے لیا ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ فردوسی کے سرپرست اور مربی تھے، کاتب اور راوی نہ تھے۔

ازان نامور نامداران شہر — علی دیلم و بودلف راست بہر

بودلف کی نسبت قاضی نوراللہ شوشتری کا قیاس ہو کہ یہ وہ بودلف ہے، جو ایک محتشم رئیس تھا۔ جس کے نام پر اسدی طوسی نے گشتاسپ نامہ لکھا ہو اور دیباچہ مین اس کی مدح و ثنا کی ہو۔

ملک بودلف شہریار زمین — جہاندار ارانی پاک دین
بزرگی کہ با آسمان ہمسر است — ز نسل براہیم پیغمبر است

خوش اعتقاد دیباچہ نویسون نے لکھا ہو، کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد معشوق کی خدمت مین جو ایک مشہور صاحبدل تھے حاضر ہوا اور اُن سے اپنا خیال ظاہر کیا؛ اُنھوں نے کہا تم اس کام کو شروع کرو خدا تم کو کامیاب کرے گا، فردوسی تو کامیاب نہین ہوا، لیکن شاہنامہ کی کامیابی مین کس کو شک ہوسکتا ہو۔

## شاہنامہ کا ماخذ

شاہنامہ کا تاریخی مواد

سرجان مالکم[1] صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۶۵ مین لکھتے ہین۔

[1] سرجان مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین انگریزی سرکار کی طرف سے سفیر تھے بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر دیکھئے

قرن اول کے تمام مورخین لکھتے ہین کہ چونکہ ایرانیون نے عرب کے حملے کے روکنے
مین نہایت پامردی دکھائی تھی، اسلیے پیروان اسلام اسقدر برافروختہ تھے کہ اُنھون نے
ایران کی تمام قومی یادگارون کو برباد کردیا، شہرون کو آگ لگادی، آتشکدے برباد
کردیے موبدون کو قتل کرادیا۔ ہر قسم کی کتابین عموماً برباد کردین۔ کتب خانون کے مالکون
کو قتل کرادیا یہ متعصب عرب **قرآن** کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے۔ اور نہ جاننا چاہتے
تھے۔ موبدون کو مجوس کہتے تھے اور ان کو جادوگر سمجھتے تھے یونان اور روم کی کتابون سے
قیاس ہوسکتا ہو کہ اس طوفان مین ایران کی کسقدر کتابین بچی ہونگی۔ قریباً چار سو برس
گزر گئے۔ اور کسی نے ایرانیون کی تاریخ لکھنے پر توجہ نہین کی۔ سب سے پہلی کوشش
اِسکے متعلق جو کی گئی وہ **سامانیون** نے کی۔ مورخین کو اسمین اختلاف ہو۔ بعض کہتے
ہین کہ منصور ثانی نے ابتدا کی بعض کہتے ہین کہ دقیقی نے شاہنامہ لکھنا اسمٰعیل کے زمانہ
مین شروع کیا جو سلسلۂ سامانیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ غرض چونکہ سلاطین سامانی اپنے آپکو
بہرام چوبین کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ اِس لیے اُنھون نے اپنے اسلاف کا نام زندہ
کرنا چاہا"۔

مالکم صاحب کی متعصبانہ راے

مالکم صاحب ایک مدت تک ایران مین رہے ہین۔ فارسی زبان مین اُنکو پوری
مہارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان سب باتون کے ساتھ انکی
تحقیقات کا یہ عالم ہو کہ اتنی لمبی چوڑی عبارت مین ایک حرف بھی صحیح زبان سے نہ نکلا۔
مالکم صاحب کے تعصب کے جواب دینے کا یہ موقع نہین۔ البتہ تاریخی حیثیت سے
یہ امر قابل بحث ہو کہ **فردوسی** نے جب شاہنامہ لکھنا چاہا۔ تو ایران کا تاریخی ذخیرہ
کس قدر موجود تھا۔ عام خیال یہ ہو کہ مسلمانون مین علوم و فنون کی تدوین سنہ ۱۴۳ھ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) اُنھون نے ایران کی تاریخ قدیم و جدید پر ایک کتاب انگریزی مین لکھی مرزا حیرت
ایرانی نے اس کا ترجمہ کیا جو بمبئی مین سنہ ۱۸۸۶ء مین چھاپا گیا ۱۲



شروع ہوئی اور درحقیقت اسلامی علوم و فنون کے متعلق اس سے پہلے کسی تصنیف کا
پتہ نہین چلتا، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ غیر قومون کے علوم و فنون کا ترجمہ اس سے
پہلے شروع ہوچکا تھا۔ ہشام بن عبدالملک جو سنہ ۱۰۵ھ مین تخت نشین ہوا اور جو
سلاطین بنی اُمیہ کا گل سرسبد تھا۔ سب سے پہلے اس نے غیر قومون کی تاریخ کی
طرف توجہ کی اس کا میر منشی جبلہ بن سالم تھا۔ اس نے فارسی زبان کی بہت سی
کتابین ترجمہ کین۔ جنمین سے جنگ رستم و اسفندیار اور داستان بہرام چوبین بھی تھی۔[1]
شاہان عجم کے علمی ذخیرے جو فتوحات مین ہاتھ آئے تھے اُن مین ایک کتاب تاریخ
تھی یہ ایران کی نہایت مفصل اور مبسوط تاریخ تھی جسمین سلطنتون کے حالات کے ساتھ
حکومت کے قواعد اور آئین عہد بعہد کے علوم و فنون تعمیرات، وغیرہ کے مفصل حالات
تھے ایک خاص جدت یہ تھی کہ تمام سلاطین کی تصویرین بھی تھین اور تصویرون مین
اُن کی خاص وضع قطع، لباس، زیورات اور تمام خصوصیات کو بعینہ دکھایا تھا۔
ہشام نے اِس کتاب کا ترجمہ کرایا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۳ھ مین یہ ترجمہ تیار ہوا۔ مورخ
مسعودی نے کتاب الاشراف[2] مین لکھا ہو کہ مین نے سنہ ۳۰۳ھ مین بمقام اصطخر یہ
کتاب دیکھی سلطنت فارس کے متعلق جسقدر کتابین فارسی مین موجود ہین یہ سب سے
زیادہ مفصل ہو"، دولت عباسیہ نے آغاز ہی سے **ایران** کے علوم و فنون کے ترجمہ کی
طرف توجہ کی، ان مین سے تاریخی کتابین حسب ذیل ہین۔

ایران کی قدیم تاریخین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین

**خدائی نامہ**[3] - یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اسقدر مقبول عام تھی کہ بہرام ابن مردان
شاہ نے جو دولت عباسیہ کا مترجم تھا جب اس کتاب کو بہم پہنچانا چاہا تو بیس مختلف
نسخے اس کو ہاتھ آئے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان مین کیا اور

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۷۔ [2] کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶-۱۰۶۔ [3] خدائی نامہ کا ذکر
تاریخ حمزہ اصفہانی مطبوعہ یورپ صفحہ ۶۰۸ و ۲۴۳ و اور کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ مین ہو۔

اُس کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا۔

**آئین نامہ**۔ یہ بھی نہایت مفصل کتاب ہی، علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف (صفحہ ۱۰۴ مین) لکھا ہی کہ یہ بہت ضخیم کتاب اور کئی ہزار صفحون مین ہی عبداللہ بن المقفع نے اسکا ترجمہ کیا

| | |
|---|---|
| سیر ملوک الفرس | مترجمہ عبداللہ بن المقفع |
| سیر ملوک الفرس | مترجمہ محمد جہم البرمکی |
| سیر ملوک الفرس | مترجمہ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی |
| سیر ملوک الفرس[1] | مترجمہ محمد بن بہرام الاصفہانی |

**سیکران**۔ پہلوی زبان مین تھی، مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہی کہ اہل عجم اس کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا۔

| | |
|---|---|
| تاریخ دولت ساسانی | مترجمہ ہشام بن القاسم الاصفہانی<br>اصلاح دادہ بہرام بن مردان شاہ موبد نیشاپور |
| کارنامہ نوشیروان | اردشیر نے اپنے |
| شہرزاد و پرویز | اردشیر نے اپنے حالات اور واقعات خود لکھے تھے[3] |
| کارنامہ اردشیر بن بابک | |
| کتاب التاج | |
| بہرام و نرسی نامہ | |
| کارنامہ | نوشیروان کے حالات |
| مزدک نامہ۔ | |

[1] ان چارون کتابون کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ مین ہی [2] ان دونون کتابون کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ مین ہے [3] مروج الذہب مسعودی مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۶۲ جلد اول۔



ان کتابون کے علاوہ سلاطین ایران کے عہدنامے، توقیعات اور فرامین مہیا کیے گئے اور اُن کا ترجمہ کیا گیا۔ مثلاً وصیت نامہ نوشیروان بنام ہرمز۔ عہدنامہ اردشیر بابکان بنام شاپور۔ کسریٰ و مرزبان کا مکالمہ، نوشیروان کا خط سرداران فوج کے نام نوشیروان اور جواسپ کے مراسلات[1]۔

جب تاریخ ایران کا اسقدر ذخیرہ فراہم ہو چکا۔ تو مورخین اسلام نے انکی بڑے خود مستقل تصنیفین کین چنانچہ محدث طبری۔ علامہ مسعودی۔ ابوحنیفہ دینوری، یعقوبی حمزہ اصفہانی وغیرہ نے ایران کی مبسوط اور مفصل تاریخین لکھین جو یورپ کی بدولت آج چھپ کر شایع ہو چکی ہین، یہ تمام کتابین فردوسی کے زمانہ سے پہلے تصنیف ہو چکی تھین، ان واقعات کے بعد، مالکم صاحب کی رائے کو پڑھو کہ "مسلمان چارسو برس تک ایران کی تاریخ سے ناواقف تھے اور سب سے پہلی کوشش سامانیون کے دور مین ہوئی"۔

یہ تمام کتابین عربی زبان مین تھین، فارسی مین اسوقت تک ترجمے کے سوا کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی گئی تھی۔ غالباً سب سے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی وہ ابوعلی محمد بن احمد البلخی کی تصنیف تھی جس کا نام اُس نے شاہنامہ رکھا تھا۔ اسی بنا پر کشف الظنون مین اُس کو شاہنامہ قدیم لکھا ہی۔

ابوریحان بیرونی نے آثار الباقیہ[2] مین لکھا ہی کہ مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہی کہ مین نے اس کتاب کا سرمایہ کتب مندرجۂ ذیل سے فراہم کیا۔ سیر الملوک عبداللہ بن المقفع۔ سیر الملوک محمد بن جہم البرمکی۔ سیر الملوک ہشام بن القاسم۔ سیر الملوک بہرام شاہ بن مردان شاہ۔ سیر الملوک بہرام اصفہانی۔ تصانیف بہرام مجوسی۔

غرض جب دقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ

[1] ان چارون کتابون کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۳۰۵ مین ہی

[2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعۂ یورپ صفحہ ۹۹۔

عربی و فارسی مین تیار ہو چکا تھا۔ دقیقی نے سامانیون کی فرمائش سے یہ کام شروع کیا تھا، سامانیون کا کتب خانہ اُس زمانہ مین تمام عالم مین اپنا جواب نہین رکھتا تھا شیخ بوعلی سینا جب اول اول اس کتب خانہ مین داخل ہوا تو اس پر حیرت چھا گئی۔ چنانچہ اُس نے اقرار کیا ہو کہ مین نے اتنا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اسکے بعد دیکھا،، دقیقی کے لیے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی، سامانیون ہی کا دست پرورد اور اُن کو مٹا کر اُنکا جانشین بنا تھا اس لیے ہر طرح قرین قیاس ہو کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا اور فردوسی کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا ہوگا۔ یہ محض قیاس نہین بلکہ مورخین کی تصریح سے اِسکی تائید ہوتی ہو کشف الظنون مین ہو:

| | |
|---|---|
| تاریخ الفرس لبعض قدماء اهل فارس وقد کان معظما عند العجم لما فیه من اخبار اسلافهم و سیر ملوکهم وهو اصل الشهنامه و غیرها و نقله ابن المقفع من الفهلویة الی العربیة | تاریخ ایران بعض قدماے ایران کی تصنیف ہو، عجمی اس کتاب کی اسلیے بہت عزت کرتے تھے کہ اسمین اُنکے آبا و اجداد اور سلاطین کے حالات تھے اور یہی کتاب شاہنامہ وغیرہ کا ماخذ ہو۔ ابن المقفع نے اسکو پہلوی زبان سے عربی مین ترجمہ کیا۔ |

غالباً یہ وہی خدائی نامہ ہو جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔

صاحب مجمع الفصحا لکھتے ہین۔

"از جملہ نامہاے قدیم جاسپ نہاد۔ کتاب اوست کہ در ذکر خسروان ایران بودہ دیگر آئین بہمن است۔ در احوال بہمن۔ دیگر داراب نامہ است۔ دیگر دانش افزاے نوشیروانی کہ جامع آن بزرگ مہر حکیم بودہ، و باستان نامہ و دانشور نامہ۔ و خرد نامہ و حکیم ابوالقاسم محمد بن منصور فردوسی آثار افعال ملوک عجم، را از ان نامہا بدست آوردہ"



اِن تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہو کہ فردوسی کا ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخین ہین جو عربی مین ترجمہ ہو گئی تھین۔ لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہین کرتا۔ فردوسی کا دعویٰ ہو کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ ایران کی موجود تھی لیکن مرتب اور مدون نہ تھی، موبدون یعنی مذہبی پیشواؤن کے پاس اسکے مختلف اجزا تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے بُڈھے بُڈھے پرانے موبد جمع کیے اور اُن پراگندہ اجزا کو زبانی روایتون کی مدد سے ترتیب دیکر ایک مکمل کتاب تیار کرائی۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا بیان

یکے نامہ بد از گہ باستان — فراوان بدو اندران داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے — ازو بہرۂ بردہ ہر بخردے
یکے پہلوان بود دہقان نژاد — دلیر و بزرگ و خرد مند و راد
ز ہر کشورے موبدے سالخورد — بیاورد و این نامہ را گرد کرد
بہ پرسید شان از نژاد کیان — وزان نامداران فرخ گوان
بگفتند پیشش یکایک مہان — سخنہاے شاہان و گشت جہان
چو بشنید از ین شان سپہبد سخن — یکے نامور نامہ افگند بُن

فردوسی کا بیان ہے کہ اِسی کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن چونکہ ناتمام چھوڑ گیا مین نے اِسکی تکمیل کی۔

فردوسی کے بیان کے مطابق شاہنامہ کی اصلی بنیاد اِسی کتاب پر قائم کی گئی لیکن جستہ جستہ داستانین اور ذریعون سے بھی فراہم ہوئین۔ رستم و شغاد کا قصہ جہان شروع کیا ہو تمہید مین لکھا ہو کہ احمد بن سہل کے دربار مین ایک بُڈھا تھا جو سام نریمان کی اولاد سے تھا، اِسکے پاس سلاطین ایران کی تاریخ تھی، اور رستم کی اکثر داستانین اسکو زبانی یاد تھین، شغاد کا قصہ مین نے اس سے لیکر نظم کیا۔

یکے پیر بد نامش آزاد سرد | کہ با احمد سہل بودے بہ مرد
کجا نامۂ خسروان داشتے | تن و پیکر پہلوان داشتے
بہ سام نریمان کشیدش نژاد | بسے داشتے رزم رستم بیاد
بگویم سخن آنچہ زو یافتم | سخن را یک اندر دگر بافتم

فردوسی کا دعویٰ ہی ہم کو انکار کی کوئی وجہ نہین لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ فردوسی نے خود تیسری جلد مین دقیقی کے اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہی۔

یکے نامہ دیدم پُر از داستان | سخنہاے آن پر منش راستان
فسانہ کہن بود و منثور بود | طبائع ز پیوند او دور بود
گزشتہ برو سالیان دو ہزار | گراید ون کہ برتر نیاید شمار
گرفتم بگوینده برآفرین | کہ پیوند را راه داد اندرین

تیسرے شعر مین صاف تصریح ہی کہ کتاب مذکور دو ہزار برس کی تصنیف تھی یہ ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے ایران کی جو زبان تھی وہ فردوسی کے زمانے کی زبان نہ تھی بلکہ ژندی یا اسکے قریب قریب ہوگی جو سنسکرت سے ملتی جلتی ہو اور جو پہلوی زبان سے بھی بہت مختلف ہے۔ اِس لیے یہ ثابت ہونا ضرور ہے کہ فردوسی اِس زبان سے واقف تھا یا کوئی شخص ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ لیکن تذکرون اور خود فردوسی کے بیان مین اسکی کوئی شہادت موجود نہین۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق دیباچہ مین اور چند روایتین مذکور ہین، واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ہم اُن کو بھی نقل کرتے ہین، لیکن جہان انمین بدیہی غلطی ہی ہم اُس کی تغلیط کر دینگے۔

سامانیون کو، ایران کی تاریخ کے مرتب کرنے کا ہمیشہ خیال رہا، انمین سے نوشیروان کو سخت شغف تھا، چنانچہ تمام اطراف و دیار مین قاصد بھیجکر ہر جگہ سے



تاریخی ذخیرے جمع کیے، یزدگرد نے اپنے زمانہ مین ان سب کو دانشور دہقان کے حوالہ کیا کہ کیومرث سے لیکر خسرو پرویز کے زمانہ تک مکمل اور مرتب تاریخ تیار کرے دانشور مذکور مداین کے رُوسا مین تھا اور نہایت صاحب حوصلہ اور فاضل شخص تھا اِس نے ان تمام ذخیرون کو عمدگی سے ترتیب دیکر ایک مبسوط اور جامع تاریخ تیار کی۔

عربون کے حملہ مین یہ کتاب حضرت عمرؓ کی خدمت مین پیش کی گئی، آپ نے اِس کا ترجمہ سُنا اور فرمایا کہ یہ مزخرفات کا مجموعہ، دیکھنے کے قابل نہین، غرض یہ کتاب لوٹ مین تقسیم ہوکر حبش پہنچی، بادشاہ حبش نے اِس کا ترجمہ کرایا وہان سے ہندستان پہنچی، یعقوب لیث نے اپنے زمانۂ حکومت مین اس کو ہندوستان سے منگوا کر ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ کیا جائے، چنانچہ تاج بن خراسانی ہروی، یزدان داد شاپور سیستانی، ماہوی بن خورشید نیشاپوری، سلیمان طوسی ان سب نے مل کر ۳۶۰ھ مین اِس کا ترجمہ کیا، یہی کتاب سامانیون کو ہاتھ آئی اور اُنکے حکم سے دقیقی نے اِس کو نظم کرنا شروع کیا۔

اِس روایت کا یہ حصہ کہ کتاب حبش گئی وہان ترجمہ ہوکر پھر ہندوستان پہونچی ہندوستان سے ایران مین آئی، صریح غلط اور بیہودہ ہی، باقی واقعات صحیح ہون تو عجب نہین، یعنی ایران کی کوئی قدیم تاریخ جو یزدگرد کے عہد مین تیار ہوئی تھی یعقوب لیث کے زمانہ مین پہلوی سے فارسی مین ترجمہ کی گئی ہو۔

دیباچہ کی دوسری روایت یہ ہی کہ نوشیروان کے خاندان کا ایک شخص سلطان محمود کے زمانہ مین تھا، اُس کا نام خور فیروز تھا اور فارس مین سکونت رکھتا تھا۔ زمانہ کے انقلاب سے آوارہ وطن ہوکر، غزنین پہنچا، یہان آکر چرچا سنا کہ سلطان محمود تاریخ عجم کا شیفتہ و دلدادہ ہی۔ اُسکے وطن مین یہ کتاب موجود تھی، چنانچہ وہان سے

منگوا کر سلطان کی خدمت مین پیش کی، اور مورد انعام ہوا۔

تیسری روایت یہ ہو کہ جب تمام ملک مین سلطان محمود کے شوق کے چرچے پھیلے تو بادشاہ کرمان نے ایک شخص کو جس کا نام آذر برزین تھا اور شاپور ذوالاکتاف کے خاندان سے تھا، اور اس وجہ سے تاریخ ایران کا بڑا سرمایہ اسکے پاس تھا اُس کو سلطان محمود کی خدمت مین بھیجا

**شاہنامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے** اگرچہ اسمین شک نہین کہ شاعرانہ رنگ آمیزیون نے شاہنامہ کو عام نظرون مین تاریخی درجہ سے گرادیا ہے۔ تاہم ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہین مل سکتی۔

ملکم صاحب بھی تاریخ ایران مین اعتراف کرتے ہین۔

"یہ کتاب فردوسی اگرچہ افسانۂ وخیالات شاعری بسیار دارد لکن تقریباً جمیع اخبارے کہ در تاریخ قدیم ایران و توران در ملک آسیا (ایشیا) یافت میشود دران مندرج است"

مالکم صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہنامہ کے واقعات کا یونانی مورخین کے بیان سے مقابلہ کیا ہو۔ اور اکثر جگہ دونون مین تطبیق دی ہو، علامہ ثعلبی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، ایران کی قدیم تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے اس نے بھی جا بجا شاہنامہ کا حوالہ دیا ہے تاریخی حیثیت سے شاہنامہ کے متعلق مفصل بحث کرنا ہمارا موضوع نہین، البتہ اس قدر جتانا ضروری ہے کہ شاہنامہ کی بے اعتباری کی بڑی وجہ جو آج کل خیال کی جاتی ہے۔ وہ اُس کے دوراز کار افسانے ہین، مثلاً دیو سفید مار ضحاک، جام کیخسرو وغیرہ وغیرہ لیکن اولاً تو چند واقعات کی بنا پر تمام کتاب کو غلط نہین کہہ سکتے، ہیروڈوٹس گو تمام یورپ تاریخ کا آدم مانتا ہو، لیکن اسکی تاریخ مین ہزارون واقعات فرضی اور وہمی ہین اور خود



یورپ کو اس کا اعتراف ہے دوسرے ایرانیون کی قدیم تاریخ مین واقعات اسی طرح مذکور تھے، اس لیے فردوسی کا صرف یہی فرض تھا کہ اُن واقعات کو بعینہٖ نقل کر دے علامہ ثعلبی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ یہ تمام افسانے گو بالکل بے سروپا اور خلاف عقل ہین لیکن چونکہ ایران کی تاریخ مین بہ تواتر بیان ہوتے چلے آتے ہین، اس لیے ہمارا صرف اسقدر فرض ہے کہ جون کا تون اُن کو نقل کر دیا جائے۔ علامۂ موصوف کے یہ الفاظ ہین، (ذکر قصۂ زال و سیمرغ)

وانا ابرء من عهدة هذه الحكاية ولو لا شهرتها بكل مكان وفي زمان وعلى كل لسان وجريها مجرى ما يستطاب ويلهى به الملوك عند الارق لما كتبتها وقد كانت العجائب كثيرة في ذلك الزمان الاول كبلوغ عمر الواحد من اهله الف سنة وكطاعة الجن والشياطين الملوك . . . وغيرها مما يطول ذكره (جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ یورپ)

اسی طرح ہفت خوان رستم کے ذکر مین لکھا ہے کہ یہ سب لغویات ہین۔

ابوریحان بیرونی آثار الباقیہ[1] مین لکھتا ہو۔

| | |
|---|---|
| ولهم في التواريخ القسم الاول و | ایرانیون نے پہلے زمانے کی جو تاریخ لکھی ہو اُنمین سلاطین کی عمرون |
| اعمار الملوك وافاعيلهم المشهورة | اور اُنکے کارنامون کے متعلق ایسی باتین بیان کرتے ہین جنکو سننے سے |
| عنهم ما يستنفر عن استماعه القلوب | دل اُچٹتا ہو۔ کان اُن کو برداشت نہین کر سکتے عقل انکو |
| تمجه الآذان ولا تقبله العقول | قبول نہین کرتی۔ |

بعض یورپین مورخین کے نزدیک شاہنامہ کی بے اعتباری کی وجہ یہ ہو کہ اسکے واقعات یونانیون کی تاریخ سے اکثر جگہ مخالف ہین، لیکن اس عقدہ کو علامہ ثعلبی نے بہت پہلے حل کر دیا تھا، وہ لکھتے ہین کہ "ہمارے پاس ایران کی تاریخ کے متعلق دو ماخذ ہین۔ ایرانی اور یونانی۔ ہم جانتے ہین کہ دونو مین اختلاف ہو۔ لیکن یہ مسلم

[1] صفحہ ۱۰ مطبوعہ یورپ۔

مسئلہ ہو کہ گھر کا حال گھر والا خوب جانتا ہو۔ اس لیے ہم نے یونانیون کے مقابلہ مین ایرانیون کا زیادہ اعتبار کیا"

**محققین یورپ کی رائے** یورپ نے نہایت جد و جہد سے اسلام کے قبل کی ایرانی تصنیفات کثرت سے ڈھونڈھ کر نکالین، اور اُن مین سے اکثر کو چھاپ کر شایع کیا، چنانچہ پروفیسر براون نے اپنی کتاب کی پہلی جلد مین ایک خاص عنوان قائم کیا ہے "پہلوی لٹریچر" اس کے ذیل مین ان تمام کتابون کی فہرست اور اُن کے حالات لکھے ہین، اُن مین بعض کتابین اسلام سے پان پان سے، چھ چھ سے برس پہلے کی تصنیف ہین، ان مین سے جو کتابین شاہان عجم کی تاریخ ہین ان کا بیان حرف بہ حرف فردوسی سے مطابق ہے، اُنھین مین ایک کتاب کارنامک ارتخشتر ہے جو پہلوی زبان مین ہے اور ۶۰۰ء یعنے زمانہ اسلام سے کسی قدر پہلے کی تصنیف ہو یہ کتاب اصل پہلوی زبان مین مع جرمنی ترجمہ کے شایع کی گئی ہو، اسکی نسبت براؤن صاحب لکھتے ہین۔

"جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہو۔ اور ہماری نظر مین اس کی وقعت یہ دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہو کہ جن کتابون سے اُس نے شاہنامہ لکھا ہو اُن سے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہو" جرمن کے مشہور فاضل پروفیسر نولدکی نے شاہنامہ کے ماخذ اور اسکی تاریخی حیثیت پر ایک مستقل کتاب جرمن زبان مین لکھی ہو، اسکے اقتباسات کا ترجمہ مسٹر براؤن نے انگریزی مین کیا ہو اور اپنی کتاب کی جلد اول مین شامل کیا ہی ہم اُسکے بعض ضروری مقامات کا ترجمہ نقل کرتے ہین۔

**تاریخ و قدامت** "اوستا مین شاہنامہ کی فصلون کا اتنا ذکر آچکا ہے کہ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اوستا تصنیف ہوئی تو اُس زمانہ مین ان قومی فسانون کی بڑی



بڑی باتین لوگون کو معلوم تھین، اُن کی قدامت کا صرف یہی ایک ثبوت نہین ہو، کیونکہ نولدکی نے دکھلا دیا ہے کہ یونانی مصنفون کی کتابون مین بھی جو اُنھون نے شاہان ایران کے بارے مین لکھی ہین، ان بہادرون کا تذکرہ موجود ہے، خاصکر ٹی سی ایس[1] کی کتاب مین جو پانسو برس قبل حضرت مسیح، آرٹا ٹیزرکسیز[2] نی من[3] کا طبیب دربار تھا اور اُس نے اپنی کتاب ایرانی تصانیف کی مدد سے لکھی ہے، یہ واقعات بار بار بیان ہوے ہین بلکہ کبھی ایک خاندان سے منسوب ہوے ہین کبھی دوسرے سے، مثلاً سائرس[4] اکی می نین[5] کے پہلے بادشاہ کو جو واقعات میڈیا والون[6] سے لڑنے مین پیش آئے وہ اردشیر ساسانی اور اسکی پارتھیون[7] کی جنگ کے حالات سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اسی طرح عقاب، سیمرغ اور ہماشاہ پند پرندونکا اے کی می نیز[8] زال اور اردشیر کا محافظ ہونا، اسی طرح برنو دیرکیانی اور بہرام ساسانی کو تورانی دشمنون سے قارین کے خاندان کے دو شخصون کا بچانا اور اسی قبیل سے دارا اور پیروز کی ملتی جلتی سرگزشتین ہین جو قابل غور ہین۔

**یات کار زریران** زریادرلیس[9] برادر ہس ٹاس پیس[10] اور شہزادی اوڈاتس[11] کا قصہ ہم تک اے تھی نیس[12] سے پہنچا ہے۔ یہ قصہ اُس نے سکندر کی اس تاریخ سے لکھا ہو جو اُس کے دیوان چارس[13] نے تصنیف کی تھی۔ یہی داستان سب مین پُرانی پہلوی کتاب یات[14] کار زریران[15] مین بیان ہوئی ہے جو پانچ سو برس قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لکھی گئی تھی، یہ چھوٹی مگر ضروری کتاب سب مین قدیم فارسی کتاب ہے

[1] Ctesias [2] Artaxerxes [3] mneman
[4] Cyrus [5] achaemenian [6] medes
[7] Parthians [8] achaememes [9] Zapiatres
[10] Hystaspes [11] Odates [12] athenaeus [13] chares [14] yatkar
[15] Zariran

جسمین بہادری کے قصے درج ہین، گو اُس مین ایک ہی قصہ ہے مگر اُس سے معلوم ہوتا ہو کہ اُسے کل کہانیون پر عبور ہے، اسی کتاب کو شاہنامہ گشتاسپ یا پہلوی شاہنامہ کہتے ہین

نولدکی کہتا ہو کہ "اگر ہم کو سراسر دھوکا نہوا ہو تو ہم کہہ سکتے ہین کہ اس قصے مین وہ روح موجود ہو جسکا وجود کئی اور قومون کے بہادری کے قصون مین موجود ہے خلاصہ حال سب کو معلوم ہے، اسکے خاص خاص حصون کو کوشش کرکے زینت دی گئی ہے، اور اُس ڈھانچ مین تھوڑی سی کمی بیشی اور ترتیب سے، کم وبیش ایک مسلسل اور پوری داستان تیار ہو سکتی ہو اس قصے کے ضروری اجزا عربی کے اس مختصر ترجمہ مین موجود ہین جو طبری نے کیا ہے اور جو شاہنامہ کے بیان سے بالکل مطابق ہے بعض جگہ تو لفظ بہ لفظ وہی ہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہ اُسی عام قدیمی روایت سے لیا گیا ہو جو شاہنامہ کا ماخذ ہو"

اس نئی ترتیب سے جس کی طرف نولدکی نے اشارہ کیا ہے وہ اضافہ اور اصلاح مراد ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کا پیوند ہوکر ایک دلکش داستان بنجائین اور کمی سے یہ غرض ہے کہ وہ باتین اور الفاظ جو مسلمانون کو ناگوار ہین نہ آنے پائین جیسا فردوسی اور اورون نے کیا ہو۔

شاہنامہ کے ساسانی حصہ کے متعلق ہمارے پاس ایک پہلوی کتاب کارنامک ارتخشتر پاپکان اصل پہلوی اور جرمن مین موجود ہے جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہو کہ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے اور ہماری نظر مین اُسکی وقعت یہ دیکھکر اور بڑھ جاتی ہو کہ جن کتابون سے اُس نے شاہنامہ لکھا ہے اُن سے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہے کارنامک



غالباً ۶۰۰ء مین تصنیف ہوئی اور اگاتھی اس کا جو ۵۸۰ء مین تھا شاہان ایران کی تاریخون کا ساسان پاپک اور اردشیر کے حالات مین حوالہ دینا اس بات کا زائد ثبوت ہے کہ شاہنامہ کے مختلف قصے اس زمانہ کی پہلوی کتابون مین پائے جاتے تھے۔

فردوسی کے شاہنامہ پر جو دیباچہ تیمور کے پوتے بایسنقر کے حکم سے ۱۴۲۵ء مین لکھکر لگایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہو کہ دہقان دانشور کا پورا صحیح نسخہ اس ساری داستان کا کیومرث سے لیکر خسرو پرویز یعنی ۶۲۷ء تک کا یزدجرد ثانی آخری ساسانی فرمانروا کے عہد مین تیار ہوچکا تھا اس پر نولدکی لکھتا ہو کہ یہ "کتاب خواہ کیسی ہی کیون نہو مگر عرب مورخون کے ترجمون کا، فردوسی سے خسرو پرویز کی وفات تک مطابق ہونا اور بعد کو مختلف، اس بارۂ خاص مین اس کی صداقت کا ثبوت ہو اور اُسکی انتہا درجہ کی ہمدردانہ کوشش اور حق پسندی سے پایا جاتا ہو کہ وہ بادشاہ کی سرپرستی اور نگرانی مین تصنیف ہوئی تھی،

اس پہلوی خدائی نامہ کا جس کا حمزہ اور مصنف فہرست وغیرہ اور دیگر عرب مورخون نے ذکر کیا ہو، ابن المقفع نے آٹھوین صدی عیسوی کے وسط مین عربی مین ترجمہ کیا اور اس ذریعہ سے تمام عربی دانون کو اسکا حال معلوم ہوگیا، مگر نہایت افسوس ہو کہ یہ ترجمہ ضایع ہوگیا، اسی طرح وہ فارسی نثر کا ترجمہ جو ۹۵۷ء مین ابو المنصور المعمری کے حکم سے ہوا تھا اور ہرات، سیستان، شاہ پور اور طوس کے چار پارسیون نے، ابو منصور ابن عبدالرزاق حاکم طوس کے لیے کیا تھا، جیسا کہ البیرونی اور نولدکی نے لکھا ہے۔ اسی کی بنا پر دقیقی نے ایک شاہنامہ نوح ابن منصور سامانی بادشاہ کے لیے جو ۹۷۶-۹۹۷ء تک رہا، فارسی نظم مین لکھنا شروع کیا تھا مگر سلطنت گشتاسپ اور زردشت کی آمد کے متعلق چند ہی ہزار

شعر لکھنے پایا تھا کہ اُسے ایک تُرکی غلام نے مار ڈالا۔ یہ **فردوسی** ہی کا حصہ تھا کہ چند سال بعد اس نے اس قومی فسانے کو جو دقیقی نے شروع کیا تھا ساٹھ ہزار اشعار مین جسمین دقیقی کے اشعار بھی شامل ہین تکمیل کو پہنچایا۔ اتنا کہنا یہان اور ضروری ہو کہ شاہنامہ قوم کا پورا پورا افسانہ ہے۔

**داستان اردشیر** اس داستان کی جتنی کہانیان شاہنامہ اور کارنامک پہلوی مین پائی جاتی ہین حسب تفصیل ذیل ہین۔

(۱) ساسان جو بہمن دراز دست کی پانچوین پشت مین تھا، پاپک شاہ فارس کے ہان مویشی چرانے پر نوکر ہو، پاپک خواب دیکھتا ہو کہ ساسان نسل شاہی سے ہو اُس سے بلطف وخوشی پیش آتا ہو، اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرتا ہے اور اردشیر اُسکے بطن سے پیدا ہوتا ہو۔

(۲) پاپک اردشیر کو متبنّے کرتا ہو، اُسکے جوان ہونے پر اُسکی دلاوری عقلمندی اور شاہانہ خوبیون کا تذکرہ اردوان (آخری بادشاہ اشکانی) تک پہنچتا ہے وہ اردشیر کو طلب کرتا ہو، خاطر ومدارات سے پیش آتا ہے، ایک روز اردوان کے بیٹے کے ساتھ شکار کو جاتا ہے، اور وہ اردشیر کے مارے ہوے شکار کو اپنا بتلاتا ہو اس پر بقید رہ کر میر آخور اصطبل شاہی مقرر ہوتا ہو۔

(۳) اردوان کی ایک معتمد ہوشیار اور نازنین پرستار اردشیر پر ترس کھاتی ہے اور دو تیز رفتار گھوڑے مہیا کر کے اُسکے ساتھ فارس کو بھاگ جاتی ہو، اردوان تعاقب کرتا ہو مگر یہ سُنکر کہ شوکت خسروی ایک خوبصورت مینڈھے کی شکل مین اردشیر تک پہنچ گئی ہو واپس آتا ہو۔

(۴) اردشیر اشکانیون وغیرہ سے لڑتا ہو، اردوان اور اُسکے بیٹے کو شکست دیتا ہو اور خود کردون سے زک اُٹھاتا ہو۔



(۵) داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرم کرمانی مع جنگ متھرک (مسرک)

(۶) اردوان اپنی بیٹی (زوجہ اردشیر) کو موت کا حکم سُناتا ہو ایک موبد جس کا نام ابرسام ہے اُس کی جان بچاتا ہو۔ اسی کے پیٹ سے شاہو پیدا ہوتا ہو اور باپ اُس بچہ کو لیجاتا ہو۔

(۷) اردشیر ہندوستان کے حاکم کید یا کیت سے یہ سنکر کہ ایران کی بادشاہت اسکے یا اُسکے دشمن متھرک کے گھرانے مین جائے گی، متھرک کا استیصال کرتا ہو اُس کی ایک لڑکی قتل عام سے بچکر کسانون مین پرورش پاتی ہے، شاہو اُسے دیکھکر اُسپر عاشق ہوتا ہو، اپنی شادی اور اپنے بیٹے ہرمزد کی پیدائش کو اپنے باپ اردشیر سے چھپاتا ہو۔ اور ہرمزد کو سات برس کی عمر مین چوگان کے میدان کی بہادری دیکھکر اردشیر پہچان لیتا ہو۔

ہر متنفس جس نے **کارنامک** اور شاہنامہ کا یہ حصہ ساتھ ساتھ پڑھا ہو اس بات کا اقرار کریگا کہ شاہنامہ پورا چربہ کارنامک کا ہو اسلیے کہ جزئیات مین بھی اختلاف نہین ہو۔ ہمارے اس خیال کو کہ فردوسی نے جن قدیم کتابون سے شاہنامہ لکھا ہو، اُن سے الگ نہین گیا، پہلوی کے قصہ زریر اور شاہنامہ کے مقابلہ سے اور بھی تقویت ہو جاتی ہے، یہ امر اتفاقی ہے کہ ان حصون کا ہم اصل کتابون سے مقابلہ کر سکے مگر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہین کہ اور مقامات پر بھی جہان ہم کو جانچ پرتال کے ذریعے حاصل نہین ہین وہان بھی فردوسی نے ادنیٰ بات بھی قدیم ماخذون کے خلاف نہین لکھی ہوگی، یہان ہم داستان اردشیر کی دونون روایتون مین سے صرف دو ایک باتون کا مقابلہ کر سکتے ہین۔ زیادہ گنجائش نہین ہے اول ہم اس کی پیدائش کا ذکر کرتے ہین۔

---

# کارنامک

سکندر رومی کی وفات پر ایران مین ۲۴۰ مختلف گروہون کے لوگ حکمران تھے، اردوان ان سب مین سر برآوردہ تھا اور اصفہان، فارس اور قرب وجوار کے حصہ پر قابض تھا، پاپک محافظ سرحد اور اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔ اور اصطخر[1] مین رہتا تھا، اِسکے کوئی بیٹا نہ تھا جس سے اِس کا نام چلتا، ساسان پاپک کا گوالا تھا اور ہمیشہ اپنے گلون مین رہتا تھا، مگر وہ دارا ابن دارا کی اولاد مین تھا اور سکندریہ کے بُرے زمانہ مین وہ بھاگ کر گڈریون مین جا ملا تھا پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی، ایک رات اُس نے خواب مین دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج نکلا ہی اور اُس نے تمام عالم کو منور کر دیا، دوسری رات دیکھا کہ ساسان ایک سپید ہاتھی پر جسپر قیمتی جھول پڑی ہوئی ہی سوار جا رہا ہی اور تمام "کشور" کے لوگ اُس کے اردگرد ہین اسکی اطاعت کرتے ہین اور دعائین دیتے ہین، تیسری رات اُس نے دیکھا کہ آتش فروبہ گشسپ اور مہر، ساسان کے گھر مین روشن ہے اور ساری دنیا مین اُجالا پھیلا ہوا ہی، ان خوابون سے گھبرا کر اُس نے تعبیر دینے والون اور دانشمندون کو بلایا اور اُن سے تینون خواب بیان کیے معبرون نے کہا کہ یا تو وہ شخص جسکو آپ نے خواب مین دیکھا ہی یا اُسکی اولاد مین سے کوئی شخص تمام دُنیا کا بادشاہ ہوگا، کیونکہ سورج اور قیمتی جھول والا ہاتھی، زور، طاقت اور فتح کی علامتین ہین، "آتش فروبہ سے مراد وہ لوگ ہین جو مذہب سے خوب واقف ہین اور اپنے ہمسرون مین ممتاز ہین آتش گشسپ سے جنگجو اور جبر گون کے سردار اور آتش برجین مہر سے دنیا کے کاشتکار مراد ہین، پس بادشاہت اُسے یا اُسکی اولاد کو ملیگی" پاپک نے یہ تقریر سُن کر سب کو رخصت

[1] شاہنامہ مین اصطخر لکھا ہوا ہی ۱۲



کیا اور ساسان کو بلا کر اُس سے پوچھا، "تم کس خاندان اور نسل سے ہو، تمھارے بزرگون اور بڑھون مین سے کوئی بادشاہ ہوا ہی"؟ ساسان نے کہا کہ اگر جان بخشی ہو تو عرض کرون، پاپک نے اجازت دی، ساسان نے اپنا راز افشا کر دیا اور سارا حال تبلا دیا، پاپک یہ سُن کر خوش ہوا اور کہا کہ مین تمھاری حالت بہتر کردونگا اور اِسکے حکم دیتے ہی پورا لباس شاہی آیا اور ساسان کو عطا ہوا جب ساسان نے کہا کہ پہنو، اُس نے پہن لیا، وہ پاپک کے حکم سے چند روز عمدہ غذائین کھاتا رہا جس سے اُسکے جسم مین طاقت آگئی، پاپک نے پھر اپنی لڑکی سے اسکی شادی کر دی، اور قسمت کی یاوری سے وہ حاملہ ہو گئی، اور اُس سے تخشتر پیدا ہوا،

فروبہ۔ فرہ باگ یا فرن باگ کی جگہ فردوسی نے خرید لکھا ہی۔ کارنامک کی عبارت جہان ساسان کی آمد کا ذکر ہی، بڑی روکھی پھیکی ہی، فردوسی نے اپنے زور قلم سے اُس مین جان ڈالدی ہے۔ اور یہ منجملہ اُن مقامات کے ہی جو فردوسی نے نہایت دلکش پیرایہ مین لکھے ہین،

اشعار فردوسی متعلق قصہ پابک و ساسان

چو دارا بہ رزم اندرون کشتہ شد — ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد
پسر بد مر او را یکے شاد کام — خردمند و جنگی و ساسانش نام
ازان لشکر روم بگریخت اوی — بدام بلا در نیامیخت اوی
بہ ہندوستان در بزاری بمرد — زساسان یکے کودکے ماند خرد
برین ہم نشان تا چہارم پسر — ہمے نام ساسانش کردے پدر
چو کہتر پسر سوے بابک رسید — بدشت آمد و سرشبان را بدید
بدو گفت مزدور ت آید بکار — کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار
بپذرفت بدبخت را سر شبان — ہمی داشت بارنج روز و شبان

شبے خفتہ بُد بابک رود یاب   چنان دید روشن روانش بخواب
کہ ساسان بہ پیل ژیان برنشست   گرفتہ یکے تیغ ہندی بہ دست
بہ دیگر شب اندر چو بابک بخفت   ہمی بود بالغزش اندیشہ جُفت
چنان دید در خواب کاتش پرست   سہ آتش فروزان ببُردے بدست
چو آذر گشسپ و چو خرّاد و مہر   فروزان چو بہرام و ناہید و مہر
ہمہ پیش ساسان فروزان بُدے   بہر آتش عود سُوزان بُدے
سر بابک از خواب بیدار شد   روان و دلش پُر ز تیمار شد
کسانیکہ در خواب دانا بدند   بدان دانش اندر توانا بُدند
بہ ایوان بابک شدند انجمن   بزرگان فرزانہ و رائے زن
چو بابک سخن برکشاد از نہفت   ہمہ خواب یکسر بدیشان بگفت
پُر اندیشہ شد زان سخن رہنمائے   نہادہ بدو گوش پاسخ سرائے
سرانجام گفت اے سرافراز شاہ   بہ تاویل این کرد باید نگاہ
کسے را کہ دیدی تو زینسان بخواب   بہ شاہی برآرد سر از آفتاب
گر ایدون کہ این خواب ازو بگذرد   پسر باشدش کز جہان برخورد
چو بابک شنید این سخن گشت شاد   بر اندازہ شان یک بیک ہدیہ داد
بفرمود تا سر شبان از رمہ   بر بابک آمد بہ روز دمہ
بیامد دمان پیش او با گلیم   پُر از برف، پشمینہ دل پر ز بیم
بپرداخت بابک ز بیگانہ جائے   پدر رشد پرستندہ و رہنمائے
ز ساسان بپرسید و بنواختش   بر خویش نزدیک بنشاختش
بپرسیدش از گوہر و از نژاد   شبان زو بترسید و پاسخ نداد
ازان پس بدو گفت کاے شہریار   شبان را بجان گر دہی زینہار



بگویم ز گوہر ہمہ ہر چہ ہست   چو دستم بہ پیمان بگیری بہ دست
چو بشنید بابک زبان برکشاد   ز یزدان نیکی دہش کرد یاد
بہ بابک چنین گفت ازان پس جوان   کہ من پور ساسانم اے پہلوان
چو بشنید بابک فرو ریخت آب   ازان چشم روشن کہ او دید خواب
بیاورد پس جامۂ پہلوے   یکے اسپ با آلت خسروے
یکے کاخ پُر مایہ او را بساخت   ازان سر شبانی سرش بر فراخت
بدو داد پس دختر خویش را   پسندیدہ و افسر خویش را

کارنامک پہلوی اور شاہنامہ کے بیان مین بہت خفیف فرق ہے، جو عموماً تاریخی واقعات مین ہوتا ہے

مسٹر براؤن نے اور بھی چند داستانین کارنامک اور شاہنامہ کی مطابقت دکھانے کے لیے درج کی ہین، لیکن ہم نے طول کے لحاظ سے قلم انداز کیا،

## فردوسی کی وقعت شاعری کی حیثیت سے

عام اتفاق ہے کہ ایران مین اس درجہ کا کوئی شاعر آجتک نہین پیدا ہوا انوری اُن شعرا مین ہے۔ جن کو لوگون نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے چنانچہ مشہور ہے۔

در شعر سہ تن پیمبرانند   ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

لیکن خود انوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہے اور ہم اُسکے بندے ہین

آفرین بر روان فردوسی   آن ہمایون نژاد فرخندہ

آن نہ اُستاد بود و ما شاگرد　　آن خداوند بود و ما بندہ

نظامی کہتے ہین۔

سخن گومی پیشینہ دانای طوس　　کہ آراست زلف سخن چون عروس

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ مین لکھا ہو کہ "عربی زبان با وجود اس وسعت و کثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہین کر سکتی، اور در حقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہو"

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہین عموماً فردوسی کی کمال شاعری کے معترف ہین سر گور اوسلی نے تذکرۃ الشعرا مین فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہو اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتوان بینی بھی ظاہر کی ہو کہ "وہ اگرچہ در اصل ہومر کا ہمسر نہین ہو سکتا، لیکن ایشیا مین اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہے تو وہی ہو"

لیکن تعجب اور سخت تعجب ہو کہ مسٹر براؤن جو آجکل فارسی دانان یورپ مین سب سے ممتاز ہین۔ فردوسی کے کمال شاعری کے منکر ہین۔ وہ اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا مین لکھتے ہین کہ "فردوسی کے بعد جو شعرا پیدا ہوے وہ خیالات اور شوکت الفاظ دونون حیثیت سے فردوسی سے بالاتر ہین۔ شاہنامہ سبعہ معلقہ کی بھی برابری نہین کر سکتا" صاحب موصوف کو اسپر حیرت ہے کہ شاہنامہ تمام اسلامی دُنیا مین اس قدر کیون مشہور عام ہو گیا۔ پھر خود اسکی وجہ یہ بتاتی ہو کہ شاہنامہ مین مسلمانون کے اسلاف کی فخریہ داستانین ہین۔ اس لیے حُب قوم نے اس کا سکہ جما دیا"

ہم ان سب باتون کے جواب مین صرف یہ کہتے ہین۔

حریف کاوش مژگان خون ریزش نہ زاہد　　بدست آور رگ جانی و نشتر را تماشا کن

شاہنامہ کی خصوصیات

اب ہم شاہنامہ کے اوصاف کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہین۔



پہلی خصوصیت

۱۔ اسلام کا خاصہ ہے کہ جہان جہان گیا ملک کی زبان سرے سے بدل دی یا اسقدر اسکو مغلوب کر لیا کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہین رہی اسلام سے پہلے مصر و شام مین قبطی اور سُریانی بولی جاتی تھی، اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی، یہانتک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین بول سکتے، ایشیاے کوچک اور قسطنطنیہ مین ترک گئے تو ملکی زبان تُرکی ہو گئی، کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتو ہو لیکن خواص فارسی بولتے ہین جو اسلامی حکمرانون کی زبان تھی، ایران اور ہندوستان سخت جان تھے جہان ملک کی اصلی زبان قائم رہی لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ اُن کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اُردو لکھنا چاہین تو لزوم مالایلزم کی محنت اُٹھانی پڑتی ہو۔

ایران مین ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہو گئی تھی عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح مین جو قصیدہ لکھا، اُسکے چار شعر آج موجود ہین جنمین نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہین، رودکی اور ابو شکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ سے بھرا پڑا ہے، سلطان محمود کے زمانہ مین ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب مین عمر نامہ ایک کتاب نثر مین لکھی تھی، وہ ہماری نظر سے گذری ہے، اُسکا بھی یہی حال ہو، اُسی زمانہ مین شیخ بو علی سینا نے حکمت علائیہ فارسی زبان مین لکھی اور قصد کیا کہ خالص فارسی مین لکھی جاے لیکن عہدہ بر آ نہو سکا۔ فردوسی کی قدرت زبان دیکھو کہ ساٹھ ہزار شعر لکھ کر ڈالدیے، اور عربی الفاظ اسقدر کم ہین کہ گویا نہین ہین، اگرچہ اس خصوصیت کا موجد دقیقی ہے، لیکن کل ہزار شعر اور صرف چند معمولی واقعات ہین۔ بخلاف اِسکے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سیکڑون گوناگون مطالب ادا کیے، اور زبان کے خالص ہونے مین فرق نہ آنے پایا، عربی کے جو الفاظ خال خال آئے ہین اکثر وہ ہین جو خاص مصطلح الفاظ ہین، مثلاً د-ن-

میمنہ، میسرہ، قلب، سلاح، عنان وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس طرح اس زبان مین شائع تھے جسطرح آجکل اُردو مین جج، کلکٹر، ٹکٹ، اسٹیشن وغیرہ ہین کہ اُن کے بجاے اگر اگر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرے تو ناموزون معلوم ہون گے۔

حیرت وہان ہوتی ہی جہان فلسفیانہ اصطلاحین آتی ہین اور وہ اس بے تکلفی سے سادی فارسی مین اُن کو ادا کرتا جاتا ہی کہ گویا روزمرہ کی باتین ہین، بوعلی سینا نے بھی حکمت علائیہ مین یہ کوشش کی لیکن اس کا نمونہ دیکھو، ابطال غیر متناہی کے استدلال مین لکھتا ہی۔

"بیشی وبیشی بالطبع است چنانکہ اندر شمار است یا بہ عرض چنانکہ اندر اندازہ است کہ از ہر کدام سو کہ خواہی آغاز کنی وہر چہ اندروے بیشی وبیشی است بالطبع باوے مقداری است کہ اورا بہرہ ہا بہر جا کہ بودند ہمہ بیک جاے حاصل وموجود بودند متناہی است"

غور کرو اس کوشش کے ساتھ کس قدر عربی الفاظ اب بھی باقی رہ گئے اور جن عربی الفاظ کا فارسی مین ترجمہ کیا وہ اس قدر نامانوس اور بیگانہ ہین کہ عبارت معما ہوکر رہ گئی۔

عبارت کا مطلب یہ ہی کہ دو چیزون مین جب تقدم وتاخُر ہوتا ہی تو دو طریقہ سے ہوتا ہی بلا واسطہ جسطرح ایک عدد، دو پر مقدم ہی، یا بواسطہ جسطرح مسافت مین آگا پیچھا ہوتا ہے کہ گو ایک حصہ کو مقدم اور دوسرے حصہ کو مؤخر کہتے ہین لیکن جہان سے چاہین مسافت کو شروع کرسکتے ہین، اب قاعدہ یہ ہی کہ جب کسی چیز مین بالطبع تقدم وتاخر ہوگا، ضرور ہی کہ اسمین مقدار ہو اور مقدار کے تمام اجزا مرتب ہون، یہ بھی ضرور ہی کہ ایسی چیز متناہی ہو،

غور کرو بوعلی سینا کی عبارت سے کیا کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہی؟



فردوسی نے آغاز کتاب مین مخلوقات کی پیدایش کی ابتدا، عناصر کا وجود، اور اُن کی ترتیب اور انقلابات لکھے ہین۔

از آغاز باید کہ دانی درست
سرمایۂ گوہران از نخست

کہ یزدان زناچیز چیز آفرید
بدان تا توانائی آمد پدید

وزو مایۂ گوہر آمد چہار
برآوردہ بے رنج وبے روزگار

نخستین کہ آتش ز جنبش دمید
ز گرمیش پس خشکی آمد پدید

وزان پس ز آرام سردی نمود
ز سردی ہمان باز ترسی فزود

چو این چار گوہر بجاے آمدند
ز بہر سپنجی سراے آمدند

گیا رُست، با چند گونہ درخت
بزیر اندر آمد سران شان رنخت

ببالد ندارد جزین نیرُوے
نہ پوید چو پویندگان ہر سوے

نگہ کن برین گنبد تیز گرد
کہ درمان ازوی ست وزوی ست درد

نگشت زمانہ بفرسایدش
نہ این رنج وتیمار بگزایدش

نہ از گردش آرام گیرد ہمی
نہ چون ما تباہی پذیرد ہمی

یونانیون کے نزدیک آفرینش کی ابتدا اور اسکی تاریخ یہ ہی کہ خدانے مادہ پیدا کیا، مادہ سے عناصر پیدا ہوے، حرکت سے آگ پیدا ہوئی، آگ کی گرمی نے یبوست پیدا کی جس سے خاک کا وجود ہوا، پھر سکون کی وجہ سے رطوبت پیدا ہوئی رطوبت نے پانی پیدا کیا، اس طرح چار عنصر پیدا ہوے، پھر نباتات کا وجود ہوا، جنمین صرف نمو کی قوت ہی، تحرک بالارادہ نہین،

آسمان کی نسبت یونانیون کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہین، اور امتداد زمانہ سے اُن مین تغیر اور زوال نہین ہوسکتا، فردوسی نے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ مین ادا کیا ہی کہ معمولی باتین معلوم ہوتی ہین، اور یہ خیال بھی نہین

ہوتا کہ ان مین فلسفیانہ اصطلاحین ہین، لیکن درحقیقت سب فلسفہ کے خاص الفاظ ہین اُن کے مقابل کے عربی الفاظ دیکھو۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سرمایہ | مادّہ | توانائی | وجود |
| گوھر | عنصر | جنبش | حرکت |
| آرام | سکون | پوینده | متحرک بالارادہ |
| گشت | دوران | فرسودن | تغیّر |
| تباھی | فنا | | |

اس طرح اور بہت سے الفاظ ہین ہم نے صرف نمونہ دکھایا ہی۔

دوسری خصوصیت

۲- ایشیائی تاریخون کے متعلق عام شکایت ہی کہ ان مین بجز جنگ و خونریزی کے اور کچھ نہین ہوتا۔ یعنی وہ حالات بالکل نہین ہوتے جن سے اُس زمانہ کے ملکی معاملات اور قوم کی تہذیب و معاشرت کا حال کھُل سکے۔ یہ شکایت بہت کچھ صحیح ہی، لیکن شاہنامہ اِس سے مستثنیٰ ہے، شاہنامہ اگرچہ بظاہر صرف رزمیہ نظم معلوم ہوتی ہی لیکن عام واقعات کے بیان مین اِس تفصیل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہین کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے، بادشاہ کیونکر دربار کرتا تھا، امراء کس ترتیب سے کھڑے ہوتے تھے۔ عرض معروض کرنے کے کیا آداب تھے، انعام و اکرام کا طریقہ کیا تھا، بادشاہ اور امراء کا درباری لباس کیا ہوتا تھا؟ فرامین اور توقیعات کیونکر اور کس چیز پر لکھے جاتے تھے۔ نامہ و پیام کا کیا انداز تھا مجرمون کو کیونکر سزائین دی جاتی تھین۔ بادشاہی احکام پر کیونکر نکتہ چینی کیجاتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ

شادیون کے کیا مراسم تھے، جہیز مین کیا دیا جاتا تھا، عروسی کی کیا کیا رسمین تھین، دولھا اور دُلھن کا کیا لباس ہوتا تھا، پیش خدمت غلام، اور لونڈیون کی وضع او انداز کیا تھا۔



خط کتابت کا کیا طریقہ تھا، کس چیز سے ابتدا کرتے تھے، خاتمہ کی کیا عبارت ہوتی تھی، خطوط کس چیز پر لکھے جاتے تھے، اُن کو کیونکر بند کرتے تھے، کس چیز کی مُہر لگاتے تھے،

مالگزاری کے ادا کرنے کا کیا دستور تھا، زمینون کی کیا تقسیم تھی، مالگذاری کی مختلف شرحین کیا تھین، ٹکس کیا کیا تھے، کون کون لوگ ٹیکس سے معاف ہوتے تھے۔

یہ تمام باتین شاہنامہ سے بہ تفصیل معلوم ہوتی ہین، نمونہ کے طور پر ہم چند مثالین نقل کرتے ہین،

(۱) بیژن کی مہم مین کیخسرو نے رستم کو زابل سے بُلایا ہے اور اُس کے لیے باغ مین دربار کیا ہے، دربار مین تخت زرین بچھایا گیا ہے، اُس پر ایک مصنوعی درخت نصب ہے، جسکا سایہ بادشاہ پر پڑتا ہی، درخت چاندی کا ہی، یاقوت کی شاخین ہین، موتیون کے خوشے دانے ہین، زرین ترنج اور سیب پھلے ہوئے ہین، جو مجوف ہین اور اُن کے اندر مشک کا بُرادہ ہی ہوا جب ہوا چلتی ہے تو مشک جھڑتی ہی، اسی کے قریب قریب وہ فرش تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ایرانکی فتح مین آیا تھا، اِن تمام باتون کو فردوسی نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہی۔

در باغ بکشاده سالار بار | نشستگہے ساخت بس شاہوار
بفرمود تا تاج زرین و تخت | نہادند زیر گل افشاں درخت
درختے زدند از بر گاہ شاہ | کجا سایہ گستر و بر تاج وگاہ
تنش سیم و شاخش ز یاقوت زر | برو گونہ گون خوشہ ہائے گہر
عقیق و زبرجد ہمہ برگ و بار | فروہشتہ از شاخ چون گوشوار

همه بار زرّین ترنج و بهی    میان ترنج و بهی بُد تهی
بدو اندرون مشک سوده بمے    همه پیکرش سفته برسان نے
کرا شاه برگاه بنشاندے    براو باد ازان مشک بفشاندے
بیامد نشست او به زرّینه تخت    بسر برش ریزنده مشک از درخت
همه مے گساران به پیش اندرا    همه بر سران افسر از گوهرا
همه طوق بر سینه و گوشوار    به بر برهمه جامهٔ زرنگار

(۲) افراسیاب نے جب اپنی بیٹی فرنگیس کی شادی سیاوش سے کی ہے اور فرنگیس سیاوش کے گھر آئی ہے تو اُس کی جہاتی اور عروسی کے ساز و سامان کو اسطرح بیان کیا ہے۔

به گنج اندر آنچه بُد اندرون نامدار    گزیده ز زربفت چینی هزار
ز برجد طبقها و فیروزه جام    پُر از نافهٔ مشک و پُر عود خام
دو افسر پر از گوهر و گوشوار    دو یاره، یکی طوق و دو گوشوار
ز گستردنیها شتر وار شصت    ز زربفت پوشیدنیها سه دست
یکے تخت زرّین و کرسی چهار    سه نعلین زرّین ز برجد نگار
پرستنده سی صد به زرّین کلاه    ز خویشان نزدیک صد نیک خواه
پرستار با جام زرّین دویست    تو گفتی به ایوان درون جای نیست
همی صد طبق مشک صد زعفران    همی رفت گلشهر با خواهران

اسفندیار کا تابوت رستم نے روانہ کیا تھا۔ تابوت کے مراسم دیکھو۔

یکے نغز تابوت کرد آهنین    بگسترد فرشے ز دیبائے چین
در اندود یکسر روے آهن به قیر    پراگند بر قیر و مشک و عبیر
وزان پس که پوشید روشن برش    ز پیروزه بر سر نهاد افسرش



چهل اشتر آورد رستم گزین    ز بالا فروهشته دیبائے چین
یکے اشترے زیر تابوت شاه    چپ و راست اشتر پس اندر سپاه
پشوتن همی رفت پیش سپاه    بریده فش و دُم اسپ سیاه
برو بر نهاده نگونسار زین    ز زین اندر آویخته گرز کین
همان نامور خود و خفتان اوے    همان ترکش و مغفر جنگجوے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کسی امیر کا جنازہ نکلتا تھا تو لوہے کے تابوت میں رکھ کر لیجاتے تھے۔ تابوت کے ایک رُخ کو سیاہ رنگ سے رنگ دیتے تھے، پھر اُسپر مشک و عنبر چھڑکتے تھے، میت کو کپڑے پہناتے تھے اور سر پر تاج رکھتے تھے تابوت کو اونٹ پر محمل میں رکھتے تھے، اور اُسکے دائین بائین اور بہت سے اونٹ ساتھ ساتھ چلتے تھے، پیچھے فوج ہوتی تھی، میت کی سواری کا گھوڑا ساتھ ہوتا تھا، اُسکی یال اور دُم کاٹ دیتے تھے، زین اُلٹ کر رکھتے تھے، میت کے اسلحۂ جنگ زین پر لٹکتے چلتے تھے،

عریانی صحبت

(۳) ۔ ایشیائی شاعری کا عام قاعدہ ہو کہ کسی داستان کے بیان کرنے مین حسن و عشق کا کہین اتفاقی موقع آجاتا ہو تو اسقدر کھیلتے ہین، کہ تہذیب و متانت کی حد سے کوسون آگے نکل جاتے ہین، نظامی اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام مین آکر ننگے ہوجاتے ہین، لیکن فردوسی باوجود اسکے کہ اسکو تقدس کا دعوی نہین ایسے موقعون پر آنکھ نیچی کیے ہوے آتا ہو اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گزرجاتا ہو، بیژن اور منیژہ کی صحبت عیش کو جہان لکھا ہو، کہتا ہو۔

نشستنگه رود و می ساختند    ز بیگانه خرگه بپرداختند
پرستندگان ایستاده به پاے    ابا بربط و چنگ و رامش سراے

به دیبا زمین کرده طاؤس رنگ — ز دینار و دیبا چو پشتِ پلنگ
چه از مشک و عنبر چه یاقوت و زر — سراپرده آراسته سربسر
مے سالخورده به جامِ بلور — برآورده با بیژن گیو زور
سه روز و سه شب شاد بوده بهم — گرفته بر او خوابِ مستی ستم

زال اور رودابہ کے عاشقانہ اختلاط میں زیادہ پھیلا ہی، پھر بھی یہ رنگ ہی:

گرفت آن زمان دست دستان بدست — برفتند هر دو بکردار مست
سوے خانۂ زرنگار آمدند — بدان مجلس شاهوار آمدند
شگفت اندران ماه بد زالِ زر — بدان روے و بالا و آن موی و فر
دو رخساره چون لاله اندر چمن — سر جعد زلفش شکن در شکن
ز دیدنش رودابه می نارمید — بدزدیده در وے همی بنگرید
همی بود بوس و کنار و نبید — مگر شیر[۱] کو گور را نشکرید

چوتھی خصوصیت

۴۔ عام خیال ہی کہ فردوسی بزم اچھی نہین لکھتا، بے شبہ یوسف زلیخا مین اس کی شاعری کا رتبہ بہت گھٹ گیا ہی، لیکن یہ اسکے رنج و غم اور دل شکستگی کا زمانہ تھا جب اسکے تمام جذبات افسردہ ہو چکے تھے، یوسف زلیخا لکھنے سے اس کا مقصد صرف مذہبی جماعت کو خوش کرنا تھا، جو اتنی بات پر فردوسی سے ناراض تھے کہ اُسنے مجوسیون کی مدح و ثنا مین کیون اسقدر اوقات صرف کی، لیکن شاہنامہ مین جہان جہان بزم کا موقع آیا ہی، شاعری کا چمن زار نظر آتا ہی۔

زال رودابہ پر عاشق ہوا ہی، اسکے شوق مین گھر سے نکلا ہی، اُسکو خبر ہوتی ہی وہ لب بام آکر کھڑی ہوتی ہی، زال کوٹھے کے برابر آکر اوپر جانے کی تدبیرین سوچتا ہی رودابہ اپنی چوٹی کھول لٹکا دیتی ہی کہ اسکے سہارے چڑھ آؤ، زال زلف کو بوسہ

۱؎ یعنی دیکھو شیر نے گورخر کو پاکر شکار نہین کیا،



دیتا ہی اور کمند ڈالکر کوٹھے پر اُترتا ہی، دونون مل جل کر بیٹھتے ہین، لطف و محبت کی باتین ہوتی ہین، شراب کا دور چلتا ہی، یہ سما دیکھو، کس طرح دکھایا ہی،

سپهبد سوے کاخ بنهاد روے — چنان چون بود مردم جفت جوے
برآمد سیه چشم گل رخ به بام — چو سرو سهی بر سرش ماه تمام
چو از دور دستان سام سوار — پدید آمد آن دخترِ نامدار
دو بیجاده بکشاد و آواز داد — که شاد آمدی اے جوان مرد شاد
پریروے گفت و سپهبد شنود — ز سر شعر گلنار بکشاد زود
کمندی کشاد او ز سرو بلند — کس از مشک زان سان نپیچد کمند
خم اندر خم و مار بر مار بود — بران عنبرین تار بر تار بود
فروهشت گیسو از ان کنگره — که بازید وشد تا به بن یکسره
پس از باره رودابه آواز داد — که اے پهلوان بچهٔ گرد زاد
بگیر این سرِ گیسو از یک سویم — ز بهر تو باید همے گیسویم
بدان پرورانیدم این تار را — که تا دستگیری کند یار را
نگه کرد زال اندران ماه روے — شگفتی بماند اندران روے و موے
بسائید مشکین کمندش ببوس — که بشنید آواز بوسش عروس
چنین داد پاسخ که این نیست داد — چنین روز خورشید روشن مباد
کمند از رهی بستد و داد خم — بیفگند بالا، نزد هیچ دم
به حلقه در آمد سرِ کنگره — برآمد ز بن تا بسر یکسره
چو بر بام آن باره بنشست باز — بیامد پریروے و بردش نماز

(آگے کے اشعار ادپر گذر چکے)

تم کہوگے کہ رودابہ نے زال کو کہین جوانمرد، کہین پہلوان بچہ کہہ کے خطاب

کیا ہی، اور خود فردوسی رودابہ کی تعریف مین بالا اور فر وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہی، حالانکہ بزم کی لطافت اور نزاکت ان الفاظ کی متحمل نہین ہو سکتی، لیکن یہ فردوسی کی نکتہ سنجی اور بلاغت شعاری کی دلیل ہی، اسکو معلوم ہی کہ وہ کابل وزابلستان کے محبوب کا ذکر کر رہا ہی، لکھنؤ کا نہین، وہان کے لوگ آج بھی اپنے پیارے اور چھیتے کی نسبت یہی الفاظ بولتے ہین، کابل کا معشوق لکھنؤ کی طرح دھان پان نہین ہوتا بلکہ بالیدہ قامت پُر اندام اور تنومند ہوتا ہی اس لیے بالا و فر کا لفظ وہان کے معشوق کی اصلی تصویر ہی،

بیژن جب افراسیاب کی سرحد مین پہنچا ہی تو گرگین نے اس سے بیان کیا کہ یہان سے پاس ایک مرغزار ہی، جہان سال مین ایک دفعہ افراسیاب کی بیٹی منیژہ سہیلیون کے ساتھ سیر کو آتی ہی اور ہفتون رہتی ہی، دیکھو فردوسی نے اس موقع پر مرغزار کی بہار اور پریرویون کے جھرمٹ کی تصویر کس طرح کھینچی ہی۔

همه بیشه و باغ و آب روان   یکے جایگاه از در پہلوان
زمین پرنیان و ہوا مشکبوی   گلاب ست گوئی مگر آب جوی
خم آورده از بار شاخ سمن   صنم شد گل و گشت بلبل شمن
خرامان بگرد گلان بر تدرو   خروشیدن بلبل از شاخ سرو
بر چہره ببینی ہمه دشت و کوه   بہر سو بشادی نشسته گروه
همه دخت ترکان پوشیده روئی[۱]   همه سرو قد و همه مشکبوی
همه رخ پر از گل، همه چشم خواب   همه لب پر از مے به بوی گلاب

اخیر شعر پر غور کرو "همه چشم خواب" کے مبالغہ اور بیاختگی پر متاخرین کے ہزارون تکلفات اور مضمون آفرینیان نثار ہین۔

[۱] اس سے ثابت ہوتا ہی کہ پردہ کی رسم ایرانیون مین بھی قدیم سے ہے ۱۲



ایک اور موقع پر ایک پری چہرہ کی تصویر کھینچتا ہی:

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند   به بالا به کردار سرو بلند
دو برگ گلش سوسن می سرشت   دو شمشاد عنبر فروش از بہشت
بنا گوش تابنده خورشید وار   فرو ہشته زو حلقهٔ گوشوار
لبان از طبرزد زبان از شکر   دہانش مکلل به دُر و گہر

ان سادہ اور فطرتی مبالغون کو دیکھو "لبان از طبرزد زبان از شکر" لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کے تکلفات سے عہدہ برآ نہین ہو سکتا، اس انداز مین بھی وہ کسی سے کم نہین۔

به دنبال چشمش یکے خال بود   که چشم خودش ہم به دنبال بود

سہراب نے جب ایران کی سرحد مین پہنچکر قلعہ سپید کا محاصرہ کیا ہی تو قلعہ سے ایک عورت مردانہ لباس پہنکر نکلی ہی، اور سہراب سے جنگ آزما ہوئی ہی، دیر تک ردوبدل کے بعد سہراب نے اسکو گرفتار کیا۔ جہلم چہرے سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ عورت ہی۔ سہراب فریفتہ ہوگیا۔ لیکن عورت فریب دیکر نکل گئی، سہراب اب سپہگری چھوڑ کر عشق کا دم بھرنے لگا، دیکھو فردوسی اُسکے نالہ وزاری کو کس طرح ادا کرتا ہی۔

ہمی گفت از ان پس دریغا دریغ   که شد ماه تابنده در زیر میغ
غریب آہوے آمدم در کمند   که از بند جَست و مرا کرد بند
عجب ہرن میری کمند مین آیا،   کہ خود چھوٹ کر نکل گیا اور مجھکو قید مین ڈال گیا
زہی چشم بندے کہ آن پرفسون   به تیغم نه خست و مرا ریخت خون
اس شعبدہ کو دیکھو کہ اُس جادوگر نے   مجھ کو تلوار نہین ماری لیکن مین قتل ہو گیا
ندانم چه کرد آن فسون گر به من   که ناگه مرا بست راه سخن
به زاری مرا خود بباید گریست   که دلدار خود را نه دانم که کیست

ہمی گفت و میسوخت از غم بسے        نمی خواست راز ش بداند کسے
ولے عشق پنہان نماند کہ راز        بہر دم نماید ہمی اشک باز
غم جان برآرد خروش از درون        اگر چند عاشق بود ذوفنون

ان شعرون مین عشقیہ شاعری کی تمام ادائین موجود ہین' استعارات اور تشبیہات کا ہلکا سا رنگ ہی، شاعرانہ ترکیبین بھی ہین ع کہ از بند جست و مرا کرد بند ع بہ فغیم نہ خست و مرا ریخت خون، یہ سب کچھ ہی لیکن فردوسی اس بات کو نہین بھولا وہ سہراب کی داستان لکھ رہا ہی، محمد شاہ و واجد علی شاہ کی نہین اس لیے فوراً سہراب کو ہومان کی زبان سے نصیحت کرتا ہی، اور دیکھو ایک حوصلہ مند فاتح کی نصیحت کا کیا انداز ہی:

زان کار ہومان بنودش خبر        کہ سہراب را ہست چون در جگر
وے از فراست بدل القش بست        کہ او را پریشانیے داد دست
بہ دام کسے پاے بند آمدہ است        ز زلف بتے در کمند آمدہ است
نہان میکند درد و خونین دل است        ہوس سیر و دراہ و یاد ر گل است
یکے فرصتے جست و گفتش براز        کہ اے شیر دل گرد گردن فراز
فریب پری پیکران جوان        نخواہد کسے کو بود پہلوان
نہ رسم جہانگیری و سروری است        کہ از مہر لعبے بباید گریست
ز توران بہ کارے برون آمدیم        فنا ور بدریاے خون آمدیم
اگر چند این کار باشد بہ کام        ولے ہست در پیش رنجے تمام
بباید شہنشاہ کاؤس و طوس        چو رستم کہ برغیر دارد فسوس

پھر بہت سے ایرانی پہلوانون کے نام گنا کر کہتا ہی،

توئی مرد میدان این سروران        چہ کارت بہ عشق پری پیکران



تو کارے کہ داری نہ بُردی بسر        چرا دست بازی بہ کارِ دگر
بہ نیروی مردی جہان را بگیر        ز شاہان بدست آر تاج و سریر
چو کشور بدستِ تو آید فراز        بہر جاے خوبان بر ندت نماز
ازان گفتہ سہراب بیدار شد        دلش بستۂ بند پیکار شد
بگفت اے سر نامداران چنین        بگفتار خوبت ہزار آفرین
شد این گفتہ تو داروی جان من        کنون با تو نو گشت پیمان من
جہان را سراسر چہ خشک و چہ آب        در آرم بفرمان افراسیاب
بگفت این و دل راز دلبر بکند        برآمد برافراز تختِ بلند

دیکھو ایک شجاع دامِ عشق مین اتفاقاً پھنس بھی جاتا ہی تو کس طرح جلد چھوٹ کر نکلجاتا ہی فردوسی نے موقع پاکر عشقیہ شاعری کا کمال بھی دکھلا دیا، اور پھر متانت اور شائستگی کا سر رشتہ کہین ہاتھ سے نہ چھوٹا، متاخرین بلکہ نظامی و سعدی کو بھی اتنا سہارا ہاتھ آجاتا تو خدا جانے کہان سے کہان نکلجاتے۔

پانچوین خصوصیت

اور شاعری کا اصلی کمال واقعہ نگاری اور جذبات انسانی کا اظہار ہے' ان دونون باتون مین وہ تمام شعرا کا پیش رو اور امام ہے' وہ جس واقعہ کو لکھتا ہے اُسکے تمام جزئیات اور گرد و پیش کے ہر قسم کے حالات اور واقعات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہی پھر اُن کو اس خوبی کے ساتھ ہُو بہُو ادا کرتا ہے کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہی۔ اور شعرا یا تو واقعہ کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتون پر نظر ڈالنا ضروری نہین سمجھتے یا سمجھتے ہین لیکن طبیعت، فطرت شناس نہین ہوتی، اس لیے بار یک باتون پر نظر نہین پڑتی یا پڑتی ہی لیکن زبان پر قدرت نہین کہ جون کا تون ادا کر دین اس لیے یا بات کو بدل کر کہتے ہین، یا استعارات و تشبیہات کے دامن مین پناہ لیتے ہین، تم دیکھتے ہو کہ فردوسی استعارہ کے پاس ہو کر نہین نکلتا، تشبیہین وہی ہین جو پاس

کی لیتا ہو، مجاز کو بہت کم ہاتھ لگاتا ہو، اسکی یہ وجہ نہین کہ وہ ان باتون مین قاصر ہو، بلکہ وہ جانتا ہو کہ یہ چیزین واقعہ کے چہرہ پر نقاب ڈالدیتی ہین، اور اُس کا اصلی خط و خال نظر نہین آتا، غور کرو، یہ لکھنا مقصود ہو کہ خاقان چین ہاتھی پر ہو، رستم نے کمند پھینکی اور اس کو گرفتار کرکے ہاتھی سے پٹک دیا، فردوسی اس کو اسطرح ادا کرتا ہو۔

چو از دست رستم رہا شد کمند　　　سر شہریار اندر آمد بہ بند
ز پیل اندر آورد و زد بر زمین　　　بہ بستند بازوے خاقان چین

نظامی کو اسی قسم کا موقع پیش آتا ہو وہ کہتے ہین۔

کمند عدو بند را شہریار　　　بینداخت چون چنبر روزگار

بے شبہ عدو بند کے لفظ سے جملہ کی ترکیب چست ہوگئی "چنبر روزگار" کی تشبیہ نے بھی ندرت پیدا کی، یہ سب کچھ ہوا لیکن سننے والے پر یہ اثر ہوا کہ اصل واقعہ کے بجائے اسکی توجہ الفاظ اور تشبیہ کی طرف مو بہ ہوگئین اور کمند مین گرفتار ہونے کی اصلی حالت سامنے نہ آسکی، یہی نکتہ ہو کہ فردوسی واقعات اور جذبات کے بیان کرنے مین استعارات اور تشبیہات وغیرہ سے بہت کم کام لیتا ہو، اور جب اسکو طباعی اور انشا پردازی کا زور دکھانا ہوتا ہو تو دوسرے موقعے تلاش کرتا ہو، چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہو۔

واقعہ نگاری کے دقیق نکتون پر اس کی نظر جسطرح پڑتی ہو، اس کی ایک دو مثالین ہم لکھتے ہین،

پہلوان جب جوش شجاعت مین لبریز ہوتا ہو تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ لڑائی بھڑائی کچھ نہین، تنہا بیٹھا ہو، لیکن آپ ہی آپ بھپرا پڑتا ہو، اور جوش مین آپے سے باہر ہوا جاتا ہو۔ سہراب جب ایرانی فوج کے ایک ایک سردار پر نظر ڈال کر ہجیر سے اُن کا نام و نشان پوچھتا ہو تو اس کی نظر رستم پر بھی پڑتی ہو، اور ہجیر سے کہتا ہو' یہ کون شخص ہو جسکی یہ حالت ہو کہ



بخود ہر زمان بر خروشد ہمے　　　تو گوئی کہ دریا بجوشد ہمے
آپ ہی آپ بھپر رہا ہے　　　اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا دریا جوش مارتا ہو

ایک جسیم اور تناور پہلوان کبھی تخت پر بیٹھا ہوتا ہو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے تخت پر چھایا جاتا ہو، اس حالت کو فردوسی نے اُس موقع پر جب رستم سہراب کے دیکھنے کو گیا ہو اور سہراب تخت پر بیٹھا ہوا اپنے پہلوانون سے باتین کر رہا ہے، اس طرح ادا کیا ہو، ع تو گفتی ہمہ تخت سہراب بود۔

سُہراب نے کیکاؤس کے خیمہ کے پاس جاکر برچھی سے خیمہ کی میخین اکھاڑ کر پھینکدی ہین فردوسی اس واقعہ کو اسطرح ادا کرتا ہو،

ازان پس بجنبید از جاے خویش　　　بہ نزدیک پردہ سرا رفت پیش
خم آورد پشت و سنان ستیغ　　　بزد تند و برکند ہفتاد میخ
سراپردہ یک بہرہ آمد زپاے　　　زہر سو بر آمد دم کرہ ناے

عام شعرا اگر اس واقعہ کو لکھتے تو صرف اسپر قناعت کرتے کہ سہراب نے میخین اکھاڑکر پھینک دین، لیکن یہ خصوصیات کہ "وہ جُھکا، جھک کر زور سے نیزہ مارا، ستر میخین اُکھاڑکر پھینک دین، خیمہ کا ایک حصہ گر پڑا" نظر انداز کرجاتے، حالانکہ واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیے اِن تمام باتون کا ادا کرنا ضروری ہو۔

اِسی تفصیلی واقعہ نگاری کی بدولت ہم کو بہت سے ایسے محاورون تک رسائی ہوتی ہو جو یون کبھی عام طریقہ بیان مین نہین آسکتے تھے،

مثلاً سہراب نے جب رستم کو گرز مارا ہے تو رُستم تلملا جاتا ہو مگر ضبط سے کام لیتا ہو اور سُہراب پر ظاہر نہین ہونے دیتا، اس واقعہ کو اُردو کا محاورہ دان صرف اس لفظ سے ادا کرے گا کہ "پی گیا" فردوسی نے بھی صرف محاورہ سے کام لیا، چنانچہ کہتا ہو ع بہ پیچید و درد از دلیری بخورد از رستم ایک معرکہ مین صرف کمند ہاتھ مین لیکر

گیا ہی، حریف سے سوال وجواب ہوے تو اُس نے طنز سے کہا کہ "اس دھاگے کے
بل پر بہت نہ اتراؤ" فردوسی اس طنز یہ محاورہ کو بعینہ اسی طرح ادا کرتا ہی،

بدو گفت، ہومان کہ چندین مدم — بہ نیروے این رشتہ شصت خم

واقعہ نگاری کی مثالون سے تمام شاہنامہ بھرا پڑا ہی، ہم نمونہ کے طور پر ایک
مختصر لیکن مسلسل داستان یہان نقل کرتے ہین،

یہ وہ موقع ہی کہ سُہراب ایک ایرانی پہلوان کو لیکر کیکاؤس کے لشکرگاہ کو دیکھنے
چلا ہی فوجین اپنے اپنے افسرون کے ساتھ الگ الگ ساز و سامان سے آراستہ ہین،
سُہراب ایک ایک پر نگاہ ڈالتا جاتا ہی اور ہر ایک کا نام ونشان پوچھتا ہی، ایرانی
پہلوان جواب دیتا ہی،

بدو گفت کز تو بپرسم ہمہ — ز گردن کشان و ز شاہ و رمہ
سراپردۂ دیبۂ رنگ رنگ — بدو اندرون خیمہ ہاے پلنگ
بہ پیش اندرون بستہ صد ژندہ پیل — یکے تخت پیروزہ بر سان نیل
یکے زرد خورشید پیکر درفش[1] — سرش ماہ زرین غلافش بنفش
بہ قلب سپاہ اندرون جاے کیست — ز گردان ایران ورا نام چیست
بدو گفت کان شاہ ایران بود — کہ بر درگہش پیل و شیران بود
وزان پس بدو گفت کز میمنہ — سواران بسیار و پیل و بنہ
سراپردۂ برکشیدہ سیاہ — زدہ گرد گردش اندر ستادہ سپاہ
بگرد اندرش خیمہ زاندازہ بیش — پس پشت پیلان و شیران بپیش
زدہ پیش او پیل پیکر درفش — بہ نزدش سواران زرینہ کفش
چہ باشد ز ایرانیان نام اوے — بگو تا کجا باشد آرام اوے

[1] خورشید پیکر یعنی آفتاب کی صورت کا ۱۲



چنین گفت کان طوس نوذر بود — درفشش کجا پیل پیکر بود
برسید کان سرخ پردہ سراے — یکے لشکرے گشن پیشش بپاے
یکے شیر پیکر درفشی بنفش — درافشان گہر در میان درفش
پس پشتش اندر سپاہی گران — ہمہ نیزہ داران جوشن وران
چنین گفت کان فر آزادگان — سپہدار گودرز کشوادگان
سپہ کش بود گاہ کینہ دلیر — دو چل پور دارد چو پیل و چو شیر

اب رستم کی باری آتی ہی

دگر گفت کان سبز پردہ سراے — بزرگان ایران بہ پیشش بپاے
یکے تخت پرمایہ اندر میان — زدہ پیش او اختر کاویان
براو بر نشستہ یکے پہلوان — ابا فر و با سفت و یال گوان
از ان کس کہ بر پاے پیشش برست — نشستہ بیک سر ز دیگر بر است
جو شخص سامنے کھڑا ہے — رستم کا قد اس سے بیٹھنے کی حالت مین بھی نکلا ہوا ہی
بہ ایران نہ مردے بہ بالاے او — کمندے فروہشتہ تا پاے او
درفشش ببین اژدہا پیکر است — بران نیزہ بر شیر زرین سر است
بجوشد ہمی ہر زمان بر خروش — تو گوئی کہ دریا بجوش شد ہمی
کہ باشد بنام آن سوار دلیر — کہ ہر دم ہمی بر خروشد چو شیر

ہجیر نے رستم کا نام بدل کر بتایا، سہراب اب اور افسرون کا حال پوچھتا ہی

وزان پس بپرسید کز مہتران — کشیدہ سراپردۂ بیکران
سواران بسیار و پیلان بپاے — بر آید ہمی نالۂ کرّناے
میان سراپردہ تختے زدہ — ستادہ غلامان بہ پیشش ردہ
ز ایران بگو نام آن مرد چیست — کجا جاے دارد نژادش ز کیست

چنین گفت کان پور گودرز گیو  کہ خوانند گردان ورا، گیو نیو

ز گودرز زیان بہتر و مہتر است  بہ ایران سپہ بر دو بہرہ سرست

بدو گفت زان سو کہ تابندہ شید  برآید، یکے پردہ بینم سپید

ز دیبای رومی بہ پیشش سوار  ردہ برکشیدہ فزون از ہزار

پیادہ سپردار و نیزہ وران  شدہ انجمن لشکرے بیکران

زدیبا فروہشتہ زیبا جلیل  غلام ایستادہ ردہ خیل خیل

نشستہ سپہدار بر تخت عاج  نہادہ بران عاج کرسی ساج

چہ نام ست اورا ز نام آوران  سپہبد نژاد ست یا سروران

بدو گفت کورا فرابرز خوان  کہ فرزند شاہ ست و تاج گوان

بدو گفت سہراب کین درخور ست  کہ فرزند شاہ است و با افسر است

واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہی تو اُسکو مرقع نگاری یعنی آجکل کے محاورہ مین سین دکھانا کہتے ہین،

چھٹی خصوصیت

**جذبات** | رزمیہ مین درد و غم کے اظہار کا کم موقع پیش آتا ہی اور آئے بھی تو بلاغت یہ ہے کہ اسکو زیادہ پھیلایا نہ جائے، تاہم کہین کہین اس کا موقع پیش آگیا ہی تو فردوسی نے اس مین بھی کمال دکھایا ہی، سہراب کے مرنے کی خبر سُن کر اُسکی ماں کی جو حالت ہوئی ہی اور جسطرح اُس نے نالہ و زاری کی ہی، اُسکو اسطرح ادا کرتا ہی،

خروشید و جوشید و جامہ درید  بہ زاری بران کودک نارسید

برآورد بانگ و غریو و خروش  زمان تا زمان زو ہمی رفت ہوش

فرو برد ناخن دو دیدہ بہ کند  برآورد و بالا در آتش فگند

مر آن زلف چون تاب دادہ کمند  بہ انگشت بپیچید و از بن بکند

بہ سر برفگند آتش و برفروخت  ہمہ موی مشکین بہ آتش بسوخت



ہمی گفت کاے جان مادر اکنون  کجائی؟ سرشتہ بخاک و بخون

دو چشمم بہ رہ بود گفتم مگر  ز سہراب و رستم بیابم خبر

چہ دانستم اے پور کآید خبر  کہ رستم بہ خنجر دریدت جگر

دریغش نیامد از آن روے تو  از آن برز و بالاے و بازوے تو

بپروردہ بودم تنش را بہ ناز  بہ رخشندہ روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقہ گشت  کفن بر تن پاک او خرقہ گشت

کنون من کراگیرم اندر کنار  کہ خواہد بُدن مر مرا غمگسار

پدر جُستی اے گرد لشکر پناہ  بہ جاے پدر گورت آمد براہ

چرا نامدم با تو اندر سفر  کہ گشتی بہ گردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختے  ترا با من اے پور بنواختے

بینداختے تیغ آن سرفراز  نکردے جگرگاہت اے پور باز

ہمی گفت و می خست و می کند موے  ہمیزد کف دست بر خوب روے

ز خون او ہمی کرد لعل آب را  بہ پیش آوریدا سپ سہراب را

سر اسپ او را بہ بر در گرفت  بماندہ جہانے در او در شگفت

گہے بوسہ زو بر سرش گہ بروے  ز خون زیر سمش ہمی راند جوے

بیاورد آن جامہ شاہوار  گرفتش چو فرزند اندر کنار

بیاورد خفتان و درع و کمان  ہمان نیزہ و تیغ و گرز گران

بسر بر ہمی زد گران گرز را  ہمے یاد کرد آن برو برز را

بیاورد زین و لگام و سپر  لگام و سپر را ہمے زد بسر

سہراب کی ماں نے جو کچھ کہا ہی کس قدر سچ اور کس قدر رقت انگیز ہی سہراب کی گھوڑے کو گود مین لینا، اُسکے ہاتھ پاؤں چومنا، سہراب کے کپڑون کو بچہ کی طرح

آغوش مین لینا، ہتھیارون کو سر پر مارنا، کسقدر اصلی حالت کی سچی تصویر ہے،

بیژن، ایرانی پہلوان تھا، افراسیاب کی لڑکی منیژہ اُسپر عاشق ہوگئی، اور چوری سے لیجا کر گھر مین رکھا، جب افراسیاب کو خبر ہوئی تو اُس نے بیژن کو ایک کنوئین مین قید کر دیا، اور منیژہ کو گھر سے نکال دیا، منیژہ بیژن کی تیمارداری اور خبرگیری کرتی تھی رستم بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بنکر گیا، اور توران پہنچکر تجارت کے سامان پھیلائے منیژہ کو خبر ہوئی، دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کیے رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہو جائے، منیژہ کو جھڑک دیا کہ مین بیژن ویژن کو کچھ نہین جانتا منیژہ دل شکستہ ہوکر کہتی ہے۔

بہ رستم نگہ کرد و بگریست زار　　ز خواری ببارید خون در کنار

بدو گفت کای مہتر پُر خرد　　ز تو سرد گفتن نماند بخورد

رستم سے کہا کہ اے سردار　　اسطرح رکھائی سے جواب دینا آپکے شایان نہین

سخن گر نہ گوئی مرا نم ز پیش　　کہ من خود دلے دارم از درد ریش

اگر بات نہین کرتے تو نکرو لیکن مجکو اسدرجہ تو نہ ستاؤ　　میرا دل تو خود مصیبت سے زخمی ہو رہا ہے

چنین باشد آئین ایران مگر　　کہ درویش را کس نہ گیرد خبر

کیا ایران کا یہی دستور ہے　　کہ لوگ غریبون سے بات نہین کرتے

زدی بانگ بر من چو جنگ آوران　　نہ ترسی تو از داور دادوران

مجکو پہلوانون کی طرح ڈانٹ بتاتے ہو　　تمکو بادشاہون کے بادشاہ (خدا) کا کچھ ڈر نہین

منیژہ منم دخت افراسیاب　　برہنہ ندیدہ تنم آفتاب

کنون دیدہ پُر خون و دل پر ز درد　　ازین در بدان در دو رخسارہ زرد

برای یکے بیژن شوربخت　　فتادم ز تاج و فتادم ز تخت

اختصار اور زور | بلاغت کے نکتہ شناس جانتے ہین، کہ کسی واقعہ کے بیان کرنے مین جب



حد سے زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے، تو لمبی چوڑی تمہید اور تفصیل وہ کام نہین دیتی جو ایک پُر زور مختصر جملہ کام دیتا ہے، قرآن مجید مین اوحی الی عبدہ ما اوحی غشیہم من الیم ما غشیہم مین جو بات ہے وہ سیکڑون جملون سے ادا نہین ہو سکتی، روم کے فاتح کا مشہور جملہ تم نے سنا ہوگا "مین آیا، مین نے دیکھا، مین نے فتح کیا،" شاہنامہ مین اسکی مثالین کثرت سے موجود ہین، سہراب کی پُر درد داستان اس شعر سے شروع کی ہے،

کنون جنگ سہراب و رستم شنو　　دگرہا شنیدستی این ہم شنو

صرف "این ہم" نے جو بات پیدا کی ہے وہ ہزارون تمہید سے نہین پیدا ہو سکتی تھی، رستم افراسیاب کو خط لکھتا ہے، اور تہدید کے وسیع مضمون کو ایک مصرع مین ادا کرتا ہے،

دگر نہ بکام من آمد جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

نظامی نے اپنے فخریہ مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہین لیکن فردوسی کے دو مصرع سب پر بھاری ہین۔

بسے رنج بردم درین سال سی　　عجم زندہ کردم بدین پارسی

رستم کی مار دھاڑ ہنگامہ آرائی اور قتال و جدال کا سمان صرف چار مصرعون مین دکھایا ہے،

بروز نبرد آن یل ارجمند　　بہ شمشیر و خنجر بہ گرز و کمند

درید و برید و شکست و ببست　　یلان را سر و سینہ و پا و دست

صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوے ہین، اسی مین کھانا بھی سامنے آگیا ہے لوگ کھاپی کر اٹھ کھڑے ہوے" اسکو اس طرح ادا کرتا ہے۔

پے مشورہ مجلس آراستند　　نشستند و گفتند و برخاستند

۵۔ صنائع بدائع، شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہین اس لیے فردوسی کے کلام مین اس کو ڈھونڈھنا نہین چاہیے۔ لیکن جو محاسن شاعری ضمناً کسی صنعت مین آجاتے ہین اسکے کلام مین پائے جاتے ہین، اور اعلی درجے پر پائے جاتے ہین مثلاً لف ونشر مرتب۔

بروز نبرد آن یل ارجمند    بشمشیر و خنجر بگرز و کمند
درید و برید و شکست و ببست    یلان را سر و سینہ و پا و دست

لف ونشر مع طباق ومقابلہ

فرو شد بماہی و بر شد بماہ    بن نیزہ و قبۂ بارگاہ

مبالغہ۔ زبس گرد میدان کہ بر شد بہ دشت    زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

## رزمیہ شاعری

رزمیہ شاعری جسکو انگریزی مین ایپک پوئم کہتے ہین، شاعری کے انواع مین سے بہترین انواع ہے، یورپ کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا شاعر ہومر ہے اُس کا کارنامہ فخر یہی رزمیہ شاعری ہے، مہابھارت جسکو ہنود آسمانی کتاب سمجھتے ہین وہ بھی ایک رزمیہ نظم ہے، اور اگر ان دونون کے پہلو مین کسی کو جگہ دی جا سکتی ہے تو وہ شاہنامہ ہے،

رزمیہ شاعری کے کمال کے چند شرائط ہین واقعہ ایسا مہتم بالشان ہو جس نے دنیا کی تاریخ مین کوئی انقلاب پیدا کر دیا ہو، لڑائی کے ہنگامہ کا بیان اس زور و شور اور پُر رعب طریقہ سے کیا جائے کہ دل دہل جائین، معرکہ جنگ کے تمام ساز و سامان اور آلات و اسلحہ جنگ تفصیل سے بیان کیے جائین، سالار فوج اور مشہور بہادر کی لڑائی کے بیان مین لڑائی کے تمام داؤن پیچ ایک ایک کر کے دکھائے جائین، شاہنامہ مین یہ تمام باتین اعلی درجہ پر پائی جاتی ہین۔

(ہنگامۂ جنگ [illegible])
ز لشکر بر آمد سراسر خروش    زمین پر خروش و ہوا پر خروش



جہان لرزلرزان شد و دشت و کوہ    زمین شد زنعل ستوران ستوہ
درفش از درفش و گروہ از گروہ    گسستہ نشد شب بر آمد ز کوہ
درخشیدن تیغہائے بنفش    ازان سایۂ کاویانی درفش
تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر    بستارہ ہمے بر فشاند سپہر
زمین گشت جنبان چو ابر سیاہ    تو گفتی ہمے بر نتابد سپاہ
بلند آسمان چون زمین شد ز خاک    سپہر سوہی بر شدہ چاک چاک
دل کوہ گفتی بدرد ہمے    زمین با سواران بپرد ہمے
زبس نعرہ و نالۂ کرّنائے    ہمے آسمان اندر آمد ز جائے
چنان تیرہ شد روی گیتی ز گرد    تو گفتی کہ خورشید شد لاجورد
بزد مہرہ بر کوہۂ ژندہ پیل    زمین جنب جنبان چو دریای نیل
ز گرد سواران ہوا بست میغ    چو برق درخشندہ پولاد تیغ
ز جوش سواران و آواز کوس    ہوا قیرگون شد زمین آبنوس
تو گفتی زمین موج خواہد زدن    وزان موج بر اوج خواہد زدن
زبس گرد میدان کہ بر شد بہ دشت    زمین شش شد و آسمان گشت ہشت
زبس تیر و گرزہ و گوپال و تیغ    تو گفتی ہوا ژالہ بارد ز میغ
ز کشتہ ہمہ دشت ہا و دگاہ    تن و دست و سر بود و ترگ و کلاہ
بجوشید دشت و بجوشید کوہ    ز جوش سواران ہر دو گروہ
تو گفتی کہ روی زمین آہن است    ز نیزہ ہوا نیز در جوشن است

شاہنامہ مین لڑائی کے سامان اور اسلحہ جنگ کی اسقدر تفصیل پائی جاتی ہے کہ ہم بہ تفصیل بتا سکتے ہین، کہ آج سے دو ہزار برس پہلے آلات جنگ کیا کیا تھے پہلوان اور بہادر کیا کیا ہتھیار لگاتے تھے، لباس جنگ کیا کیا تھے، مثلاً لڑائی کے

وقت جو باجے استعمال ہوتے تھے، اُن کے نام یہ ہین، ہتیرہ۔ گاؤدم۔ خرمہرہ کوس۔ طبل نقارہ۔ کرنائے۔ سرغین۔

اسلحہ جنگ یہ تھے، زرہ۔ جوشن۔ خود۔ مغفر۔ چار آئینہ۔ خفتان۔ ترک۔ ببر بیان۔ برگستوان۔

آلات اور سامان جنگ یہ تھے، گوپال۔ گرز۔ تیغ۔ سپر۔ درفہ۔ خنجر۔ ژوپین۔ ناوک۔ خشت۔ تیر۔ خدنگ۔ کمند۔ سنان۔ نیزہ۔ ژوپین۔ پرتاب۔ تبرزین۔ دبوس۔ قارورہ۔ شراع۔ عرادہ۔ رایت۔ علم۔ درفش۔ اختر۔ سراپردہ۔

اقسام فوج۔ قلب۔ میمنہ۔ میسرہ۔ طلایہ۔ ساقہ ومدار۔

اُس زمانہ مین مجموعی فوج کے لڑانے کا فن نہ تھا اسلیے یہ پتہ نہین لگتا کہ سپہ سالار کس طریقہ سے فوج کو لڑاتے تھے، رستم اگرچہ سپہ سالار تھا اور شاہنامہ سرتاسر گویا اُسکی داستان ہو، تاہم کہین یہ پتہ نہین لگتا کہ اُس نے فوج کو کیونکر لڑایا، طریقۂ جنگ یہ تھا کہ ایک ایک پہلوان میدان مین آتا تھا، اور معرکہ آرا ہوتا تھا، اِن معرکہ آرائیون کو فردوسی اس تفصیل سے بیان کرتا ہو کہ سمان باندھ دیتا ہو۔

لڑائی کے جتنے طریقے تھے، یعنی کُشتی لڑنا، تلوار چلانا، تیر مارنا۔ کمند پھینکنا، برچھی چلانا وغیرہ وغیرہ شاہنامہ مین سب بہ تفصیل پائے جاتے ہین، اور جس چیز کو جہان لکھا ہو اِس طرح لکھا ہے کہ اُس کا نقشہ آنکھوں مین پھر جاتا ہو۔

تہمتن زالوا تی شد دردمند    زفتراک بگشاد پیچان کمند

کمند اندازی
چو آہنگ رزم یلان داشتے    کمندے وگرزے گران داشتے

بیامد بغرید چون پیل مست    کمندے بہ بازو وگرزے بدست

بدوگفت کاموس چندین مدم    بہ نیروے این رشتۂ شصت خم



برانگیخت کاموس جنگی نبرد    ہم آورد را دید بازور و برد

بینداخت تیغ برندآورش    ہمی خواست از تن گسستن سرش

سر تیغ برگردن رخش خورد    بُبرید برگستوان نبرد

نیامد تن رخش را زان گزند    گوپیلتن، حلقہ کرد آن کمند

بینداخت و افگندش اندرمیان    برانگیخت از جاے رخش دمان

بران اندر آورد و گردش دوال    عقاب شدہ رخش با پر و بال

برای و دلیری بغیشر دران    گران شد رکیب و سبک شد عنان

ہمی خواست آن خام خم گسند    بہ نیروی تن بگسلانمد زبند

شد از ہوش کاموس و نگسست خام    گوپیلتن رخش را کرد رام

عنان را بہ پیچید و از زین    نگون اندر آورد و بود بر زمین

دو دست از پس پشت بستش چو سنگ    بہ خم کمند اندر آورد چنگ

تیر اندازی
تہمتن بہ بند کمر برد چنگ    گزین کرد یک چوبہ تیر خدنگ

خدنگی برآورد پیکان چو آب    نہادہ بر و چار پر عقاب

بمالید چاچی کمان را بدست    بہ چرم گوزن اندر آمد شکست

ستون کرد چپ را و خم کرد راست    خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو سوفارش آمد بہ پہنای گوش    ز چرم گوزنان برآمد خروش

چو پیکان ببوسید انگشت او    گزر کرد از مہرۂ پشت او

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس    سپہر آن زمان دست او داد بوس

قضا گفت گیر و قدر گفت دہ    فلک گفت احسن، ملک گفت زہ

نیزہ بازی
برآشفت سہراب و شد چون پلنگ    چو بدخواہ او چارہ جو شد بہ جنگ

عنان برگرائید و برداشت اسپ    بیامد بہ کردار آذرگشسپ

چو آشفته شد شیر تُندی نمود — سر نیزه را سوی او کرد زود
بدست اندرون نیزه جانستان — پس پشت خود گردش آنگه سنان
بزد بر کمربند گرد آفرید — زره بر تنش یک بیک بر درید
ز زین برگرفتش بکردار گوی — که چوگان ز باد اندر آید بروی
گرفتند اوان پس دوال کمر — دو اسپ تگاور برآورده پر
یکے بُد بدست یل اسفندیار (کشتی گیری) — بدست دگر رستم نامدار
نبرد کشیدند زی خویشتن — دو گُرد سرافراز دو پیلتن
همی زور کرد این بر آن آن برین — نجنبید یک مرد بر پشت زین
کف اندر دهانشان شده خون و خاک — همه گبر و برگستوان چاک چاک
چو رستم ورا دید بفشرد ران — بگردن برآورد گرز گران
چو تنگ اندر آورد با او زمین — فرو کرد گرز گران را به زین

**شاہنامہ کا اثر** شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے مخالف بہت بڑے اسباب جمع تھے، سب سے مقدم یہ کہ وہ سرتاپا غیر قومون کا کارنامہ تھا اور مسلمانونکا جہان ذکر آگیا تھا نہایت حقارت سے انکو یاد کیا تھا۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسیدست کار
که تخت کیان را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

قادسیہ کے معرکہ مین مسلمانون نے بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے فردوسی نے اِس کو بھی مدہم کرکے دکھایا تھا، اِس بات پر مذہبی گروہ مین عام ناراضی پھیلی چنانچہ اسی زمانہ مین عمر نامہ[1] ایک کتاب لکھی گئی جسکے دیباچہ مین سبب تالیف یہ بیان کیا ہو کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیون کے جھوٹ سچ قصے لکھ کر ملک

[1] یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے۔



مین مشہور کردیے۔ اِس لیے یہ کتاب حضرت عمر فاروق رضؓ کے حالات مین لکھی گئی کہ لوگون کی توجہ اُدھر سے ہٹ جاے۔

چونکہ فردوسی نے سلطان محمود کی ہجو لکھ کر شاہنامہ مین اِس کو منضم کردیا تھا اِس لیے لوگ شاہنامہ کو ہاتھ لگاتے ڈرتے تھے، فردوسی چونکہ معتوب شاہی تھا اِس لیے بھی اُسکی تصنیف مقبول عام نہو سکتی ہوگی۔

یہ سب تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان سے لیکر بغداد تک در و دیوار سے شاہنامہ کی صدا آنے لگی، تقریر، تحریر، تصنیف، تالیف، خلوت و جلوت، کوچہ و بازار، اُسکی بازگشت سے گونج اُٹھے، لوگ جب کام سے فارغ ہوکر بیٹھتے تو کوئی خوش لہجہ شخص حفظ شاہنامہ کے اشعار پڑھتا، اور شجاعت، جانبازی، دلیری، حُبِّ وطن کا اثر تمام مجلس پر چھا جاتا۔

سیکڑون برس تک، سلاطین و امرا کی باہمی خط و کتابت مین شاہنامہ کے اشعار جابجا درج ہوتے تھے، اور دلیری اور بہادری کے موقعون پر بے ساختہ اسکے اشعار زبان سے نکل جاتے تھے، میدان جنگ مین رجز کے بجاے شاہنامہ کا اشعار پڑھے جاتے تھے، سلجوقیون کے اخیر فرمان روا طغرل ارسلان نے میدان جنگ مین لڑکر جان دی تو شاہنامہ کے یہ اشعار زبان پر تھے۔

من آن گرز یک زخم برداشتم — سپہ را همان جاے بگذاشتم
چنان برخروشیدم از پشت زین — که چون آسیا شد پریشان زمین

شاہنامہ ہی کے اثر نے، سیکڑون برس تک ایران کی شاعری کو غزل سے پاک رکھا، امتداد زمانہ سے جب اِس کا اثر گھٹا، اور عشق و عاشقی کے خیالات قوم مین پھیلنے لگے، تو دفعۃً تاتاریون کے طوفان نے مسلمانون کی خاک تک اُڑادی۔

**شاہنامہ کی زبان** شاہنامہ کی زبان، آج کی زبان سے اسقدر مختلف ہو کہ گویا دو

زبانیں الگ الگ ہیں، اور یہ شاہنامہ کی تخصیص نہیں، اُس زمانہ کے شعراکی عام زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی شاعر نے اسقدر الفاظ استعمال نہیں کیے، اسلیے فردوسی کی زبان بہ نسبت اور شعرا کے زیادہ بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے۔

شاہنامہ کی زبان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ضمیرون کی ترکیب، مثلاً

ع زشادی رخان شان چوگل بردمید،

اب یون کہین گے رُخ ہای ایشان،

۲۔ غیر جاندار چیزون کی جمع الف و نون سے مثلاً

اگر عمر باشد مرا سالیان، یعنے سالہا

۳۔ اسم اور فعل کے آخر مین الف زائد مثلاً

ع سیاتک برآمد برہنہ تنا، یعنے تن،

ع بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا

۴۔ فارسی الفاظ پر تشدید مثلاً خوشیّ۔ زرّ۔ پرّ۔ ہمّ۔ مژّہ۔ زرّ لفت کرّ ی۔

۵۔ بعض زائد حرف، مثلاً چنان کے بجاے چونان۔ اشیا کے بجاے اشیوا۔ چنین کے بجاے چونین۔ فرشتہ کے بجاے فریشتہ۔

۶۔ در کے بجاے اندرون مثلاً

بہ جنگ اندرون گردۂ گاوِ رنگ،

۷۔ متحرک بجاے ساکن، اور ساکن بجاے متحرک، مثلاً

ع۔ بگویم زمادرش وہم از پدرش ع نیامد ت از شیر و ز دیو باک

ع بہ شادی ہمہ جان بر افشاندند۔



۸۔ بے کے پہلے الف زائد،

ع ابے او نباشیم در جنگ شاد

۹۔ و یا بجاے یا

ویا بارۂ رستم جنگجوے، بہ آخر نہد بے خداوند روے،

۱۰۔ کجا بمعنی کہ

ع درفشش کجا پیل پیکر بود،

۱۱۔ از بر بمعنے بر،

ع نشست از بر کوہۂ ژندہ پیل، یعنی بر کوہ،

۱۲۔ ایچ معنے ہیچ۔

ع زپیکان نبود ایچ پیدا سرش،

۱۳۔ تاے خطاب کا استعمال مثلاً

ع۔ ہزارانت کودک دہم نوش لب، یعنے ہزاران ترا،

چو آمی خیان کت مراد و ہوا است، یعنی کہ ترا

۱۴۔ ورا بمعنے اورا

چو رستم ورا دید خیرہ بماند، یعنے چو رستم اورا دید،

۱۵۔ ازو کے بجاے ازوی،

بر مادر آمد بہ پرسید ازوی، بدو گفت گستاخ بامن بگوی

۱۶۔ ازیرا بجاے ازین رو۔

ع ازیرا سرت زآسمان برتر است، یعنی ازین رو،

۱۷۔ آزمایش کے بجاے آزمون۔

نہادی برو دست را آزمون، شکم بر زمین بر نہادی ہیون

۱۰۔ میم متکلم کا حذف۔

اگر من نه رفتمے به مازندران — یعنے اگر من نه رفتمے

ان تصرفات کے علاوہ سیکڑون الفاظ ہین جو بالکل متروک ہوگئے یا اُن کی صورتین بدل گئین، یا اُن کے بجاے اور الفاظ استعمال مین ہین، مختصراً چند الفاظ ذیل مین درج ہین

| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| وفره | خاص | تال و والی | ریزه ریزه |
| مر | شمار | تخش | تیر |
| ایدون | حالا | ترک | کلاه آهنی |
| ایدر | اینجا | ترنگ | صدای کمان |
| آخُو | اصطبل | تلاش | پراگنده |
| آذین | زینت و آرایش | تنگ آمدن | نزدیک آمدن |
| آذرگشسپ | برق | جوال | ظرفیت کہ از پشم بافند |
| آستی | آستین | چاک | سفیدۂ صبح |
| برسان | بسان | چاک چاک | صدای زدن شمشیر |
| آغاز | اراده | چرنگیدن | آواز گرز |
| افسوس | ظلم و ستم | چک | قبالہ اور دستاویز |
| اند | چند، یا اندک | سه دیگر | سیوم |
| اندرخور | لایق | شارسان | شهر و شهرستان |
| انوشه | آفرین | شبگیر | صبح |
| بادسر | مغرور | شخودن | خراشیدن |



| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| بارگی و باره | اسپ | شکردن | پاره کردن |
| باژ | خراج | غُرم | میش کوهی |
| بخش | حصّه | غرچه | مخنث و نامرد |
| برتر | بلندی | غو | خروش |
| بسنده | کافی | گو | پهلوان |
| بسیج | قصد و کارسازی | فروریختن از اسپ | فرود آمدن |
| بگماز | شراب | فزونی | فضیلت و بزرگی |
| پازهر | تریاک | فسیله | گله اسپ |
| پذیره | استقبال کردن | فش | دُم و یال اسپ |
| پدرام | آراسته | قاروره | آله ایست از آلات جنگ |
| پهلوانی | زبان پهلوی | خشت | نیزه کوچک |
| در | درکوه، و مرتبه | دبوس | گرز |
| | ع گفتمش بر راز این سخن در بدر | درع | پیراهن زنان |
| درخت | دار اپیراسته | سبز در سبز | نام گنجے است |
| درقه | سپر چرمین | ستاده | خیمه |
| دستار | دسترخوان | ستاره | سپهری |
| دست بند | زنانِ رقاص | ستودان | دخمه |
| دست حابه | جامه سروپا | ستیغ | راست و بلند |
| دست راست | وزیر اعظم | سرسری | فرومایه |
| دستوار | عصا | سرون | شاخ گاؤ |

| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| دفتر شکستن | دفتر ساختن | سُفت | دوش |
| دمدار | ساقهٔ لشکر | شیب | دنبالهٔ تازیانه |
| دواج | لحاف | مارو چ | گچ |
| دیدار | چشم ورخ، و پدیدار گشتن | صُلاب | اصطرلاب |
| رده | صف | طبرخون | بید سُرخ |
| رزمه | بقچه | طُغرل | نوعی از مرغ شکاری |
| رسته | صف زده | قُرطه | کُرتہ |
| رفت آوری | آمد و رفت کردن | کاتوزی | زاہد |
| ریخ | رنگ | کالوشه | دیگچہ |
| روزبان | دربان | کشکین | نان جوین |
| رودسپی | فاحشه | کفج | آب دہن |
| ریدک | غلام وامرد | کاک | کمان |
| ریمن | مکّار | کنارنگ | بزرگ قوم |
| زحیر | پیچ وتاب | کندآور | پہلوان |
| زخم | عمارت | کوہسر | کوہسار |
| زمزم | کلمات مغان که وقت | گردگاه | تہی گاه و کمر |
| | پرستش گویند | گردگان | مرہون |
| زمی | زمین | گریغ | گریز |
| زنهار خوردن | عهد شکستن | گشن | بسیار |
| زوار | خادم زندان خانه | ماهار | مہار شتر |



| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| ژکیدن | آهسته زیر لب گفتن | مزیج | طعنه وظرافت |
| سان | عرض لشکر | منجوق | ماہچہ علم |
| مهت | سنگین وگران | ویله | نعره |
| ناپاک | بے باک | هرکاره | دیگ سنگی |
| نخ | صف لشکر | هزبان | ہر زبان |
| نوز | هنوز | همانند | مانند |
| نیو | پہلوان | هوش | جان |
| وان | نگہبان | یشک | چہار دندان پیشین |
| ویر | یاد و فہم | | جانور درنده |

# اَسَدطوسی

اقلیم سخن (رزم) کا یہ دوسرا تاجدار ہے، صاحب آتشکدہ نے اس کو سلطان محمودؔ کی سبعہ سیارہ مین شمار کیا ہی۔

اسدی کا نام علی بن احمد اور کنیت ابونصر ہی، سلسلۂ نسب شاہان عجم سے ملتا ہی۔ تحصیل علوم کے بعد عراق کا سفر کیا، اور دیلمیون کے دربار مین رسائی حاصل کی، عراق سے آذربائیجان آیا، یہان کا رئیس ابودلف کرکری تھا، اس کا وزیر نہایت قدردان علم و فن تھا، اُس نے اسدی سے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھکر عجم کو زندہ کیا تم اُسی کے ہموطن اور ہم فن ہو تم بھی کچھ یادگار چھوڑ جاؤ، اسدی نے گرشاسپ نامہ لکھکر، ہم فنی کا حق ادا کیا، چنانچہ ان تمام واقعات کو خود دیباچہ مین لکھا ہی۔

یکے بود سردار دنیا و دین — گران مایہ دستور شاہِ زمین
بہ من گفت فردوسی پاک مغز — بداداست داد سخنہاے نغز
بہ شہنامہ گیتی بیاراستہ است — وزان نامہ نام نکو خواستہ است
تو ہم شہری اوراو ہم پیشۂ — چو او در سخن چابک اندیشۂ
ازان ہمرہان نامۂ باستان — بہ نظم آرخرم یکے داستان

دولت شاہ نے لکھا ہی، اور تذکرہ نویسون نے بھی اس کی تقلید کی ہے کہ فردوسی جب غزنین سے بھاگ کر مختلف شہرون سے گذرتا ہوا، وطن مین آیا، اور زندگی کے دن قریب آگئے، تو اسدی کو بُلا کر کہا کہ شاہنامہ کا کچھ حصّہ ناتمام رہ گیا ہی میرے بعد کون اس کو پورا کر سکے گا، اسدی نے کہا، جان اُستاد کچھ اندیشہ کی بات نہین



مین اس خدمت کو انجام دون گا، چنانچہ ایک رات دن مین چار ہزار شعر لکھکر فردوسی کو سُنائے۔ فردوسی نہایت خوش ہوا اور وہ اشعار شاہنامہ مین داخل کرلیے۔ یہ وہ اشعار ہین جہان عربون کے حملے اور ایران کی شکست کا ذکر ہی،

لیکن ہمارے نزدیک، یہ روایت، محض فرضی اور غلط ہی، نہ شاہنامہ ناتمام رہا تھا نہ اسدی فردوسی کا اُستاد[1] تھا، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمایش کر سکتا تھا، نہ ایک رات دن مین اسدی سے چار ہزار شعر لکھے جا سکتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ اسدی کے انداز سے، ان اشعار کو مطلقًا مناسبت نہین۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہی کہ قصائد مین جدت کا راستہ نکالا اکثر قصائد مین مناظرات لکھے ہین اور یہ اُس کا خاص ایجاد ہی، وہ دو چیزون کو لیکر باہم مناظرہ کراتا ہی ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلائل پیش کرتا ہی، اور بالآخر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز کرتا ہی، چنانچہ رات دن، زمین آسمان، گبر و مسلم قوس و رمح، شب و روز کا مناظرہ مجمع الفصحا مین نقل کیا ہی،

اسدی سب سے پہلا شخص ہے جس نے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی چنانچہ اس کے خاص ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ویانات کے کتب خانہ مین موجود ہی، سلگمین نے اس کتاب کو چھاپ کر شایع بھی کیا ہی[2]

**کلام پر رائے** اسدی اگرچہ فردوسی وغیرہ کا ہمعصر ہی، لیکن تشبیہات اور مضمون بندی کے لحاظ سے، نظامی سے دوش بدوش ہی، ایک جنگل کی تعریف مین لکھتا ہی،

---

[1] اسدی نے گرشاسپ نامہ مین فردوسی کا نام جس طرح لیا ہی، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہی کہ فردوسی اس کا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

بہ شہنامہ فردوسی نغز گوے — چو از پیش گویندگان بُردگوے

[2] مسٹر براؤن کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی۔

چنان تنگ و در هم یکے بیشه بود  —  که رفتن دران کار اندیشه بود
اس طرح کا گھنا جنگل تھا  —  کہ اس میں صرف خیال چل سکتا تھا
درختانش سر درکشیده بسر  —  چو خطِ دبیران یک اندر دگر
اس کے درخت اس طرح پاس پاس تھے  —  جس طرح خوشنویسوں کی سطریں ہوتی ہیں
همه شاخها تا به چرخ کبود  —  هم در شده تنگ چون تار و پود
تمام شاخیں آسمان تک  —  اس طرح لپٹی ہوئی تھیں جس طرح کپڑے میں تانا بانا ہوتا ہے
تو گفتی سپاهی است در جنگ سخت  —  وز و هست گرد و گرہر درخت
یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج لڑائی میں مصروف ہے  —  ہر درخت پہلوان ہے
کمان شاخها شان، همه گرز بار  —  سپر برگها و سنان نوک خار
شاخیں کمان تھیں، گرز پھل تھے  —  پتے سپر اور کانٹے برچھیاں تھیں
نتابیده اندر روے از چرخ هور  —  ز تنگی رهش پوست رفتے ز مور
آفتاب کبھی اُس میں چمکا نہیں تھا  —  اس قدر گھنا تھا کہ چیونٹی اسمیں چلتی تو اسکی کھال اتر جاتی تھی

اس قسم کی تشبیہات، اور اس قسم کا مبالغہ، متوسطین بلکہ متاخرین کا انداز ہے، باایں ہمہ واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظر دکھانے میں اسدی کو فردوسی سے کم مایہ نہیں کہہ سکتے، گرشاسپ نے جہان اژدہا کو مارا ہے، اس موقع پر اژدہا کی تصویر دیکھو کس طرح کھینچی ہے، اگلے زمانہ میں اژدہا کی تصویر جو لوگوں کے ذہن میں تھی یہ تھی کہ بیس تیس گز کا لمبا ہوتا ہے، آگے دو بڑے بڑے دانت ہاتھی کی طرح نکلے ہوتے ہیں، سانس لیتا ہے تو مُنھ سے شعلے نکلتے ہیں، سر پر کانٹے کی طرح بال ہوتے ہیں، جسم پر ہاتھی کے کان کے برابر چھٹے ہوتے ہیں جن کو کبھی سمیٹ لیتا ہے اور کبھی پھیلا دیتا ہے، آنکھیں ستارے کی طرح دور سے چمکتی ہیں۔

شد اندر دره در سوے بنگرید  —  بناگاه آن اژدر آمد پدید



بران بیشه او با سینه سایان بکین  —  ز بیچیدنش جنبش اندر زمین
چو تاریک غارے دهن کرده باز  —  دو دندانش (دانت ۱۲) چو شاخ گوزبان دراز
دهان و نفس دود و آتش بهم  —  دهان گوره (بھٹی ۱۲) آهن و شعله دم
ز تف (گرمی ۱۲) دهانش دل خاره موم  —  ز زهر دمش باد گیتی سموم
بدود نفس هر دو چشمش ز نور  —  درخشان چو در شب ستاره ز دور
گره در گره خم، و دم تا به پشت  —  همه سرش چون خاره موها درشت
پشیزه پشیزه تنش از رنگ نیل  —  ازان هر پشیزه به پر از گوش فیل
گهے چون سپر برفگندیش باز  —  گهے همچو جوشن کشیدی دراز
چو بر کوه سودے تن سنگ رنگ  —  بفرسنگ رفتے چکاکاک سنگ

غرض شاہنامہ اور سکندر نامہ کی بیچ کی کڑی گرشاسپ نامہ ہے، نظامی نے غالباً گرشاسپ نامہ کو سامنے رکھکر سکندر نامہ لکھا ہے۔

---

# منوچہری

دامغان وطن ابوالنجم کنیت احمد نام شصت کلہ لقب اور منوچہری تخلص تھا دولت شاہ نے اس کو بلخی لکھا ہی، چونکہ نہایت دولتمند تھا اس لیے شصت کلہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، امیر منوچہری بن شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر جو شہور رئیس اور جرجان کا فرمانروا تھا اور ۳۸۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا، یہ اُس کے دربار میں ملازم تھا، اس مناسبت سے منوچہری تخلص کیا تھا، ۴۱۱ھ میں منوچہری نے انتقال کیا تو یہ غزنین میں آیا اور عنصری کی مدح میں قصیدہ لکھا جو اُس کے دیوان میں موجود ہی، مدح کے چند شعر یہ ہین،

| | |
|---|---|
| اوستاد اوستادان زمانہ عنصری | عنصرش بے عیب و دل بیغش و دینش بیفتن |
| شعر او چون طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع | طبع او چون شعر او ہم با ملاحت ہم حسن |
| کو جریر و کو فرزدق کو ولید و کو لبید | رو بہ و عجاج و دو یک الجن و سیف ذویزن |
| کو فرا آیند و شعر اوستادم بشنوند | تا عزیزی روضہ بینند و طبیعی نسترن |
| شعر او فردوس را ماند کہ اندر شعر او | ہر چہ در فردوس ما را وعدہ کردہ ذوالمنن |
| کوثر است الفاظ عذب او و معنی سلسبیل | لفظ او انہار خمر و وزنش انہار لبن |

تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ اس نے عنصری کی شاگردی بھی اختیار کی لیکن یہ بھی خوشامد کا ایک پہلو تھا، جسطرح قلعہ مین لوگ بہادر شاہ سے گلستان پڑھنے جایا کرتے تھے، بہرحال عنصری نے اُس کو دربار شاہی مین پہنچایا اور سلطان محمد ابن محمود کے حضور مین ترخانی کا منصب ملا یعنی جب چاہتا دربار مین چلا جاتا کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ محمد[1] چند روز کی سلطنت کے بعد یعنی ۴۲۱ھ مین گرفتار ہو کر



قید ہوا اور اُس کے بھائی سلطان مسعود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، منوچہری کے اکثر قصائد مسعود ہی کے مدح مین ہین مسعود بھی اس کا نہایت قدردان تھا، یہانتک کہ دربار کے شعرا اس پر رشک کرتے تھے ایک قصیدہ مین منوچہری نے فخر کے لہجہ مین اس کا ذکر کیا ہی، تقی کاشی نے خلاصۃ الافکار مین لکھا ہی کہ منوچہری عنصری، وعسجدی کا ہمعصر تھا، اور دربار مین عنصری کے سوا اور تمام شعرا یہانتک کہ فردوسی اور فرخی تک اس سے نیچے بیٹھتے تھے لیکن منوچہری کے دیوان مین سلطان محمود کی شان مین کوئی قصیدہ نہین اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود کے مرنے کے بعد غزنین مین آیا ہی۔ اور اس لیے فردوسی کا ہم بزم نہین ہو سکتا تھا۔

منوچہری فطرۃً شاعر تھا، نہایت کمسنی مین لوگ مشکل مشکل طرحین دیتے تھے اور وہ برجستہ ان طرحون مین قصیدے اور غزل کہتا تھا۔

دیوان جو آج موجود ہی، اس مین تین ہزار شعر ہین علی قلی خان ہدایت نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا اور شائع کیا، فرانس مین اس کا دیوان نہایت اہتمام اور تکلف سے چھپا ہی، فرہنگ بھی ہی اور تمام مشکل اشعار کو حل کیا ہی یہ نسخہ میری نظر سے گذرا ہی اور مین نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہی، منوچہری نے ۴۳۲ھ مین انتقال فرمایا۔

**کلام کی خصوصیات۔** منوچہری کے کلام مین اکثر ایسے خصوصیات ہین جن سے اُس کے معاصرون کا کلام بالکل خالی ہی، بلکہ مابعد کے شعراء مین بھی ان کے نمونے خال خال پائے جاتے ہین۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہی کہ وہ شعرائے عرب کی زیادہ تر تقلید کرتا ہی،

[1] مجمع الفصحا بحوالہ لب الالباب عوفی یزدی۔

اس نے متعدد قصیدے عربی قصائد کے بحر اور قافیہ مین لکھے ہین، ابو الشیص کا ایک قصیدہ مشہور ہو۔

سالقاك والليل ملقى الجران    غراب بينوح على غصن بان

منوچہری اسکے جواب مین لکھتا ہو۔

جہانا چہ بد مہر و بدخو جہانی    چو آشفتہ بازار بازارگانی

مزہ وہان آتا ہو جہان چند شعرائے عرب کے نام لیکر کہتا ہو کہ فلان شاعر نے خلیفہ اور امیر کی مدح مین زور کے قصیدے لکھے اور ایسے بڑے بڑے صلے حاصل کیئے مین بھی اسی طرح تیرے دربار مین آیا ہون۔

شنیدم کہ اعشیٰ بہ شہر مین شد    سوے سودۃ بن علی الیمانی
برو خواند شعرے بالفاظ تازی    بہ شیرین معانی و شیرین زبانی
یکے کاروان اشتر کش دادش    ہر اشتر بسان کہے از کلانی
(کوہ)
سوے تاج عمرانیان ہم بدینسان (یعنی قوی ۱۲)    بیامد منوچہری دامغانی

دیکھو تخلص کس لطف سے کھپایا ہو۔

آخر مین تصریح کی ہو کہ یہ قصیدہ مین نے ابو الشیص کے جواب مین لکھا ہے ساتھ ہی قصیدہ کا مطلع بھی تضمین کیا ہو۔

بدان وزن این شعر گفتم کہ گفتہ است    ابو الشیص اعرابی باستانی
سالقاك والليل ملقى الجران    غراب بينوح على غصن بان

ابن المعتز کا ایک قصیدہ، سادات علوی کے معارضہ مین ہو۔

ونحن بنو العم اولى بها

اس قصیدہ پر منوچہری نے قصیدہ لکھا ہو اور لطف یہ کیا ہو کہ عربی ضمیر کی جو ہ تھی اس سے فارسی مین جمع کا کام لیا ہو۔



چو از زلف شب باز شد تابہا    فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرمائے سخت    بپوشید بر کوہ سنجاب ہا
بمیخوارگان ساقی آواز داد    فگندہ بزلف اندرون تاب ہا
بہ بانگ نخستین ازین خواب خوش    بجستیم ما ہمچو طبطاب ہا
بہ مجمع بہ بام آمد از نو رمے    گرزت ایقاع سطر لاب ہا

فارسی کے اور شعرا کے برخلاف منوچہری کو شعرائے عرب کے اکثر دیوان حفظ یاد تھے، اور اس پر فخر کرتا تھا۔ ایک قصیدہ مین حاسد کو خطاب کرکے لکھتا ہو۔

من بسے دیوان شعر تازیان دارم زبر    تو ندانی خواند الا هبی بصحنك فاصبحين
(یعنے مجکو عرب کے بیسون دیوان از بر ہین ۱۲ عرب)    (اور تو سبعہ معلقہ کا یہ قصیدہ نہین پڑھ سکتا)
الا هبی بصحنك فاصبحينا    ولا تبقى خمور الاندرينا

عربی پر اُس کو یہ قدرت حاصل کی کہ اپنے کلام مین عربی قصائد کی طرف اشارے کرتا ہو اور اُن کے وہ ٹکڑے جن کے نام سے وہ قصیدے مشہور ہین بے تکلف تضمین کرتا جاتا ہو ایک قصیدے مین لکھتا ہو

امرء القیس و لبید و اخطل و اعشیٰ و قیس    بر طلل ہا نوحہ کردندے و بر رسم تلی
شاعری عباس کردو حمزہ کردو طلحہ کرد    جعفر و سعد و سعید و سید ام القریٰ
آنکہ گفت اذنتنا آنکہ گفت الا هبی    آنکہ گفت السیف اصدق آنکہ گفتا ابلی الہوی

اس شعر مین چار قصیدون کے مطلعون کی طرف اشارہ ہو، یعنی

اذنتنا ببينها اسماء (سبعہ معلقہ کا قصیدہ ہو)
الا هبی بصحنك فاصبحينا (سبعہ معلقہ)
السيف اصدق انباء من الكتب (ابو تمام کا مشہور قصیدہ ہو جو معتصم کی مدح مین عموریہ کی فتح کی تقریب پر لکھا گیا تھا۔)
ابلى الهوى (متنبی کا قصیدہ ہو)

اس کے کلام مین اکثر عربی تلمیحات ہین یہانتک کہ محض فارسی دان اس کے کلام سے پورا لطف نہین اُٹھا سکتے، ایک قصیدہ کا مطلع ہے[1]۔

عرب مین لیلی و شیرین کے بجاے جن معشوقون کا نام آتا ہے۔ لیلےٰ سلمیٰ، رباب غزہ، میہ، بثینہ، وغیرہ ہین، غزہ، کثیر کی معشوق تھی، جو بنو اُمیہ کے زمانہ کا مشہور شاعر تھا، میہ، ذو الرمہ کی معشوق تھی، اسی میۃ کو منوچہری نے قافیہ کی ضرورت سے مے کہدیا ہے۔

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے،

با دبزین صناعت امانی کند ہمے  مرغ حزین روایت معبد کند ہمے

معبد بنو اُمیہ کے زمانہ کا مشہور مغنی تھا،

روایت کردن کے معنی گانے کے ہین، مرغ حزین سے بلبل مراد ہے یعنی بلبل معبد کے راگ گاتی ہے۔

زمین محراب داؤد ستانہ بس سبزہ بنداری  کشادہ مرغکان بر شاخ چون داؤد حنجرہا

با نظم ابن رومی و بانثر صبحے  باشرح ابن جنی و بانحو سیبوے

آن جایگاہ کانجمن سرکشان بود  تو بوفلانی آن دگران ابجد دُبنی

(۲) اس کے کلام کی بڑی خصوصیت برجستگی روانی اور شستگی ہے، یہ جوہر اگرچہ اس کا عام خاصہ ہے لیکن اس کے ساتھ اور مختلف باتین جمع ہوگئی جن سے اور زیادہ شیرینی اور دلآویزی پیدا ہوجاتی ہے، وہ اکثر شگفتہ ردیفین پیدا کرتا ہے کہین کہین ممدوح کے نام کو ردیف کرتا ہے اور وہان گریز کے موقع پر ممدوح کے نام سے خاص لطف پیدا ہوجاتا ہے بعض جگہ کئی کئی شعر تنسیق الصفات کی صنعت مین لکھتا جاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پر موتی ڈھلکتے چلے آتے ہین۔

[1] تنسیق الصفات کی مثال گھوڑے کی تعریف مین آے گی۔



ماہ رمضان رفت و مرا رفتن آن بہ  عید رمضان آمد والمنۃ للہ

برآمدن عید و برون رفتن روزہ  ساقی بدہم بادہ بر باغ و بہ سبزہ

برنہ بکف دستم آن جام چو کوثر  جام دگر آور بکف دست دگرنہ و

من می نخورم تا نبود بر دگفم جام  یا ساتگنی بر سر خوانم نہ نہی ستہ

چون می بدہی نوش ہمی گوی دہی باش  چون می بخورم جام ہمی گیر وہمی جہ

دلم اے دوست تو دانی کہ ہواے تو کند  لب من خلعت خاک کف پاے تو کند

رایگان مشک فروشی نکند ہیچ کے  در کند، ہیچ کسے زلف دوتاے تو کند

چہ دعا کردی جانان کہ چنین خوب شدی  تا چو تو جا کر تو نیز دعاے تو کند

از لطیفی کہ توئی اے بت دو ارخ شیرینی  ملک مشرق ہم بست کہ راے تو کند

این جہان کرد براے تو خداوند جہان  وان جہان تیر برانم کہ براے تو کند

صنما! از تو دلم ہیچ شکیبا نہ شود  اگر امروز شود بیشک فردا نہ شود

تجربت کردم و دانا شدم از کار تو من  تا تجرب نہ شود، مردم دانا نہ شود

نہ کشم ناز ترا و نہ دہم دل بہ تو ہم  تا مرا آفتی و مہر تو پیدا نہ شود

گوئی از دو لب من بوسہ تقاضا چہ کنی  دام خواہی نہ بود کو بتقاضا نہ شود

بہ مدارا اول تو نرم کنم، و آخر کار  بہ درم نرم کنم گر بہ مدارا نہ شود

وگر این عاشق نومید شو از در تو  از در خسرو شاہنشہ دینا نہ شود

صنما گرد سرم چند ہمے گردانی  زشتی از روے نکو زشت بود گردانی

یا بکن آنکہ شب و روز ہمی وعدہ دہی  یا مکن وعدہ ہر آن چیز کہ می نتوانی

دل من بُردی و از خویشتنم دور کنی  بر نیاید صنما! کار بدین آسانی

مہربانی نہ کنی بر من و بہ سر مطلبی  نہ دہی داد من و داد ز من بستانی

بیوفائی کنی و نادان سازی تن خویش  نیستی اے بت یکبارہ بدین نادانی

از تو مارا نہ کتاب و نہ پیام و نہ سلام — مکن ای دوست کہ کیفر بری و در مانی
مکن ای دوست کہ بیداد نشاتی نگذاشت
عدل باز آمدہ با بو الحسن عمرانی

نوروز روزگار نشاط است و ایمنی — پوشیدہ ابر دشت بہ دیبای ارمنی
خیل بہار خیمہ بصحرا برون زند — واجب کند کہ خیمہ بصحرا برون زنی
بر گل ہمی نشینی و بر گل ہمی خوری — بر خم ہمی خرامی و بر دن ہمی دنی
دست ناخریدہ و مشک است رایگان — ہر چند بر فشانی و ہر چند بر چنی
شاخ بنفشہ بر سر زانو نہادہ سر
مانندۂ مخالف بوسہل زوزنی

باد نوروزی ہمی در بوستان شاعر شود — تا بہ سحرش دیدۂ ہر گلبنی ناظر شود
باد ہمچون دزد گردد ہر سوی بیارہا — بوستان آراستہ چون کلبۂ تاجر شود
نو بہارا این جامۂ صد رنگ پوشند اگر — دوستار دوستان خواجہ بوطاہر شود

منوچہری مناظرِ قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچتا ہی صحرا، سبزہ، بادل، سیلاب، ہوا، وغیرہ وغیرہ کے اوصاف اکثر قصائد کی تمہید مین لکھے ہین اور اس خوبی سے لکھے ہین کہ اگر اس قسم کے اشعار الگ جمع کر دیے جائین تو نیچرل شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائیگا

ایک قصیدہ مین سفر کا حال لکھتے لکھتے آب و ہوا کے طوفان کا حال لکھا ہی اس موقع پر ہوا کے جھونکے، بجلی کی چمک، بادلون کی گرج، پانی کے سیلاب کا نقشہ دیکھو کس طرح کھینچتا ہی۔

بر آمد بادے از اقصاے بابل — ہبوبش خارہ در و پارہ افگن
تو گفتی کز ستیغ کوہ سیلی — فرو بارد ہمے احجار صد من
ز روے بادیہ بر خاست گردے — کہ گیتی کرد ہمچون خز ادکن

سیاہ ۱۲ کپڑا ۱۲
۱ دن یعنی خم شراب دنی، دیندن سے مشتق ہی جسکے معنے اکڑ کے چلنے کے ہین،



چنان کز روے دریا بامدادان — بخار آب خیزد ماہ بہمن
بر آمد زاغ رنگ و مار پیکر — یکے میغ از ستیغ کوہ قارن
چنان چون صد ہزاران خرمن تر — کہ عمداً در زنی آتش بہ خرمن
بجستے ہر زمان از تیغ برقی — کہ کردے گیتی تاریک روشن
خروشی بر کشیدے تند تندر — کہ موے مردمان کردے چو سوزن
تو گفتی نای رومی ہر زمانی — بگوش اندر دمیدے یک دمیدن
بلرزیدے زمین از زلزلہ سخت — کہ کوہ اندر فتادے زو بگردن
تو گفتی ہر زمانی ژندہ پیلی — بلرزاند ز رنج پشگان تن
فرو بارید بارانے ز گردون — چنان چون برگ گل بارد ز گلشن
و یا اندر تموزی مہ ببارد — جراد منتشر بر بام و برزن
ز صحرا سیلہا بر خاست ہر سو — دراز آہنگ و پیچان و زمین کن
چو ہنگام عزائم ذی معزم — بتک خیزند ثعبانان ریمن
نماز شامگاہان گشت صافی — ز روے آسمان ابرِ معکن

بہار کی تعریف شعراے ایران کا ایک عام موضوع ہی جسپر ابتدا سے آج تک سب طبع آزمائیان کرتے آئے ہین، لیکن قدما اور متاخرین مین سے کسی نے منوچہری کی طرح نیچر کی تصویر نہین کھینچی، اس نے سیکڑون جگہ بہار کا نقشہ دکھایا ہی، اور ہر جگہ گویا فطرت کی تصویر کھینچکر رکھدی ہی، وہ اور شعرا کی طرح صرف گل و بلبل پر قناعت نہین کرتا بلکہ ایک ایک پتے، پھول، پھل، شاخ، درخت، اور ان سب سے بڑھکر جانورون اور پرندون کی صورت اور حالت دکھاتا ہی،

پرندون کی حالت۔

کبکانِ بے آزار کہ بر کوہ بلند اند — بے قہقہہ یکبار ندیدم کہ بخندند

جز خار[۱] بنان جایگہ خود نہ پسندند     بر پہلو از ین نیمہ بدان نیمہ بدندند[۲]
ہر ساعتکی سینہ بمنقار بر ندند
چون جزع[۳] بر و سینہ و چون بسّد[۴] منقار

شبگیر (وقت صبح ۱۲) ز گل فاختگان بانگ بر آرند     گوئی کہ سحر گاہ ہمی خواب گزارند
ماہ سہ شبہ (یعنی ہلال ۱۲) از بر گردن بنگارند     از غالیہ بی آنکہ ہمی غالیہ دارند
صد بار بروزی در پرہا بشمارند
چون نیم دبیری کہ غلط کردہ با شمار[۵]

ہر ساعتکی بط سخنی چند بگوید     در آب جہد جامہ دگر بار بشوید
در آب کند گردن و در آب بروید     گوئی کہ مگر چیزے در آب بجوید
چون سینہ بجلباند یک لخت بپوید
از ہر سر پرش بجہد صد دُرِ شہوار

آمد نوروز ہم از بامداد     آمدنش فرخ و فرخندہ باد
باز جہان خرم و خوب ایستاد     مُرد زمستان و بہاران بزاد
ز ابر سیہ روی سمن بوی راد
گیتی گردید چو دار القرار

روے گل سرخ بیار استند     زلفک شمشاد بپیر استند
کبکان بر کوہ بتک خواستند     فاختگان ہمبر بنشاستند
بلبلکان زیر بستا (زیر و بم) خواستند
نای زنان بر سر شاخ چنار



۱ خارستان خارزار۔ ۲ وندند منیح اشند ۳ جزع مہرہ سلیمانی کہ سفید و سیاہ باشد ۴ بسّد یاقوت ۵ کہتا ہے کہ قمریان اس طرح بار بار اپنے پردن کو گنتی ہین (کھولتی ہین) جسطرح کہ کوئی موٹا حساب دان بار بار حساب بھول جاتا ہے اور ہر کاغذ کو الٹتا ہے۔ ۶ اشمار، شمار۔



طوطیکان بر گلکان تاختند     آہوکان گوش برافراختند
گورخران میمنہا ساختند     زاغان گلزار بپرداختند
بیدلیکان (عاشق ۱۲) در پی دل تاختند
با ترکان چگل و قندھار

مرغ نہ بینی کہ چہ خواندہ ہے     میغ نہ بینی کہ چہ راندہ ہے
دشت نہ بینی بچہ ماندہ ہے     دوست نہ بینی چہ ستاندہ ہے
باغ بتان را نشاندہ ہے
بر سمن و نسترن و لالہ زار

---

کردہ گلو پر ز باد قمری سنجاب پوش     کبک فرو ریختہ مشک بسوراخ گوش
بلبکان با نشاط قمریکان با خروش     در دہن لالہ مشک در دہن نحل نوش
سوسن کافور بوی گلبن گوہر فروش
از مہ اردی بہشت و ہر بہشت برین

چوک (مرغیست ۱۲) ز شاخ درخت خویشتن آویختہ     زاغ سیہ پر و بال غالیہ آمیختہ
ابر بہاری ز دور اسپ بر انگیختہ     وز سم اسپ سیاہ لولو تر ریختہ
در دہن لالہ باد ریختہ و بیختہ
ریختہ مشک سیاہ بیختہ در ثمین

سرو سماطی کشیدہ بر دو لب جویبار     چون دو رده چتر سبز در دو صف کارزار
مرغ نہاد آشیان بر سر شاخ چنار     چون سپر خیزران بر سر مرد سوار
گشت نگارین تذرو پنہان در کشت زار
ہمچو عروسی غریق در بن دریای چین

گویی بط سفید جامه بهامون زده است | کبک دری ساق پای در قدح خون زده است
برگل تر عندلیب گنج فریدون زده است | لشکر چین در بهار در کُهِ هامون زده است

لاله سوی جویبار خرگه بیرون زده است
خرگه او سبز گون خیمه او آتشین

بادل جب برستے ہین تو کبھی قطرہ افشانی ہوتی ہی، کبھی ننھی ننھی پھوہار پڑتی ہے کبھی جھڑی لگ جاتی ہی، سبزہ پر مختلف قسم کے پھولون پر تالاب کی سطح پر بوندون کے پڑنے سے طرح طرح کی صورتین پیدا ہو کر ہر ایک کا الگ الگ سما نظر آتا ہی، منوچہری نے ایک موقع پر تشبیہات کے پیراے مین اس کی تصویر کھینچی ہی،

آن قطره باران بین از ابر چکیده | گشته سر برگ ازان قطره بهآثار
آویخته چون رشته دو ستاره چه سبز | سیمین گرهی بر سر هر رشته دو ستار
یا همچو زبرجد گون یک رشته سوسن | اندر سر هر سوزن یک لولو شهوار
وان قطره باران که فرو بارد شبگیر | بر طرف چمن بر دو رخ سرخ گل نار
گویی به مثل بیضه کافور ریاحی | بر بیرم حمرا به پراگندش عطار
وان قطره باران که فرود آید از شاخ | بر تازه بنفشه به تعجیل به ادرار
گویی که مشاطه ز بر فرق عروسان | ما ورد همی ریزد باریک به مقدار
وان قطره باران که چکد از بر لاله | گرد و طرف لاله ازان باران بنگار
پنداری بتخاله خردک بدمیده است | بر گرد عقیقین دو لب دلبر عیار
وان قطره باران که برافتد به سر خوید | چون قطره سیماب برافتاده به زنگار
وان دائره ها بنگر اندر شمر آب | هرگه که در ان آب چکد قطره امطار
چون مرکز پرکار است آن قطره باران | وان دائره آب لبان خط پرکار
هرگه کز ان دائره انگیزد باران | وز باد در و چین و شکن خیزد و هر بار



گویی علمی از سقلاطون سپید است | وز باد جهنده متحرک شده بسیار
وانگه که فرو بارد باران به قوت | گیرد شکن آب دگر صورت و آثار
گردد شمر آبدون چو یکی دام کبوتر | دیوار زیک حلقه بسی سیمین منقار

سراپا نگاری

حلیہ نگاری یعنی کسی خاص چیز کا سراپا لکھنا اور اس کے تمام اوصاف کا بیان کرنا منوچہری کا اس کا گویا موجد ہے، قصائد مین شعرا بادشاہ کی مدح کے ساتھ تلوار، گھوڑے وغیرہ کی تعریف بھی کرتے ہین، عبد الواسع جبلی اور عرفی شیرازی اس میدان مین سب سے آگے ہین، لیکن ان کے ہان محض خیالی باتین ہین بخلاف اس کے منوچہری نے تصویر کھینچکر رکھدی ہی اسکے ساتھ اکثر صنعت تنسیق الصفات کا التزام کیا ہی، اور وہان اس کی قدرت زبان کا اندازہ ہوتا ہی کہ بے تکلف موزون اور متناسب الفاظ کا انبار لگاتا چلا جاتا ہی۔

گھوڑا

جندا اسپی مجلل مرکبی تازی نژاد | نعل او پروین نشان و سُم او خارا شکن
رام زین و کش خرام و خوش عنان و تیز گام | شخ نورد و راه جوی و سیل بر و کوه کن
پشت او چون دست و چون گوش او چون گردنش | چون کمان و چون رباح و چون سنان و چون مجن
گاهش اندر شیب تازم گاه تازم بر فراز | چون کسی کو گاه بازی بر نشیند بر رسن

---

دیر خواب و زود خیز و تیز سیر و دور بین | خوش عنان و کش خرام و پاک زاد و نیکخوی
سخت پای و ضخم ران و راست دست و گرد سُم | تیز گوش و پهن پشت و نرم چرم و خورد موی
ابر سیر و باد گرد و رعد بانگ و برق جه | کوه کوب و سیل بر و شخ نورد و راه جوی
گور ساق و شیر زهره یوز تاز و غرم تگ | پیل گام و گرگ سینه رنگ تاز و گرگ پوی
تیز چشم آهن جگر فولاد دل کیمخت لب | سیم دندان چاه بینی ناوه کام و لوح روی
نیزه دگر زو کمند و ناچخ و تیر و کمان | گردن و گوش و دم و سم و دهان و ساق اوی

بیر جہ، بادگزر، یوز دو، وکوہ قرار — شیر تگ، پیل قدم، گور دو آہو پرواز
گوش وپہلو ومیان وکتف وجبہہ وساق — تیز فرنی ونزار وقوی وپہن ودراز
رہ بر، وشخ شکن، وشیر دل، وببر عنان — خوش دو، وسخت سم وپاک تن، وجنگ آغاز

منوچہری نے اگرچہ کوئی مثنوی نہین لکھی جس سے واقعہ نگاری کی ترقی کا قدم آگے بڑھتا، لیکن اکثر قصائد کی تمہید مین وہ واقعہ نگاری کا پیرایہ ڈھونڈھ لیتا ہی، اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ کوئی مسلسل داستان لکھ رہا ہی، ان موقعون پر اس کی قوت بیان کا اندازہ ہوتا ہو، اور یہ معلوم ہوتا ہو، کہ وہ محض مداحی کے لیے قصیدہ نہین کہتا، بلکہ زبان کی ترقی دینے کو پیش نظر رکھتا ہو، ایک قصیدہ مین عرب کے انداز پر قافلہ کی روانگی، محبوب کی رخصت، اور سفر کے حالات لکھے ہین۔

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل — کہ پیش آہنگ بیرون شد ز منزل
تبیرہ زن بزد طبل نخستین — شتربانان ہمے بندند محمل
نماز شام نزدیک است امشب — مہ و خورشید را بینم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصد بالا — فرو شد آفتاب از کوہ بابل
چنان دو کفۂ زرین ترازو — کہ این کفہ شود زان کفہ مائل
نگار من چو حال من چنان دید — ببارید از مژہ باران وابل
بیامد او فتان خیزان بر من — چو آن مرغے کہ باشد نیم بسمل
دو ساعد را حمائل کرد بر من — فرو آویخت از من چون حمائل
چو برگشت از من آن معشوق مشوق — نہادم صابری را سنگ بر دل
نگہ کردم بہ گرد کاروان گاہ — بہ جاے خیمہ وجاے رواحل
نہ وحشی دیدہ آنجا و نہ انسے — نہ راکب دیدم آنجا و نہ راجل
نجیب خویش را دیدم بیکسو — چو دیوے دست وپا اندر سلاسل



کشادم ہر دو زانو بندش از بند — چو مرغے کش کشاید از حبایل
برآوردم زمامش از بنا گوش — فرو ہشتم ہویدش تا بہ کاہل
چو ناحی کہ پیماید زمین را — بہ پیمودم بیابان او مراحل
ہمی رفتم شتابان در بیابان — ہمے کردم بیک منزل دو منزل
ہمی بگداخت برف اندر بیابان — تو گوئی دارد ش بیماری سل
چو پاسے از شب دیرندہ بگذشت — برآمد شعریان از کوہ موصل
رسیدم من فراز کاروان تنگ — چو کشتی کو رسد نزدیک ساحل
جرس دستان گوناگون ہمیزد — بسان عندلیبے از عنادل
زنوک نیزہ ہاے نیزہ داران — شدہ وادی چو اطراف سنابل
نجیب خویش را گفتم سبکتر — الا یا دستگیر مرد فاضل
بجہ چون کرت عنبرین باد چراگاہ — بجم کرت آہنین باد امفاصل
بیابان در نورد و کوہ بگذار — منازلہا بکوب و راہ بگسل
فرود آور بہ درگاہ وزیرم — فرود آوردن اعشی بہ باہل

اقسام سخن مین سے منوچہری کے مسمطات[1] مشہور ہین، وہ درحقیقت اس طرز کا موجد ہی اور خود بھی اس کو اس پر ناز ہی چنانچہ کہتا ہی۔

طاؤس بہیج عنصری خواند — دُرّاج مُسَمَّطِ منوچہری

ان مسمطات مین اکثر جگہ واقعہ نگاری کے نئے نئے اسلوب اختیار کیے ہین، ایک مسمط مین انگورون کے پھلنے اور ان سے شراب کھینچنے کو ایک حکایت کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، یعنی انگور ایک عورت ہی اُس نے لڑکیان جنی ہین، انگور والا خوش ہی کہ یہ میری لڑکیان ہین، اکثر آ آ کر دیکھتا ہی، اور خوش ہوتا ہی، اتفاق سے اُسے باہر جانا پڑا

[1] مسمط مین چھ مصرعے ہوتے ہین جنمین سے پانچ مصرعون کے قافیے متحد ہوتے ہین۔

اُگر دیکھا تو بچون کے سُرخ سفید چہرے سیاہ ہو گئے ہین، اور اُن کے پیٹ نکل آئے ہین
اُس کو سخت رنج ہوا کہ یہ لڑکیان بد کار نکلین، لڑکیون نے عُذر خواہی کی لیکن اُس نے
نہ مانا اور اُن کے گلے کاٹ ڈالے، اسی طرح شراب کھینچنے کی اخیر حالت تک حکایت
کے پیرایہ مین بیان کی ہے۔

شاخ انگور کہن دخترکان زاد بسے    کہ نہ از درد بنالید و نہ برزد نفسے
ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ بیش و نہ پسے    نہ ورا قابلہ بود و نہ فریاد رسے
این چنین آسان فرزند بزاست کسے
کہ نہ دردے بگرفتش متواتر نہ تپے

چون نگہ کرد بران دخترکان مادر پیر    سیر بودند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر
کرد شان مادر بستر ہمہ از سبز حریر    نہ خورش دادران بچگان را ہیچ و نہ شیر
نہ شغب کردند آن بچگان نہ ہیچ نفیر
بچہ گرسنہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگانش بنہادند تن خویش بر آب    نہ جہیدند و نہ جستند از آن بستر خواب
گرد کردند سرین، محکم کردند رقاب    رو بہا یکسرہ کردند بہ زنگار خضاب
داد شان رزبان پیوستہ شرابی چو گلاب
تشنہ از جانب شان غائب و ذر و نجہے

گفت پندارم کین دخترکان آن من اند    چون دل و چون جگر و چون تن و چون جان من اند
تا بباشند درین رز در، مہمان من اند    رز فردوس من ست اینشان رضوان من اند
تادرین باغ و درین خانہ و درین مان من اند
دارم اندر سر شان سبز کشیدہ شطبے

در چو بکشاد بدان دخترکان کرد نگاہ    دید چون زنگی ہر یک را روئے سیاہ



جامی جامی بچہ تابان چون زہرہ و ماہ    بچہ سُرخ چو خون و بچہ زرد چو کاہ
سر نگونسار ز شرم و رو تیرہ ز گناہ
ہر یکے با شکم حاملہ و با نازبے

ز زبان را بہ دو ابروی در افتادہ گرہ    گفت لا حول و لا قوۃ الا باللہ
این بلاے بچگان در حق من آمدہ زہ    ہمہ آبستن گشتند بیک شب کہ دمہ
نیست یکتن بمیان ہمگان ایدر بہ
این چنین زانیہ باشد بچہ ہر عنبے

دختران رز گویند کہ ما بے گنہیم    ما تن خویش بدست بنی آدم نہ دہیم
ما ہمہ سر بسر آبستن خورشید و مہیم    ما توانیم کہ از خلق جہان دور جہیم
نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ برہیم
ز آفتاب و مہ مان سود ندارد ہربے

روز ہر روزی خورشید بتابد بر ما    خویشتن در فگند بر تن ما و سر ما
چون شب آید برد و خورشید از محضر ما    ماہتاب آید و بر چسپد در پیکر ما
دین دو تن دور نہ گردند ز بام و در ما
نکند ہیچ کس این بے ادبان را ادبے

منوچہری کی خصوصیات مین ایک بڑی چیز تشبیہ کی صنعت ہے جہان کسی منظر یا
حالت کا بیان کرتا ہے، سیکڑون نئی تشبیہین پیدا کرتا جاتا ہے، اور یہ اُس کا خاص انداز
ہے اس بہتات کے ساتھ کوئی تشبیہ جدت سے خالی نہین ہوتی، اس زمانہ تک خیالی اور
فرضی تشبیہین پیدا نہین ہوئی تھین اس لیے عموماً تمام شعرا محسوسات اور مادیات سے
تشبیہ دیتے تھے، لیکن وہی چند مفرد تشبیہین تھین جو بار بار ادا ہو کر مبتذل ہو گئی
تھین، منوچہری کی اکثر تشبیہین مرکب ہین اور اس کے ساتھ خاص جدت ہے۔

مثالین ملاحظہ ہون۔

آفتاب کا صبح کے وقت بتدریج طلوع ہونا۔

بگردار چراغ نیم مُردہ　　کہ ہر ساعت فزون گردوش روغن

یعنی آفتاب کی روشنی اس طرح آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہو کہ جسطرح ایک چراغ جو بجھ چلا تھا، اس مین کوئی شخص بتدریج تیل ڈالتا جاتا ہو۔

زمین کا بھونچال سے لرزنا۔

تو گفتی ہر زمانے ژندہ پیلے　　بلرزاند ز رنج پشہ گان تن

یعنی زمین بھونچال سے اِس طرح جنبش مین ہو جس طرح ہاتھی مچھرون کی اذیت دینے سے جھرجھریان لیتا ہو۔

ہلال

چنان چون دو سرا ز ہم باز کردہ　　ز زرِ سُرخ یک دست آور نجن

یعنی پہلی رات کا چاند اِس طرح نظر آتا ہو کہ گویا کسی نے طلائی کڑے کے دونون سرے کھولدیے ہین۔

بید کے پتے

وان برگہاے بید تو گوئی کسی بہ قصد　　پیکانہاے ہین ز برجد کند ہے

بید کے پتے ایسے معلوم ہوتے ہین، کہ گویا کسی نے دانستہ زمرد کے پیکان جوڑے بنائے ہین،

ہدہد اور اُسکی کلغی

بو بو یک پیکے نامہ زدہ اندر سرِ خویش　　نامہ گہ باز کند گہ شکند بر شکنا

ہُدہُد [12] گویا نامہ بر ہے جس نے خط کو اپنی پگڑی مین کھونس لیا ہو، کبھی اُس کو کھولتا ہو کبھی تہ کرکے لپیٹ لیتا ہو۔

ہُدہُد اکثر اپنی کلغی کو پھیلا دیتا ہو اور پھر سمیٹ لیتا ہو

مناظرِ قدرت کے اشعار جو اوپر گزرے ہین ان مین بھی اکثر تشبیہات ہین ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ ۔



# پانچوین اور چھٹی صدی

پانچوین صدی کے آغاز مین اگرچہ شاعری کی ترقی کی رفتار گھٹ گئی جسکی وجہ یہ تھی کہ اس صدی کے وسط مین غزنوی حکومت کا زوال شروع ہو چلا تھا اور نئی طاقتین ابھی شباب تک نہین پہنچی تھین، لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوتے جبکہ غزنوی سلطنت کا زور سلجوقیہ کی طرف منتقل ہو گیا، دفعتہً بحرِ سخن مین طوفان آگیا، سلجوقیہ کا پہلا فرمانروا رکن الدین طغرل بک تھا جو محرم ۴۲۹ھ مین بمقام نیشاپور مسند نشین ہوا، اِس سلسلہ نے اگرچہ صرف ۱۶۳ برس کی عمر پائی، لیکن اتنی ہی تھوڑی مدت مین جو باتین اس نے حاصل کین، تاریخ اسلام کو اس سے گوناگون اور وسیع تعلقات ہین، اول تو اس سلطنت نے جو وسعت پیدا کی، ابتداے اسلام سے آج تک کبھی کسی عہد مین نہین ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ عدل و انصاف اور امن و امان کا یہ حال تھا کہ خراسان سے شام تک ایک رہرو تن تنہا سونا اُچھالتا جاتا تھا اور کوئی خبر نہین ہوتا تھا، ایک عجیب بات یہ ہو کہ ایران، عراق، روم مین جو بڑی بڑی زبردست سلطنتین قائم ہوئین، سب کی سب اسی سلسلہ کی شاخین تھین، ترکون سے پہلے جو سلاطین شاہانِ روم کہلاتے تھے، اِسی خاندان کی ایک شاخ تھے، سلاطین خوارزم شاہیہ جن کی شوکت و شان محتاجِ بیان نہین، اُن کا مورثِ اول، یعنی توشتگین اِسی خاندان کا غلام در غلام تھا اتابکون کے متعدد خاندان جن مین سے نور الدین زنگی سلطان صلاح الدین کا آقا، قزل ارسلان، ظہیر فاریابی کا ممدوح اور اتابک ابوبکر بن سعد زنگی شیخ سعدی کا مُربی اور سرپرست تھا، سب اسی خاندان کے غلام، یا خدمت گذار تھے،

سلجوقیہ کی اوجِ شباب کا زمانہ ملک شاہ[1] اور سنجر کا زمانہ ہی، اور یہی دور فارسی شاعری کا معراجِ شباب ہی، سلجوقی شعرا کی فہرست نہایت وسیع ہی جن مین سے چند نام یہ ہین،

امیر معزی، ارزقی، لامعی، فخر الدین اسعد شہابی خراسانی، عبد الواسع جبلی، انوری، حسن غزنوی، رضی الدین نیشاپوری، ادیب صابر، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، نظامی عروضی، نظامی گنجوی، شمس الدین خراسانی، سوزنی، ابو المعالی، (مجمع الفصحا کے دیباچہ میں اور بہت سے نام لکھے ہین)

اس دور کی چند خصوصیات لحاظ کے قابل ہین،

اس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی، لیکن یہ ترقی صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے تھی، شاعری کی زبان ابتک ٹکسالی نہ تھی، شاعری کی بنیاد سامانی حکومت مین قائم ہوئی، اور غزنویہ کے اوجِ ترقی تک پہنچی، ان خاندانون کے پایۂ تخت، بخارا اور غزنین تھے، جہان کی مادری زبان، ترکی یا افغانی تھی، شعرا جسقدر تھے من حیث الاغلب سب کے سب انھین مقامات کے رہنے والے تھے، جو ایران کے اصلی مرکز یعنی شیراز اصفہان و نیشاپور سے دور تھے، فرخی سیستانی تھا، عنصری بلخ کا رہنے والا تھا، منوچہری دامغان سے تعلق رکھتا تھا عسجدی اور دقیقی مرو کے رہنے والے تھے۔

سلجوقیہ نے نیشاپور کو پایۂ تخت قرار دیا، اس تعلق سے ان لوگون مین شاعری پھیلی جو ایران کی زبان کے اصلی مالک تھے، اسی کا اثر ہی کہ اس عہد کے شعرا کی زبان زیادہ لطیف، شیرین، اور محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہی۔

[1] ملک شاہ ۴۶۵ھ مین تخت نشین ہوا ۴۸۵ھ مین وفات پائی اس کے بعد سنجر نے اپنے بھائیون کی طرف سے نیابۃً بیس برس تک اور پھر مستقل حکومت کی اور ۵۵۲ھ مین انتقال کیا۔



اس عہد مین فارسی زبان کی ترقی کی ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ ابتک تمام اسلامی سلطنتون کی علمی اور دفتری زبان عربی تھی، سلطان محمود، اپنے ملکی اور قومی خصوصیات کا دلدادہ تھا تاہم دفتر کی زبان اس کے عہد مین عربی ہی رہی، فرامین اور توقیعات تک اسی زبان مین لکھے جاتے تھے، لیکن الپ ارسلان سلجوقی جب تخت نشین ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ دفتر کی زبان فارسی کر دی جائے، چنانچہ دولت شاہ سلجوقی نے طبقۂ اول کے شعرا کا جہان ذکر شروع کیا ہی تفصیل سے اس واقعہ کو لکھا ہی، یہ ظاہر ہے کہ فارسی زبان جس کے عنصر مین ترقی کا مادہ موجود تھا، سلطنت کی زبان بنکر کسقدر ترقی کر گئی ہوگی،

سلطان سنجر کی قدر دانی اور حاتمانہ فیاضی نے پھر وہی محمودی دربار قائم کر دیا، امیر معزی کو ملک الشعرا کا خطاب ملا اور بڑے بڑے شعرا پایۂ تخت کے شاعر قرار پائے دولت شاہ[1] لکھتا ہی:

امّا از شعرای بزرگ کہ در دور سلطان سنجر بودہ اند و مدح سلطان گفتہ اند
و صلہ و تربیت یافتہ، ادیب صابر است و رشید وطواط و عبد الواسع جبلی
و فرید کاتب، و انوری خاورانی، و ملک عماری، و سوزنی و سید حسن غزنوی
و ہستی دبیرہ کہ محبوب سلطان و ظریفہ روزگار بود

سنجر کی شاعرانہ مذاق اور قدر دانی کی داستانین اکثر تذکرون مین مذکور ہین اُن سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ شاعری کی قدر و قیمت اس کے دربار مین کیا تھی،

ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ، عید کا چاند دیکھنے نکلا، سب سے پہلے ہلال پر اسی کی نظر پڑی، خوشی سے اُچھل پڑا، سب کو اُنگلی کے اشارہ سے بتایا، ساتھ ہی حکم دیا کہ کوئی شاعر فی البدیہ ہلال کی تعریف مین شعر سنائے معزی اس وقت تک

[1] دولت شاہ ذکر عمق بخاری ۱۲

دربار مین اُمیدواری کرتا تھا، موقع پاکر اُس نے برجستہ کہا.

اے ماہ چو ابروان یاری، گوئی — یا ہمچو کمان شہریاری، گوئی

نعلے زدہ از زر عیاری گوئی — در گوش سپہر گوشواری، گوئی

یعنے اے چاند! تو ابروی معشوق ہی، یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل، یا آسمان کے کان کا آویزہ،

سنجر نے اسپ خاصہ اور پانچ ہزار درہم عطا کیے، معزی نے پھر برجستہ کہا.

چون آتش خاطر مرا شاہ بدید — از خاک مرا بر زبر ماہ کشید

چون آب یکے ترانہ از من بشنید — چون باد یکے مرکب خاصم بخشید

سنجر نے ہزار دینار کے عطیہ کے ساتھ حکم دیا کہ شاہی لقب اس کے خطاب مین شامل کیا جائے،

چونکہ سنجر کا لقب معزالدین تھا اس لیے معزی لقب ملا جو آج تخلص ہوکر مشہور ہی۔

ایک دفعہ سلطان سنجر، گیند کھیل رہا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے شوخی کی اور سنجر گھوڑے سے گرگیا، معزی نے برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

شاہا ادبے کن. فلک بدخورا — کو چشم رسانید رُخ نیکورا

گرگوی خطا کرد بہ چوگانش زن — ور اسپ خطا کرد بہ من بخش او را

یعنی اے بادشاہ! آسمان کو ذرا تنبیہ کردیجیے، اس نے آپ کو نظر لگادی، اگر گیند کی خطا ہی تو چوگان سے اُس کو ماریے، اور گھوڑے کا قصور ہی تو میرے حوالہ فرمایئے اخیر کا مصرع دو پہلو رکھتا ہی، سنجر نے گھوڑا معزی کو عنایت کیا، معزی نے دوبارہ رباعی پیش کی۔

رفتم بر اسپ تا بہ جرمش بکشم — گفتا کہ نخست بشنو این عذر خوشم

نے گاو زمینم کہ جہان برگیرم — نے چرخ چہارمین کہ خورشید کشم



یعنی مین نے گھوڑے کو سزادینی چاہی، اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر تو سُن لیجیے! مین کچھ گاوِ زمین تو نہین کہ عالم کا بار اُٹھالون، نہ چوتھا آسمان ہون کہ آفتاب کو لیے پھرون، مطلب یہ کہ سلطان سنجر کا بار اُٹھانا گاوِ زمین اور آفتاب کا کام ہی۔

مہستی ایک مشہور شاعرہ تھی، جس کی حاضر جوابیان اور ظریفانہ فقرے مشہور عالم ہین، سنجر کی شاعرانہ صحبتون مین وہ بھی شریک ہوا کرتی تھی، ایک دفعہ مجلس عیش قائم تھی، مہستی بھی موجود تھی، کسی کام سے باہر نکلی تو دیکھا برف پڑرہی ہی، واپس آئی، سنجر نے پوچھا ہوا کا کیا رنگ ہی۔ مہستی نے فی البدیہہ رباعی پڑھی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زین کرد — وز جملہ خسروان ترا تحسین کرد

تا در حرکت، سمند زرین نعلت — برگل ننہند پائے، زمین سیمین کرد

یعنی آسمان نے اس غرض سے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤن خاک پر پڑنے نہ پائین زمین پر چاندی بچھادی، سنجر نہایت محظوظ ہوا اور اُسی دن سے مہستی سنجر کی مقربین مین داخل ہوگئی۔

غزنوی خاندان نے بھی اس عہد مین سنبھالا لیا۔ بہرام شاہ جو سلطان محمود کی چوتھی پشت مین تھا، اور ۵۱۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا، نہایت شان و شوکت کا بادشاہ اور نہایت علم دوست اور مُربّی فن تھا، تاریخ فرشتہ مین اس کا تذکرہ ان لفظون سے شروع کیا گیا ہی۔

او پادشاہے بود، ذی شوکت، و صاحب حشمت، با علما و فضلا بسیار نشستے، و صحبت ایشان دوست داشتے، و ہر کسے را بقدر علمش رعایت کردے، لہذا فضلاے آن روزگار باسم شریفش کتب ساختہ اند و تصنیفات پرداختہ اند۔

کلیلہ دمنہ جس کا ترجمہ پہلوی زبان سے عبداللہ بن المقفع نے عربی مین کیا تھا،

بہرام شاہ کے حکم سے فارسی زبان مین ترجمہ کی گئی، اور یہ پہلا دن تھا کہ ایران اور ہندوستان مین اس کا عام رواج ہوا، بہرام شاہ ہی کو یہ فخر نصیب ہوا حکیم سنائی نے جو تعلقات دنیوی سے آزاد ہو چکے تھے، اپنی کتاب حدیقہ اس کے نام پر لکھی، (بہرام شاہ نے ۵۴۷ھ مین وفات پائی)

ان سلاطین کے علاوہ، اور بڑے بڑے دربار تھے جہان شاعری کی تربیت کی جاتی تھی ان مین سب سے زیادہ علم دوست طغان شاہ سلجوقی تھا، چہار مقالہ مین لکھا ہی۔

آل سلجوق ہمہ شعر دوست بودند، اما ہیچکس شعر دوست تر از طغان شاہ الپ ارسلان نبود، محاورت و معاشرت او ہمہ با شعرا بود و ندیمان او ہمہ شعرا بودند، چون امیر عبداللہ قریشی و ابوبکر ازرقی، و ابومنصور یوسف و شجاعی قوی و احمد بدیہی و حقیقی و نسیمی اینہا مرتب خدمت بودند و آیند و روند بسیار بودند۔

اسی طرح شروان شاہ کے دربار کا ملک الشعرا خاقانی اور خوارزم شاہ کا رشید الدین وطواط تھا۔

صوفیانہ شاعری

بہرام شاہ کے عہد کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہی کہ تصوف اور خلاقی شاعری کا سنگ بنیاد اسی عہد مین رکھا گیا اور صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے، یہ عمارت گویا انجام کو پہنچ گئی، چنانچہ اس کی تفصیل حکیم سنائی، اوحدی اور خواجہ فریدالدین عطار کے حالات مین آے گی۔

فلسفیانہ شاعری

فلسفیانہ شاعری بھی اسی دور کی یادگار ہی، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار مین ادا کیے لیکن وہ محض فلسفہ ہی فلسفہ تھا شاعری نہ تھی، برخلاف اس کے اس عہد مین عمر خیام نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز سے



ادا کیا کہ ظاہر مین آدمی کو اس مین صرف شاعری نظر آتی ہی، حالانکہ وہ فلسفیانہ نازک مسائل ہین جو دلکش اور دلفریب پیرایہ مین ادا کر دیے گئے ہین۔

اس عہد تک شاعری مین عشق و عاشقی کی روح نہ تھی، مثنوی، رزم پر محدود تھی، قصائد کا مقصود مداحی تھا، تشبیب مین معشوق کا جو ذکر کرتے تھے، وہ صرف عرب کے قصائد کا اتباع تھا، ساقی اور حسین بچون کا ذکر کرتے تھے تو اس سے محض تفریح مقصود ہوتی تھی، جس طرح امرا کے ہان، تازگی نظر کے لیے پیش خدمت اور غلام حسین اور خوش رو رکھے جاتے تھے، اس عہد مین نظامی نے عشقیہ شاعری کی جداگانہ صنف قائم کر دی، عرب و عجم مین عاشقی مین جو نامور تھے یعنی مجنون و فرہاد، ان کے حالات مین مثنویان لکھین۔

صرف عاشقانہ جذبات اور خیالات پر اکتفا نہین کیا بلکہ بزم اور عاشقانہ خیالات کے اظہار کے لیے مستقل لٹریچر پیدا کر دیا جس پر آگے چل کر متاخرین نے بڑی بڑی عمارتین قائم کین، غزل کی ایجاد گو سعدی سے منسوب ہی لیکن سچ یہ ہے کہ اس صنم کدہ کے آذر نظامی ہی ہین۔

قصائد کی صنف کو چندان ترقی نہین ہوئی، مضامین مین تو کسی قسم کی جدت پیدا نہین ہوئی، مداحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیان کمال کے درجہ کو پہنچ گئین عبدالواسع جبلی، اور رشید الدین وطواط نے الفاظ پر بقدر قابو کر لیا کہ جس نوع، جس ترکیب، جس انداز کے الفاظ چاہتے ہین ان کا انبار لگا دیتے ہین، قصیدے کے قصیدے ہین جن مین، تمام الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہین۔ جس کو اصطلاح مین صنعت طباق کہتے ہین، بعض قصیدون مین التزام کر لیا ہے کہ الف کا حرف جو سب سے عام حرف ہی نہ آنے پاے؛ باوجود اس کے یہ قصائد ایسے برجستہ اور روان ہین کہ جب تک بتا نہ دیا جاے کہ اس مین اس صنعت کا التزام کیا گیا ہی۔

اِس طرح خیال بھی منتقل نہین ہوسکتا، اکثر قصیدون مین یہ التزام ہو کہ ہر مصرع مین پانچ پانچ چھ چھ الفاظ ہین، اور پہلے مصرع مین جسقدر الفاظ آئے ہین، دوسرے مصرع کے تمام الفاظ بھی اُنھین الفاظ کے ہموزن، بلکہ ہم قافیہ ہین، باوجود اِسکے کسی قسم کا تکلف نہین معلوم ہوتا۔

عبدالواسع جبلی نے مسجّع کو ۹ قافیون تک پہنچایا جس سے وہ صورت پیدا ہوگئی جسکو بحر طویل کہتے ہین۔ مثلاً۔

یا صاحبی ایش الخبر، زان سرو قد سیمبر، کز عشق او گشتم سمر، تشنہ لب و خستہ جگر، برکندہ جان افگندہ سر، با کام خشک و چشم تر، کردہ زغم زیر و زبر، دنیا و دین، و جان و تن،

یہ ایک مصرع ہو۔

یہ قاعدہ ہو کہ جب بارش اچھی ہوتی ہو، تو جو اور گیہون کے ساتھ مختلف قسم کی زہریلی گھانس اور خاردار درخت اور بوٹے بھی پیدا ہوجاتے ہین، چنانچہ شاعری کے چمن مین، ہجو کا خارزار اسی عہد کی یادگار ہو، جس کے چمن آرا انوری اور سوزنی ہین۔

ہم اِس دور کے چند مشہور شعرا کا تذکرہ لکھتے ہین۔

---



# حکیم سنائی

محمود نام، ابوالمجد کنیت، سنائی تخلص، غزنین وطن تھا، ابتدا مین شاعری کا پیشہ کرتے تھے، چنانچہ بہرام شاہ کی مدح مین بہت سے قصائد لکھے جو دیوان مین موجود ہین، لیکن پھر خدا نے توفیق دی اور توبہ کی، توبہ کا سبب ایک دلچسپ قصہ ہو، بہرام شاہ ہندوستان کی مہم پر جارہا تھا، حکیم سنائی نے چاہا کہ اِس تقریب سے قصیدۂ مدحیہ لکھ کر پیش کرین، قصیدہ تیار کرکے، دربار کے قصد سے چلے، راہ مین ایک حمام تھا یہان ایک پاگل رہا کرتا تھا، اس کا معمول تھا کہ شراب خانون سے شراب کی تلچھٹ مانگ لایا کرتا تھا اور پی کر مست پڑا رہتا تھا، اِسی لیے اسکو لاے خوار کہتے تھے، حکیم سنائی حمام کے برابر سے نکلے، تو غنغنانے کی آواز سُنی، ٹھہر گئے، دیکھا تو لای خوار ساقی سے کہہ رہا ہو کہ ابراہیم غاہ کے اندھے پن کے صدقہ مین ایک پیالہ دینا، ساقی نے کہا کیا لغو بکتے ہو، ابراہیم شاہ نہایت عادل بادشاہ ہو، پاگل نے کہا ابھی غزنین کے انتظام سے عہدہ برآ نہین ہوا، دوسرے ملک کا ارادہ کرتا ہو اِس سے بڑھکر کیا حماقت ہوگی۔

یہ کہہ کر پیالہ اُٹھایا اور پی گیا، پھر ساقی سے کہا کہ سنائی کے اندھے پن کے صدقہ مین ایک پیالہ اور لانا، ساقی نے کہا، سنائی تو نہایت خوش فکر اور خوش طبع شاعر ہو اس کی بُرائی کیون کرتے ہو؟ پاگل نے کہا اِس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ دو چار جھوٹ سچ باتین جوڑ کر، کسی بیوقوف رئیس کے پاس جاتا ہو، ادب سے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، اور اُس کو سناتا ہو قیامت مین اگر سوال ہوا کہ دربار مین کیا لایا ہو، تو کیا جواب دے گا۔

---

سلہ نفحات الانس مین بہرام شاہ کے بجاے سلطان محمود کا نام لکھا ہو، اسی بنا پر تاریخ فرشتہ مین اِس واقعہ سے انکار کیا ہو،

حکیم سنائی پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت سب چھوڑ چھاڑ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے اور یہ رتبہ حاصل کیا کہ یا تو بہرام شاہ کے دربار میں بھٹی کرتے تھے، یا بہرام شاہ نے اپنی بہن کو اُنکے عقد نکاح میں دینا چاہا اور اُنھوں نے انکار کیا، چنانچہ بہرام شاہ کو جواب میں لکھا۔

من نہ مرد زن و زر و جاہم | بخدا گر کنم وگر خواہم
گر تو تاجم دہی ز احسانم | بہ سر تو کہ تاج نہ ستانم

ید بیضا میں لکھا ہے کہ سر و پا برہنہ حج کو گئے، وہاں سے واپس آ کر غزنین میں گوشہ نشینی اختیار کی ننگے پاؤں غزنین کے گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے، ان کے عزیزوں کو رحم آتا، ان کو اس حالت میں دیکھتے تو بے اختیار رو دیتے، یہ ان کو سمجھاتے کہ میری حالت پر رونا نہیں بلکہ خوشی کرنی چاہیئے۔ ایک دن لوگوں نے جوتی لا کر پیش کی، ان کی خاطر سے پہن لی، لیکن اتنا تعلق بھی ان کی حالت میں خلل انداز ہوا، چنانچہ دوسرے دن جوتی اُتار کر پھینک دی اور کہا کہ جو بات مجھ میں کل تھی آج نہیں، امیر خسرو نے اسی واقعہ کی طرف ایک قصیدہ میں اشارہ کیا ہے[1]

نیست مدبر آن ترک از خود بدار کفش از آنک | ہر شگاف از پا ستایش در پی دولت ادا ست

ایک رئیس نے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، ان کو خبر ہوئی اسی وقت رئیس کو خط لکھا کہ۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا گوشۂ دل این گوشہ گرفتہ
را بہ تفقد ستایش خود خراب نکند جسم حقیر این بندہ نہ سزاے خشم
خداوندی است[2]

اس زمانہ میں شیخ ابو یوسف ہمدانی مشہور مشائخ میں سے تھے حکیم سنائی نے ان سے بیعت کی، شیخ ابو یوسف، ابو علی فارمدی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پیر ہیں

[1] یہ تمام تفصیل دولت شاہ میں ہے ١٢ [2] نفحات ١٢



اس رشتہ سے حکیم سنائی، امام غزالی کے برادر زادہ ہیں۔

حکیم سنائی نے جب حدیقہ تصنیف کی، تو چونکہ اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو عام عقائد کے خلاف ہیں، اس لیے علما نے سخت مخالفت کی، یہانتک کہ بہرام شاہ تک شکایت پہونچی، بہرام شاہ نے دار الخلافہ بغداد سے استفتا طلب کیا، وہاں کے علما نے لکھا کہ یہ مسائل قابل اعتراض نہیں، حکیم سنائی نے اپنی برأت کے متعلق ایک خط بھی بہرام شاہ کے نام لکھا، عبد القادر بدایونی نے اس خط کو پورا نقل کیا ہے، اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے کہ حکیم سنائی نے حدیقہ میں بنی امیہ کی نہایت بُرائی لکھی تھی، اور اہل بیت کی مدح میں مبالغہ کیا تھا، حکیم سنائی نے ان دونوں باتوں کو تسلیم کیا اور لکھا کہ آل مروان کی بُرائی خود احادیث میں آئی ہے، لیکن حکیم صاحب محدث نہ تھے ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ گو آل مروان کی برائی میں شک نہیں لیکن حدیثیں جو ان کی شان میں مذکور ہیں، سب وضعی اور جعلی ہیں۔

حکیم سنائی کی وفات میں سخت اختلاف ہے، تاریخ فرشتہ میں تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ میں وفات پائی، اسی تاریخ میں بعض فضلا کا قول نقل کیا ہے کہ ٥٢٥ھ میں انتقال ہوا۔ اور اسی سنہ میں حدیقہ بھی تمام ہوئی تھی، دولت شاہ نے ٥٧٦ھ میں لکھا ہے، ریاض العارفین میں ٥٤٦ھ ہے۔

نفحات میں لکھا ہے کہ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا۔

باز گشتم زانچہ گفتم زانکہ نیست | در سخن معنے و در معنے سخن

تصنیفات

حکیم سنائی کی تصنیفات میں ایک کلیات ہے جسمیں تیس ہزار شعر ہیں، سات مثنویاں ہیں۔ حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہروز بہرام۔ حدیقہ چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے، باقی مثنویاں ناپید ہیں، البتہ سیر العباد کے بہت سے اشعار مجمع الفصحا میں نقل کیے ہیں، حدیقہ کی بحر اور وہی انداز ہے۔

کلیات مین قصائد، قطعے، غزلین، رباعیان سب کچھ ہے، اور افسوس یہ ہو کہ ان پھولون مین ہجو کے کانٹے بھی ہین۔

حکیم سنائی کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہین

۱۔ تشبیب اور قصائد مین اُنھون نے گو اپنے اور تمام معاصرین کی طرح کوئی جدت نہین پیدا کی، لیکن پختگی، برجستگی، اور صفائی مین ان کا کلام، تمام معاصرین سے ممتاز ہو اور قدما مین بھی، فرخی کے سوا، اس خصوصیت مین کوئی اُن کا ہمسر نہین، فرخی کے قصیدہ کا جو جواب لکھا ہو اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہون۔

دوش سرمست بنگارینِ من آن طرفہ پسر — با یکے پیرہنے با کلہے طرفہ بسر
از سر کوچہ فرود آمد متواری وار — کردہ از غایت و تنگی صد گونہ بطر
نرم نرمک ہمی آن نرگس پرخواب کشاد — ژالہ ژالہ عرق از عارض او کردہ اثر
بوسہ بر دو لب من داد ہمی از پے عذر — اینت شوریدہ نگارا اینت شکر بوسہ پسر
شادمان گشتم ازین کار و گرفتمش کنار — ہمچو تنگ شکر در خرمن گل تنگ بہ بر
او شدہ خواب و من از بوسہ زدن بر رو رخش — یاد دو چشم و دو رخش تا بہ سحر جفت سپہر
خود کہ داند؟ کہ دران نیم شب از مستی او — تا چہ بر داشتم از بوسہ و ہر چیز دگر

یہی مضمون ہو جسکو قاآنی نے زیادہ لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہو۔

مست در بستر من خفتہ و رندان دانند — حالتِ مست کہ در بستر ہشیار افتد

خیالات اور طرز ادا مین کہین کہین جدّت بھی پائی جاتی ہو، مثلاً کم بردشتجز کی طرح مین جو قصیدہ کہا ہو اسمین ایک قطعہ بند ہو۔

در زینت و در رنگ کلاہ و کمر خویش — زحمت چہ کشی در طلب گوہر و زر بر
این اشک من و رنگ رخ من بر لے شوخ — این را بہ کلہ بر زن و آن را بہ کمر بر

یعنی اے معشوق اپنے کمربند اور کلاہ کی زینت مین اسقدر زحمت کیون اٹھاتا ہو



میرا آنسو، اور میرے چہرہ کا رنگ، لیکر کلاہ اور کمر پر لگا لے کہ زر و گوہر کا کام دینگے، آنسو گوہر اور چہرہ کا رنگ زردی کی وجہ سے زر کے مشابہ ہو۔

۲۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہین جس نے تصوف کو شاعری سے روشناس کیا اُس سے پہلے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی چند رباعیان تصوف مین پائی جاتی ہین لیکن اُن مین صرف جوش عشق کو پُر زور طریقہ سے ادا کیا ہو، تصوف کے مسائل اسرار اور معارف نہین، بخلاف اسکے حکیم سنائی کی تصنیفات تصوف کی مستقل تصنیفین ہین، خود حکیم صاحب کو بھی اس کا دعویٰ ہو۔ چنانچہ حدیقہ مین کہتے ہین۔

کس نگفت این چنین سخن بجہان — ور کسی گفت، گو بیار و بخوان
زین نمط ہر چہ در جہان سخن است — گر یکے در ہزار، آن من است
چون ز قرآن گذشتی و ز اخبار — نیست کس را ازین نمط گفتار

اس دعویٰ کو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہین مولانا روم فرماتے ہین،

ترک جوشے کردہ من نیم خام — از حکیم غزنوی بشنو تمام
عطار روح بود و سنائی دو چشم او — ما از پس سنائی و عطار آمدیم

حدیقہ مین تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا ہو اور نہایت خوبی سے ادا کیا ہو، اس کتاب کے چوتھے حصہ مین جہان صوفیانہ شاعری پر ریویو ہوگا، حدیقہ کے انتخابات درج کیے جائینگے۔

۳۔ قدما کی شاعری اگرچہ نیچرل شاعری تھی۔ لیکن طرز ادا شاعرانہ نہ تھا جس بات کو کہنا چاہتے تھے بے تکلف، سیدھے سادے طور پر کہدیتے تھے؛ معمولی بات کو ذرا انوکھے پیرایہ مین ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنا، متوسطین اور متاخرین کا جوہر ہے، لیکن اس کے موجد حکیم سنائی ہین؛ اس اجمال کی تفصیل آگے آتی ہو۔

۴۔ اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائی نے قائم کی، اور گو آگے چل کر اس صنعت کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اُصول اور آئین حکیم سنائی نے قائم کر دیے تھے،

اخلاقی شاعری کی سب سے ضروری شرط یہ ہو کہ جو بات کہی جاے اُس کے لیے پیرایہ بیان ایسا ڈھونڈھا جاے کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے کسی نے اس کی اصلی حقیقت نہین ظاہر کی تھی، اور یہ کہ وہ جس کام کو معمولی بات سمجھتا تھا وہ نہایت نفرت انگیز اور بدترین افعال ہی، اس کے لیے شاعر کو ضرور ہو کہ وہ سامنے کی باتون سے ایسے نتایج پیدا کرے جو بظاہر بالکل اچھوتے معلوم ہون اور جس کی طرف خیال نہ گیا ہو؛

مثلاً یہ بات عام ہو کہ طبیب جس چیز کو منع کر دیتا ہو لوگ اُس سے پرہیز کرتے ہین لیکن شریعت کے احکام کی پابندی نہین کرتے، اب دیکھو حکیم سنائی اس واقعہ سے نصیحت کا کیا پہلو پیدا کرتے ہین، اُنھون نے دیکھا کہ طبیب اکثر پارسی عیسائی، یہودی ہوتے ہین، یہ بھی دیکھا کہ جن چیزون کو طبیب منع کر دیتا ہو اکثر حلال ہوتی ہین مثلاً حلوا مٹھائی وغیرہ، اور شریعت جن چیزون کو منع کرتی ہو، وہ مضر اور ناجائز ہوتی ہین۔ ان باتون سے اُنھون نے اس طرح کام لیا۔

ترا یزدان ہمے گوید کہ در دُنیا مخور بادہ    ترا ترسا ہمے گوید کہ در صفرا مخور حلوا

ز بہر دین تو نگذاری حرام از حرمت یزدان    ولیکن از بہر تن مانی حلال از گفتۂ ترسا

یعنی خدا نے حکم دیا کہ شراب نہ پیو، اور عیسائی طبیب کہتا ہو کہ حلوا نہ کھاؤ حلوا حلال چیز تھی، اُس کو تم نے ایک عیسائی کے کہنے سے چھوڑ دیا، اور شراب جس کو تم خود بھی ناجائز سمجھتے ہو، خدا کے کہنے سے بھی نہین چھوڑتے، جس سے ثابت ہوتا ہو کہ تم خدا کے حکم کو ایک عیسائی کی بات کے برابر بھی نہین سمجھتے۔

اس قدر ہر شخص جانتا ہو کہ انسان مر کر، تمام جھگڑون سے چھوٹ جاتا ہی، اس سے



حکیم سنائی نے نصیحت کا یہ پیرایہ پیدا کیا ہو۔

با ہمہ خلق جہان اگرچہ ازان    بیشتر گمرہ و کمتر بہ رہ اند

آن چنان زی کہ چو میری برہی    نہ چنان زی کہ چو میری برہند

یعنی لوگون کے ساتھ اس طرح پیش آؤ، کہ جب مرو تو تم جھگڑون سے چھوٹ جاؤ، نہ یہ کہ جب تم مرو تو لوگ جھگڑے سے چھوٹین، یعنی تمھارے افعال سے ہر شخص تنگ آ رہا تھا اس لیے جب تم مر گئے تو لوگون کو نجات ہو گی؛

شراب کی بُرائی کا یہ پہلو ہر شخص جانتا ہو کہ نشہ مین انسان بیہودہ بکتا ہے، گالیان دیتا ہو، لڑتا ہی، لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ انسان نشہ کی حالت مین فیاض اور کرم گستر بن جاتا ہو اور یہ تعریف کا پہلو ہو، اب دیکھو شاعر اس تعریفی پہلو سے کیونکر شراب کی بُرائی کا یقین دلاتا ہی،

نکند عاقل مستی، نخورد دانا مے    نہ نہد مردم ہشیار سوی مستی پے

گر کنی بخشش گویند کہ مے کرد نہ او    ور نہ کنی عربدہ گویند کہ او کرد نہ مے

یعنی شراب ایسی چیز ہو کہ انسان اگر سخاوت بھی کرتا ہو تو لوگ اس کی طرف منسوب نہین کرتے بلکہ کہتے ہین کہ یہ شراب کا فیض ہو،

از پے رد و قبول عامہ، خود را خر مکن    زان کہ نبود کار عامہ، خرخری یا فرخری

گاو را دارند باور در خدائی عامیان    نوح را باور ندارند از پے پیغمبری

اس قدر سب جانتے ہین کہ حضرت موسیٰ ع کی قوم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی اور آج بھی ہندوؤن کے نزدیک گائے نہایت مقدس چیز ہو، یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت نوح ع کو ان کی امت نے پیغمبر تسلیم نہین کیا، ان دونون باتون سے شاعر نے یہ نتیجہ نکالا کہ عوام کا رد و قبول کس قدر ناقابل اعتبار ہو، ماننے پر آئے تو گائے کے بچھڑے کو خدا بنا دیا، اور انکار کی طرف جھکے تو حضرت نوح ع کو پیغمبر

بھی تسلیم نہین کرتے۔

اختلاط اور صحبت مین خوبیان بھی ہین، اور برائیان بھی، اس لیے ارباب حلال دونون طرف گئے ہین، لیکن اس نکتہ کی طرف کسی کا ذہن گیا کہ خوبی کا جو پہلو ہی وہ بھی زحمت سے خالی نہین،

کسے کش خرد رہنمون است، ہرگز  بہ گیتی رہ و رسم الفت نورزد
کہ صحبت نفاقی است یا اتفاقی  دل مرد دانا ازین ہر دو لرزد
اگر خود نفاقی است جان را بکاہد  وگر اتفاقی است ہجران نیرزد

یعنے اگر صحبت، منافقون کے ساتھ ہی تو ظاہر ہی کہ سوہان روح ہی، اور اگر خاص احباب کے ساتھ ہی تب بھی اس لیے بُری ہی کہ اس حالت مین جدائی کا صدمہ جانگزا ہوگا،

بہ حرص[1] از شربتے خوردم مگیر از من کہ بد کردم  بیابان بود و تابستان و آب سرد و استسقا
چون[2] تو شدی پیر بلندی مجو  کان کہ ز تو زاد، بلند آن شود
روز نہ بینی کہ بہ پایان رسد  سایۂ ہر چیز دوچندان شود
زشت[3] باشد روے نازیبا و ناز  سخت باشد چشم نابینا و درد
با دو[4] قبلہ در رہ توحید نتوان رفت راست  یا رضای دوست باید یا رضای خویشتن
سوی[5] آن حضرت نپوید ہیچ دل با آرزو  با چنین گلرخ نخسپد ہیچ کس با پیرہن
این[6] جہان بر مثال مردار یست  کرگسان گرد او ہزار ہزار
این مر آن را ہمی کشد مخلب  آن مر آن را ہمے زند منقار
آخر الامر بر پرند ہمہ  وز ہمہ باز ماند این مردار

[1] گناہ کی معذرت ۱۲ [2] بوڑھے جوان کا مقابلہ نہین کر سکتے ۱۲ [3] بد لیاقت آدمی کو غرور اور زیادہ بنا ہو ۱۲ [4] یکسوئی ۱۲ [5] مقام وصال مین ترک آرزو [6] دنیا اور طالبان دنیا ۱۲



۵۔ جوش اور سرمستی جو حقیقی شاعری ہی ایشیا کے شعرا مین بہت کم پائی جاتی ہی فارسی شعرا مین مولانا روم پر یہ نشہ چھایا ہوا ہی، خواجہ حافظ بھی کبھی کبھی مست ہوجاتے ہین، لیکن حکیم سنائی ان سب کے پیشرو ہین، اشعار ذیل کو پڑھو اور انکے الفاظ، ترکیب، انداز بیان، مضمون، ایک ایک چیز کو دیکھو کس طرح، جوش سے لبریز ہین،

یا برو، ہمچون زنان رنگے و بوی پیش گیر  یا چو مردان اندر آے و گوی در میدان فگن
چون دو عالم زیر پایت قطع شد پای بکوب  چون دو کون اندر دو دستت جمع شد، دستی بزن
سر برآر از گلشن توحید تا در کوی دین  کشتگان زندہ بینی انجمن در انجمن
دی ز دلتنگی زمانے طوف کردم در چمن  یک جہان جان دیدم آنجا جستہ از زندان تن
بے طرب خوش شد دل طیور، و بے طلب جنبان صبا  بے دہان خندان درخت و بے زبان گویا چمن

---

طلب، اے عاشقان خوش رفتار  طرب، اے شاہدان شیرین کار
تا کے از خانہ، ہان رہِ صحرا  تا کے از کعبہ، ہین درِ خمار
در جہان شاہدے و ما فارغ!!  در قدح جرعۂ و ما ہشیار

---

بسکہ شنیدی صفت روم و چین  خیز و بیا ملک سنائی ببین
تا ہمہ دل بینی بے حرص و بخل  تا ہمہ جان بینی بے کبر و کین
پای نہ، و چرخ بزیر قدم  دست نہ، و ملک بزیر نگین
رستہ ز ترکیب زمان و مکان  جستہ ز ترتیب شہور و سنین
روح امین دادہ بدہنش ہمانکہ  دادہ بہ مریم ز رہ آستین

۶۔ شاعری کے اجزا مین ایک بڑا ضروری جز تخیل اور تشبیہ ہی، شاعر کبھی

کوئی اخلاقی دعوی کرتا ہی تو دلیل مین اُس کو تمثیل پیش کرنی پڑتی ہی، کبھی کسی چیز کی اچھائی یا بُرائی ثابت کرنا، یا کسی چیز کی تصویر اور ہئیت کھینچنا چاہتا ہی تو تشبیہ اور تمثیل کے بغیر چارہ نہین ہوتا اسی بنا پر اکثر بڑے بڑے شاعر مثلاً سعدی صائب کلیم وغیرہ تمثیل مین کمال رکھتے تھے، شاعری کی اس صنف کے موجد بھی حکیم سنائی ہی ہین، ذیل کی مثالون سے معلوم ہوگا کہ ان کی تمثیلین کسقدر نادر اور مؤثر ہوتی ہین،

حصول مقصد کے لیے بڑا انتظار شرط ہے

اور جو مقصد جسقدر اہم ہوگا اسی قدر زیادہ دیر ہوگی

هر خسے از رنگ و رفتارے بدین رہ کے رسد — درد باید سوز و مرد باید گام زن
هفته‌ها باید که تا یک پنبه دانه ز آب و گل — شاهدی را حله گردد یا شهیدے را کفن
ماهها باید که تا یک مشت پشم از پشت میش — صوفیے را خرقه گردد یا حمارے را رسن
سالها باید که تا یک سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیار می باید کشیدن انتظار — تا که در جوف صدف باران شود در عدن
قرنها باید که تا یک کودکے از لطف طبع — عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن
صدق و اخلاص و درستی باید و عمر دراز — تا قرین حق شود صاحبقرانے در قرن

---

تو علم[1] آموختی از حرص اینک ترس کاندر شب — چو دزدے با چراغ آید گزیده‌تر برد کالا

---

چو تن جان را مزین کن به علم و دین که زشت آید[2] — درون سو شاه عریان و برون سو کوشک دیبا

اب ہم حکیم سنائی کے بعض قطعات و قصائد کے اشعار یکجا لکھتے ہین جس سے اُن کی عام شاعری کا اندازہ ہو سکے گا۔

مکن در جسم و جان منزل که این دون است و آن والا — قدم زین هر دو بیرون نه نه اینجا باش و نه آن جا
بهر چه از راه باز افتی چه کفر آن حرف و چه ایمان — بهر چه از دوست وامانی چه زشت آن نقش و چه زیبا

[1] علم زیادہ پر خطر گناہون کا سبب ہو سکتا ہی ۱۲ [2] صفائی ظاہری کے ساتھ صفائی باطن بھی شرط ہی ۱۲



چو علمت هست خدمت کن چو بے علمان که زشت آید — گرفته چینیان احرام و مکی خفته در بطحا
مرا بارے بحمد الله ز راه حکمت و همت — بسوے خط وحدت برد، عقل از خطه اشیا
نخواهم لاجرم نعمت نه در دنیا نه در جنت — همے گویم بهر ساعت چه در ضرا چه در سرا
کیا رب مر سنائی را سنائی ده تو در حکمت — چنان کز وی به رشک آید روان بو علی سینا
مگردان عمر من چون گل که در طفلی شوم کشته — مگردان حرص من چون مل که در پیری شوم برنا
بهر چه از اولیا گفتند ا دقنی ذوق فقنے — بهر چه از انبیا گفتند آمنا و صدقنا

---

پرده دار عشق دان ارسم ملامت بر فقیر — پاسبان در شناس این آب تلخ اندر بحار
اے بسا غبنا که اندر حشر خواهد بد از آن که — هست ناقد بس بصیر و نقدها بس کم عیار
عقل جزوی کے تواند گشت بر گیهان محیط — عنکبوتے کے تواند کرد سیمرغے شکار
کے شود ملک دو عالم تا تو باشی ملک آن — کے بود اهل نثار آن کس که بر چیند نثار
باش تا گل یابی آن انهار اکامروز ند جز — باش تا گل یابی آن ها را که امروزند خار
گوئی که بعد ما چه کنند و کجا روند — فرزندگان و دختر گان یتیم ما
خود یاد ناوری که چه کردند و چون شدند — آن مادران و آن پدران قدیم ما

---

آدمی را دو بلا گرد رهے — داند از هر دو بلا روز بهی
یا کند پر شکم خویش زنان — یا کند پشت خود از آب تهی

---

# عمر و خیّام بن ابراہیم نیشاپوری

عمر و نام، خیّام لقب نیشاپور وطن، غالباً آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا، جس کی وجہ سے خیّام کا لقب ملا، عمر و نے جب تحصیل شروع کی تو دو شخص اسکے ہم سبق تھے، ان مین رابطۂ محبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہ ہم مین سے جب کوئی شخص بڑے منصب پر پہونچے گا تو اپنے ساتھیون کو بھی اپنا ہمسر بنائے گا، اُس وقت دنیا کو کیا معلوم تھا کہ یہ مکتب کے لونڈے جو اس وقت ایک خیالی منصوبہ باندھتے ہین، آگے چل کر دنیا کی تاریخ بدل دین گے، ان مین سے ایک کا نام حسن بن علی اور دوسرے کا حسن تھا حسن بن علی نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر ہو گیا اور ۴۶۵ھ مین جب الپ ارسلان نے وفات پائی اور ملک شاہ سلجوقی مسند آرا ہوا تو وہ کل سیاہ و سفید کا مالک تھا، یہی حسن ہے جو آج نظام الملک (بانی نظامیہ بغداد) کے نام سے مشہور ہے، عمر و خیّام کو جب معلوم ہوا کہ میرا ہم سبق تاج و تخت کا مالک ہے تو اصفہان مین نظام الملک کے پاس آیا، نظام الملک نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا، نظام الملک کو اپنا عہد یاد تھا، خود پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہین، خیّام جو کچھ چاہتا تھا، اس کو مل سکتا تھا لیکن ملک قناعت کے شہنشاہ نے صرف معمولی وجہ معاش کی درخواست کی، نظام الملک نے خیّام کے وطن نیشاپور مین کم و بیش بارہ سو روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کر دی[1]، خیّام نے اگرچہ صرف معمولی جاگیر پر قناعت کی، لیکن سلاطین و امراء اس سے برابری کا برتاؤ کرتے تھے شمس الملوک

[1] دولت شاہ۔ لیکن جاگیر کی آمدنی کی تعیین اور کتابون سے ماخوذ ہے ۱۲



خاقان بخاری اسکو تخت پر اپنے برابر بٹھاتا تھا، ملک شاہ سلجوقی جو دنیائے اسلام کا شہنشاہ اعظم تھا اس سے ندیمانہ تعلقات رکھتا تھا[1]، دولت شاہ سلجوقی نے لکھا ہے کہ سلطان سنجر بھی اس کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا لیکن شہرزوری کی تاریخ الحکما سے معلوم ہوتا ہے کہ سنجر کے تعلقات اس کے ساتھ اچھے نہ تھے شہرزوری نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جس زمانہ مین سنجر شاہزادہ تھا، اُس کو چیچک نکلی خیّام معالجہ کے لیے طلب ہوا، وزیر نے خیّام سے پوچھا کہ بیمار کی کیا حالت ہے خیّام نے کہا کہ آثار اچھے نہین، یہ خبر کسی نے سنجر کو پہنچا دی اُس کو نہایت رنج ہوا اور یہ رنج ہمیشہ قائم رہا۔

۴۶۷ھ مین ملک شاہ نے ایک عظیم الشان رصدخانہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، دور دور سے بڑے بڑے ہیئت دان اور منجم بلوائے، اُن مین ابوالمظفر اسفزاری، میمون بن نجیب واسطی، اور ہمارا نامور خیّام بھی تھا، ابن الاثیر نے جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ اس رصدخانہ پر بیشمار دولت صرف ہوئی اس رصد سے جو زیچ تیار ہوئی وہ خاص خیّام کی تیار کردہ تھی چنانچہ کشف الظنون زیچ ملک شاہی کے ذکر مین صاف تصریح ہے۔

خیّام زیادہ تر فلسفۂ یونان کا درس دیتا تھا اور اسی قسم کے خیالات رکھتا تھا یہ خیالات جب زیادہ پھیلے تو عوام مین سخت برہمی پیدا ہوئی یہان تک کہ لوگون نے اس کو بیدین قرار دے کر قتل کر دینا چاہا، مجبوراً اُس نے حج کا ارادہ کیا کہ حرم مین کوئی کسی کو ستا نہین سکتا، حج سے فارغ ہو کر بغداد مین آیا، یہان لوگون نے نام سُنا تو ہر طرف سے ٹوٹ پڑے کہ علوم فلسفہ سیکھین۔ لیکن اُس نے انکار کیا، اور بغداد سے چل کر وطن مین آیا[2]۔

[1] تاریخ الحکما شہرزوری ۱۲ [2] تاریخ الحکما جمال الدین قفطی ۱۲

**وفات** اس کی وفات کا دلچسپ قصہ ہے، ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشفا مطالعہ کر رہا، جب وحدت وکثرت کی بحث آئی تو اُٹھ کھڑا ہوا، عادت تھی کہ ہر وقت خلال پاس رکھتا تھا، اُس کو ورق میں رکھ کر اُٹھا، نماز پڑھی، وصیت کی، شام تک کچھ نہ کھایا، نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا اور کہا اے خدا جہانتک میرا امکان میں تھا میں نے تجھ کو پہچانا اس لیے مجھ کو بخش دے۔ یہی کہتے کہتے جان نکل گئی۔ مجمع الفصحا میں ہے کہ ۵۱۷ھ میں وفات پائی۔

دفن کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے، **نظامی عروضی** اس زمانہ کا مشہور شاعر ہے جس کی کتاب چار مقالہ چھپ کر شایع ہو چکی ہے، اس کا بیان ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ گیا معلوم ہوا کہ خیام آجکل یہیں امیر ابوسعید کے مکان پر مقیم ہے، میں خدمت میں حاضر ہوا، باتوں باتوں میں خیام نے کہا کہ میری قبر ایسے مقام پر بنے گی کہ ہر سال دو دفعہ درخت اسپر پھول برسائیں گے مجھ کو تعجب ہوا، ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا بڑا شخص لغو گو نہیں ہو سکتا، ۵۳۰ھ میں میں جب نیشاپور پہنچا تو حکیم موصوف کا چند برس پہلے انتقال ہو چکا تھا، چونکہ مجھپر شاگردی کا حق تھا، ایک آدمی کو ساتھ لیا کہ قبر کا پتہ بتلائے، وہ قبرستان حیرہ میں لے گیا، دیکھا تو باغ کی دیوار کے نیچے قبر ہے سرہانے امرود اور زرد آلو کے درخت ہیں، شگوفہ جھڑ کر اسقدر ڈھیر ہو گئے ہیں کہ قبر ڈھک گئی ہے، مجکو حکیم موصوف کا قول یاد آگیا اور بے اختیار آنسو نکل پڑے۔

**فضل وکمال** خیام کو آج زمانہ شاعری کی حیثیت سے جانتا ہے لیکن وہ فلسفہ میں بوعلی سینا کا ہمسر اور مذہبی علوم اور فن ادب وتاریخ میں امام فن تھا، **جمال الدین** قفطی نے تاریخ الحکما میں اس کا نام ان القاب سے شروع کیا ہے۔ امام خراسان و علامۃ الزمان **شہرزوری** تاریخ الحکما میں لکھتے ہیں کان تلو ابی علی فی اجزاء علوم الحکمۃ وکان عالما باللغۃ والفقہ والتواریخ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اصفہان میں ایک



کتاب نظر سے گذری، سات دفعہ اس کا مطالعہ کیا، نیشاپور میں واپس آیا تو ساری کتاب زبانی لکھوا دی۔ اصل سے مقابلہ کیا گیا تو خفیف فرق نکلا[۱]

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق کے ہاں علمی صحبت تھی، ابوالحسن غزالی جو اس زمانہ میں فن قرات کے امام تھے وہ بھی موجود تھے، اتفاق سے خیام بھی آنکلا، عبدالرزاق نے خیام کو آتا دیکھ کر کہا علی الخبیر سقطنا یعنی واقف کار آگیا، مسئلہ زیر بحث کو خیام کے آگے پیش کیا اس نے ساتوں قراتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل اور وجوہ بیان کر کے ایک قرات کو ترجیح دی، غزالی بے اختیار بول اُٹھے کہ حکما کا کیا ذکر خود قرا میں سے کسی کی یہ معلومات نہیں ہو سکتی[۲]،

قاضی عبدالرشید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خیام سے میں مرو کے حمام میں ملا اور سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کیے، یہ بھی پوچھا کہ ان سورتوں میں بعض الفاظ بار بار کیوں آئے ہیں، خیام نے برجستہ جواب دینا شروع کیا، مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل اور شواہد اس تفصیل اور وسعت سے بیان کیے کہ اگر ساری تقریر قلمبند کر لیجاتی تو اچھی خاصی کتاب بنجاتی[۳]۔

فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے مذہبی علما اس سے مخالفت رکھتے تھے، اس زمانہ میں مذہبی گروہ کے پیشیروا امام غزالی تھے، جنھوں نے تہافۃ الفلاسفہ لکھ کر فلسفہ کا ابطال کیا تھا، وہ مناظرہ کے لیے خیام کے پاس گئے، اور پوچھا کہ آسمان کے تمام اجزا باہم متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں پھر بعض اجزا میں کیا خصوصیت تھی کہ قطبین قرار پائے، خیام مسائل فلسفیہ کے بیان کرنے میں نہایت بخل کرتا تھا، اُس نے پہلے تو یہ کہکر ٹالا کہ میں اس مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس میں بتفصیل لکھ چکا ہوں، پھر جواب دیا تو اس طرح کہ پہلے ابتدائی مراتب بیان کیے، چنانچہ اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ حرکت

[۱] شہرزوری ۱۲ [۲] شہرزوری ۱۲ [۳] شہرزوری ۱۲

کس مقولہ سے ہے" پھر اس کو اس قدر پھیلایا کہ یہ مسئلہ ابھی پورا نہین ہوا تھا کہ ظہر کی اذان کی آواز آئی، امام غزالی یہ کہہ کر اُٹھ گئے جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۱؎

نجوم کا فن اگرچہ مہمل چیز ہے لیکن یونانی حکما عموماً اس کے قائل تھے، وہی خیالات مسلمانون مین بھی منتقل ہوئے، خیام اس فن مین کمال رکھتا تھا، اور اسلیے منجم کہلاتا تھا، ۵۰۸ھ مین بادشاہ وقت نے خواجہ بزرگ صدر الدین محمد بن المظفر کے پاس آدمی بھیجا کہ مین شکار کو جانا چاہتا ہون، خیام سے کہدو کہ اعمال نجوم کے ذریعہ سے ایسی تاریخ مقرر کرے کہ برف و بارش سے محفوظ ہو، خیام نے دو دن کے غور و فکر کے بعد ایک دن معین کیا، بادشاہ اُسی دن سوار ہوا، کوس دو کوس گیا ہوگا کہ بڑے زور کا بادل اُٹھا اور چارون طرف برف بچھ گئی، لوگون نے خیام کی ہنسی اُڑائی، بادشاہ نے چاہا وہین سے پلٹ جائے، خیام نے کہا ابھی بادل پھٹے جاتے ہین؛ اور پانچ دن تک زمین نم بھی نہ ہوگی، اتفاق یہ کہ خیام کی یہ پیشین گوئی پوری اُتری۲؎"

**تصنیفات** تصنیفات بہت کم ہین؛ زیج جو تیار کی تھی اُس کا ہمارے اسلامی ملکون مین تو پتہ نہین لیکن یورپ نے چھاپ کر شائع کی ہے، باقی چند مختصر رسالے ذیل مین درج ہین جن کا ذکر شہرزوری نے کیا ہے۔

طبعیات مین ایک مختصر رسالہ،

وجود کی حقیقت پر ایک رسالہ،

کون اور مسئلہ تکلیف پر ایک رسالہ — یہ رسالہ آج کل مصر مین چھاپا گیا ہے۔

عربی مین بہت سے شعر لکھے ہین، چند ذیل مین درج ہین (از شہرزوری)

۱؎ شہرزوری ۱۲ ۲؎ تاریخ الحکما ۱۲



یدبر لی الدنیا بل السبعة العلی … بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری
اصوم على الفحشاء جهرا وخفية … عفافا وافطاری بتقديس خاطری
وكم عصبة ضلت عن الحق فاهتدت … لطرق الهدى من فيضی المتقاطر
فان صراط المستقيم بصائر … نصبن على وادی العمى كالقناطر

---

اذا قنعت نفسی بميسور بلغة … يحصلها بالكد كفی وساعدی
امنت تصاريف الحوادث كلها … فكن يا زمانی موعدی او مساعدی
وهبنی اتخذت الشمس بين منازلی … وفوق مناط الفرقدين مصاعدی
اليس قضی الرحمن فی حاكمه بان … يصبد الى نحس جميع المساعد
متی ما عدت دنياك كان مصيبة … فوا عجبا من ذا القريب المباعد
اذا كان محصول الحياة منية … فسيان حالا كل ساع وقاعد

---

رضيت دهرا طويلا فی التماس اخ … يرعی دادی اذا ذو خلة خانا
فكم الفت وكم اخيت غير اخ … وكم تبدلت بالاخوان اخوانا
وقلت للنفس لما غز مطلبها … بالله ما تالفی ما عشت انسانا

**رباعیات** عجیب بات ہے خیام فلسفہ مین، نجوم مین، فقہ مین، ادب مین، تاریخ مین کمال رکھتا تھا، لیکن اتنے ستارون کے ساتھ اُس کا افق شہرت بالکل تاریک ہے جس چیز نے آٹھ سو برس تک اُس کے نام کو زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیان ہین اور یہی اُس کی شہرت کے بال پر واتہ ہین، ان رباعیون کے ساتھ مسلمانون نے جسقدر اعتنا کیا اُس سے ہزارون درجہ بڑھ کر یورپ نے کیا،

ہماری کتاب کا اصل موضوع شاعری ہے اس لیے سب سے پہلے ان رباعیون کی

تنقید مین ہم کو شاعری کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگران رباعیون مین کوئی فلسفہ نہین ہی کوئی اخلاقی تعلیم نہین ہی کوئی دقیق نکتہ نہین ہی تو نہ ہو، بحث صرف یہ ہی کہ شاعری اور شاعری کے ساتھ زبان کی خوبی اور صفائی ہی یا نہین؟ یعنی خیام اگر حکیم نہ ہوتا تو کم از کم شاعر ہو سکتا تھا یا نہین؟

شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدّت اور دلاویزی ہی، شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہی اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہی کہ سب وجد کرنے لگتے ہین، اسلوب بیان کی دلاویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہین، کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہی، کبھی عام طریقہ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہی، کبھی شاعرانہ طرز استدلال سے کبھی شوخی و ظرافت سے، کبھی استعارہ و تشبیہ کی ندرت سے" اور سچ یہ ہی کہ اس کی تمام ادائین متعین اور مشخص نہین ہو سکتین، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہی کہ کسی چیز نے دل مین چٹکی لے لی، کس نے لی، کیون لی، یہ کچھ نہین معلوم۔

خوبی ہمین کرشمۂ و نازِ خرام نیست  بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

خیام کی رباعیان اگرچہ سیکڑون ہزارون ہین لیکن سب کا قدر مشترک صرف چند مضامین ہین، دُنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلہ جبر توبہ و استغفار ان مین سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہی، لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر کہتا ہی کہ معلوم یہ ہوتا ہی کہ یہ کوئی نئی چیز ہی۔

دُنیا کی بے ثباتی اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت پامال ہے، لیکن خیام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب ڈھونڈھ لاتا ہی کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہی،

توبہ و استغفار بھی ایک فرسودہ مضمون ہی لیکن جس طرح خیام اس کو ادا کرتا ہی سُننے والے کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہین، بعض جگہ رقت انگیز طریقہ کو چھوڑ کر استدلال کا



طریقہ اختیار کرتا ہی، اور وہ بظاہر ایسا قوی ہوتا ہی کہ گویا اس کا جواب نہین ہو سکتا، امثلۂ ذیل کو دیکھو،

جدّت اسلوب

رباعی

برسینۂ غم پذیر من رحمت کن  برجان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشائے  بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

مغفرت کی دعا مانگتا ہی لیکن اپنے لیے نہین بلکہ دوسرون یعنی ہاتھ اور پاؤن کے لیے (گو وہ اسی کے ہاتھ پاؤن ہین) اس طریقہ سے دعا کا اثر بڑھتا ہی کیونکہ اپنے لیے دعا مانگنا پھر بھی ایک قسم کی ذاتی غرض ہی، اس کے ساتھ نکتہ یہ ہی کہ اعضا کی برارت آسانی سے ثابت ہوتی ہی، کیونکہ اِن کا کیا قصور ہی، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہین کر سکتے،

ہاتھ اور پاؤن کے مقابلہ مین صنعت طباق ہی اور اس سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہی،

در ملک تو از طاعت ما ہیچ فزود؟  وز معصیتے کہ ہست نقصانے بود؟
بگذار و مگیر زان کہ معلومم شد  گیرندۂ دیری و گزارندۂ زود

خدا سے خطاب کرتا ہی اور کہتا ہی کہ اے خدا اگر مین نے اطاعت کی تو کیا تیری سلطنت کو کچھ ترقی ہو گئی؟ اور اگر گناہ کیا تو کیا کچھ تیرا نقصان ہو گیا، اے خدا! مجھ کو چھوڑ دے اور گرفت نہ کر مجکو معلوم ہو گیا ہی کہ تو دیر کے بعد پکڑتا ہی اور جلد چھوڑ دیتا ہی

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست  تاریک دلم نور صفائی تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی  آن بیع بود لطف و عطای تو کجاست

کس شاعرانہ انداز سے مغفرت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہی، کہتا ہے کہ اے خدا

اگر تو بہشت طاعت کے معاوضہ مین دے گا تو یہ تو خرید و فروخت ٹھہری (جو سوداگرون کا کام ہو نہ شاہون اور شہنشاہون کا) وہ لطف وہ عطا جس کے قصّے سُنا کرتے تھے وہ کہان ہو، یہی مضمون ہو جس کو شیخ **سعدی** نے گلستان مین ادا کیا ہو اور وہ گلستان کے خاص محاسن مین شمار کیا جاتا ہو" بدریوزہ گری آمدہ ام نہ بہ تجارت"

آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو　　صد سالہ شدم بناز در نعمت تو
صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد　　تا جرم من است بیش یا رحمت تو

دیکھو کس ادا سے مغفرت چاہتا ہو، کہتا ہو کہ مین سیکڑون برس دانستہ گناہ کرونگا مجھ کو یہ امتحان کرنا ہو کہ میرا جُرم زیادہ ہو یا تیری رحمت، یعنی دیکھون ان دونون مین کون غالب آتا ہو؛

فریاد کہ عمر رفت بر بیہودہ　　ہم لقمہ حرام ہم نفس آلودہ
فرمودۂ ناکردہ سیہ رُویم کرد　　فریاد ز کردہاے نا فرمودہ

فرائض کو فرمودۂ ناکردہ، اور گناہون کو کردہاے نا فرمودہ سے تعبیر کیا ہو؛

مشہور ہے کہ ایک دفعہ **خیام** کی صُراحی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی اور ٹوٹ گئی اس پر اُس نے رُباعی لکھی؛

ابریق می مرا شکستی ربّا　　بر من درِ عیش را بہ بستی ربّا
برخاک بریختی مے لعل مرا　　خاکم بدہن کہ مست سستی ربّا

کہتے ہین کہ اِس گستاخی پر خدا نے اس کو سزا دی اور اُس کی گردن کج ہو گئی؛ اسی لیے برجستہ کہا،

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو　　وان کس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی　　پس فرق میان من و تو چیست بگو

یعنے مین نے بُرائی کی، اب تو اُس کی سزا بھی ویسی ہی بُری دیتا ہو، تو مجھ مین



اور تجھ مین کیا فرق رہ گیا،

طلب مغفرت کا مضمون اکثر شعرا نے باندھا ہو، **نظامی** کہتے ہین،

گناہ من ار نامدے در شمار　　ترا نام کے بودے آمرزگار

اردو کا ایک شاعر کہتا ہو:

عوض نہ لے مرے جرم و گناہ بیحد کا　　الٰہی تجکو غفور الرحیم کہتے ہین
کہین کہین نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج　　یا اُن کے بندے ہین جنکو کریم کہتے ہین

لیکن **خیام** کا طرز ادا اور استدلال سب سے اچھوتا ہو، وہ شاعرانہ استدلال سے سزا پانے کی حالت مین مجرم اور آقا کی مساوات ثابت کرتا ہو اور پھر اُس کو جملہ خبریہ کے ذریعہ سے نہین بلکہ استفہام کے طریقہ سے ادا کرتا ہے، جو نہایت مؤثر اور لاجواب کر دینے والا ہوتا ہو۔

**شوخی و ظرافت** خیام باوجود حکیم ہونے کے نہایت شوخ اور ظریف الطبع تھا، اس لیے اکثر مضامین کو ظرافت اور شوخی کے پیرایہ مین ادا کرتا ہو، مثلاً

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم　　آزاد کنم کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است　　من نیز چنان اہل و خردمند نیم

ایشیا کا عام خیال ہو کہ آسمان ارباب خرد کو آرام اور چین نہین دیتا، **خیام** آسمان سے مخاطب ہو کر کہتا ہو کہ "مین تیری چالون سے بہت تنگ آگیا ہون، اگر تو احمقون اور نااہلون ہی سے محبت رکھتا ہے تو مین بھی کچھ بہت اہل اور عاقل نہین ہون

در مسجد اگر بہر نیاز آمدہ ام　　باللہ کہ نہ از بہر نماز آمدہ ام
یکروز اینجا سجادۂ دُزدیدم　　آن گم شدہ است ازان باز آمدہ ام

---

گویند کہ مے مخور کہ شعبان نہ رواست　　نہ نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست

شعبان و رجب مہ خدایند و رسول ۔۔۔ ماہِ رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

ایران مین اکثر مہینون کے خاص خاص لقب ہین، شلاً شعبان کو رسول اللہ کا مہینہ اور رجب کو خدا کا مہینہ کہتے ہین، خیّام کہتا ہی کہ لوگ ان مہینون مین شراب پینے سے منع کرتے ہین کہ یہ خدا اور رسول کے مہینے ہین اور واقعی ان کی یہ ہدایت بجا ہی، اس بنا پر مین رمضان مین شراب پیتا ہون، کہ یہ خاص ہم لوگون کا مہینہ ہی۔

گویند کہ آن کسان کہ با پرہیز اند ۔۔۔ زان سان کہ بمیرند بدان سان خیزند
ما با می و معشوق ازانیم مقیم ۔۔۔ تا بو کہ بحشر آن چنان انگیزند

مشہور ہے کہ انسان جس حالت مین مرتا ہی اُسی حالت مین قیامت مین اُٹھے گا خیّام کہتا ہی اسی لیے تو مین رات دن شراب اور معشوق کے ساتھ بسر کرتا ہون کہ قیامت مین بھی اسی حالت مین اُٹھون،

گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید ۔۔۔ من بعد بگرد بادہ نتوان گردید
در آخر شعبان بخورم چندان مے ۔۔۔ کاندر رمضان مست بخسپم تا عید

ایران مین جتنے شراب خوار ہین رمضان مین شراب خواری چھوڑ دیتے ہین خیّام کہتا ہی کہ مین شعبان کے اخیر مین اتنی پی کر سوؤن گا، کہ عید کے بعد نشہ اُترے، قاآنی نے اسی مضمون کو نیچرل بنا دیا ہی،

مے خوردن این ماہ روا نیست ولیکن ۔۔۔ مستانہ توان خورد بہ شب یکدو سہ ساغر
یا خورد بدان گونہ بباید کہ ز مستی ۔۔۔ تا شامِ دگر بر نتوان خاست ز بستر

لیکن ایک اور شاعر نے سب سے لطیف پیرایہ اختیار کیا ہی، ایک غزل مین جسکی ردیف ،،نمی دانستم،، ہی کہتا ہی۔

قرب یک ماہ بہ میخانہ اقامت کردم ۔۔۔ اتفاقاً رمضان بود نمی دانستم
ہر گہ کہ طلوع صبح ازرق باشد ۔۔۔ باید کہ بکف جام مروق باشد



گویند بہ افواہ کہ مے تلخ بود ۔۔۔ شاید کہ بہر حال کہ مے حق باشد

عربی کا فقرہ ہی الحق مُرّ یعنی حق بات تلخ ہوتی ہی، خیّام کہتا ہی کہ شراب کا مزا تلخ ہوتا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ شراب حق ہی، مرزا غالب نے اسی سے ایک اور مضمون پیدا کیا ہی

گفتۂ کہ بہ تلخی بساز و پند پذیر ۔۔۔ برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازین پند است

یعنی تم یہی ہدایت کرتے ہو نہ کہ انسان کو تلخی گوارا کرنی چاہیے اور نصیحت سننی چاہیے تو ہماری شراب تمھاری نصیحت سے زیادہ تلخ ہے، ہم کو دوسری تلخی کی کیا ضرورت ہی؛

دستِ چو منے کہ جامِ ساغر گیرد ۔۔۔ حیف است کہ آن فتر و منبر گیرد
تو زاہدِ خشکی و منم فاسقِ تر ۔۔۔ آتش نشنیدۂ کہ در تر گیرد

---

من در رمضان روزہ اگر میخوردم ۔۔۔ تا ظن نبری کہ بے خبر میخوردم
از محنت روزہ روزِ من چون شب شد ۔۔۔ پنداشتہ بودم کہ سحر میخوردم

---

طبعم بہ نماز و روزہ چون مائل شد ۔۔۔ گفتم کہ مرادِ کلیم حاصل شد
افسوس کہ این وضو بباد ے بشکست ۔۔۔ وان روزہ بہ نیم جرعۂ باطل شد

اس مین ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی اشارہ ہی، کہ جو لوگ ظاہری نماز روزہ ادا کرتے ہین اُن کی عبادت کی ہستی بس اسی قدر ہی؛

گویند کہ فردوس برین خواہد بود ۔۔۔ آن جائے ناب حور عین خواہد بود
گر ما می و معشوق گزیدیم چہ باک ۔۔۔ چون عاقبت کار چنین خواہد بود

جو لوگ اس بات کے قائل ہین کہ بہشت مین بھی جسمانی آرام و عیش ہوگا اور شراب اور حورین ملین گی ظریفانہ پیرایہ مین اُن کا رد کرتا ہی کہ اگر وہان بھی یہی سب ہوگا تو اگر

ہم نے دنیا ہی مین ان چیزون کو پیشگی اختیار کر لیا تو کیا بُرا کیا،

زاہد گوید بہشت با حور خوش است　　من می گویم شراب انگور خوش است
این نقد بگیر و دست ازان نسیہ بدار　　آواز دُہل شنیدن از دور خوش است
ادہار

---

مارا گویند دوزخی باشد مست　　قولی است خلاف دل درو نتوان بست
گر عاشق و مست دوزخی خواہد بود　　فردا بینی بہشت را چون کف دست

یعنی اگر یہ صحیح ہو کہ عاشق اور مست بہشت مین نہ جانے پائین گے تو دیکھ لینا بہشت چٹیل میدان کی طرح خالی پڑی ہوگی، یعنی عشق اور مستی لازمۂ انسانی ہو اس سے کون شخص خالی ہو سکتا ہو،

گویند بہشت و حور و کوثر باشد　　جوے مے و شہد و شیر و شکر باشد
یک جام بدہ ز بادہ ام اے ساقی　　نقدے ز ہزار نسیہ بہتر باشد

---

از ہر چہ خورد مرد شراب اولےٰ تر　　با سبز خطان بادۂ ناب اولےٰ تر
عالم ہمہ سر بسر رباطی ست خراب　　در جائے خراب ہم خراب اولےٰ تر

---

ما ئیم خریدار میِ کہنۂ و نو　　وانگاہ فروشندۂ عالم بہ دو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت　　مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

---

آن بادۂ خوشگوار بر دستم نہ　　آن ساغر چون نگار بر دستم نہ
آن مے کہ چو زنجیر بہ پیچد بر خود　　دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ

---



نہ لائق مسجدم نہ درخورد کنشت　　ایزد داند گِل مرا از چہ سرشت
نہ دین و دنیا و نہ امید بہشت　　چون کافر درویشم و چون قحبہ زشت

دین و دنیا دونون سے محروم ہونے کی اِس سے اچھی کوئی تمثیل نہین مل سکتی، کافر فقیر اور بدصورت قحبہ یہ دونون دین و دنیا کسی سے بہرہ یاب نہین،

## دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت زا ہونا بزرگ پایۂ شعرا کا سب سے بڑا موضوع ہو، سعدی حافظ، ابن یمین، ناصر خسرو، سجانی نجفی کی تمام کائنات یہی ہو، اِس مضمون کی ابتدا، درحقیقت خیّام نے کی اور اس درجہ تک اس کو پہنچا دیا، کہ سعدی اور حافظ جیسے بلند پایہ شاعر گویا اُسی کی سکھائی ہوئی چالین چلتے ہین، نصیحت سے قطع نظر خیّام کی زور شاعری کا بھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہو، اس نے سو سو دفعہ اِس مضمون کو باندھا ہو، لیکن قوت تخیّل سے ہر دفعہ ایک نیا پیرایہ پیدا کر دیتا ہو اور معلوم ہوتا ہو کہ یہ کوئی اور خنجر ہو جو دل پر چرکے لگا رہا ہے۔

خاکے کہ بزیر پائے ہر حیوانے است　　زلف صنمی و عارض جانانے است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است　　انگشت وزیرے و سر سلطانی است

شیخ سعدی نے اِس مضمون کے لیے فرضی حکایتین لکھی ہین، مثلاً کہتے ہین۔

شنیدم کہ یک بار در دجلۂ　　سخن گفت با عابدے کلۂ
کہ من فرِّ فرماندہی داشتم　　بہ سر بر کلاہِ مہی داشتم الخ

ایک اور شعر مین نہایت دردانگیز طریقہ سے اسکو ادا کیا ہو،

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک　　بگوش آمدہ نالۂ دردناک
کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر　　کہ چشم و بنا گوش و روی است و سر

یعنی مین نے ایک دن مٹّی کے ایک تودے پر پھاوڑا مارا، میرے کان مین یہ دردناک

آواز آئی کہ میان ذرا آہستہ، یہان آنکھین ہین کان ہین، چہرہ ہی، سر ہے ان کو
چوٹ نہ لگ جائے لیکن سعدی کی یہ تمام نقش آرائیان خیام ہی کے مرقع کا عکس ہین،
ملاحظہ ہو۔

دی کوزہ گرے بدیدم اندر بازار | بر تازہ گلے لکد ہمی زد بسیار
وان گل بزبان حال بادمی گفت | من ہمچو تو بودہ ام مرا نیکو دار

سعدی کے شعر مین اگرچہ "آہستہ تر" اور اعضا کے مفرد ناموں نے ایک خاص اثر پیدا
کیا ہی لیکن طالب رحم کی علت خیام کے ہان زیادہ قوی ہی، یعنی یہ کہ مین بھی تمھاری
ہی طرح تھا اس لیے مجھ سے یہ سلوک نہ کرو اس سے بھی زیادہ مؤثر طریقہ مین اسی مضمون کو ادا کیا ہی

پیش از من و تو لیل و نہارے بودہ است | گردندہ فلک براے کارے بودہ است
زنہار قدم بخاک آہستہ نہہ | کین مردمک چشم نگارے بود است

اسی مضمون کے اور پیرایے دیکھو،

این کہنہ رباط را کہ عالم نام است | آرامگہ ابلق صبح و شام است
بزمے است کہ وا ماندۂ صد جمشید است | قصرے است کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

---

خوش باش کہ غصہ بیکران خواہد بود | بر چرخ قران اختران خواہد بود
خشتے کہ ز قالب تو خواہند زدن | ایوان و سرائے دیگران خواہد بود

---

اے کوزہ گر آب نوش اگر ہشیاری | تا چند کنی بر گل آدم خواری
انگشت فریدون و کف کیخسرو | بر چرخ نہادۂ چہ می پنداری

یعنی اے کمھار کچھ جانتا ہی تونے چاک پر کیا چڑھا رکھا ہے، فریدون کی انگلی
اور کیخسرو کی ہتیلی۔



جامے است کہ عقل آفرین میزندش | صد بوسہ ز مہر بر زمین میزندش
وین کوزہ گر دہر چنین جام لطیف | می سازد و باز بر زمین میزندش

---

بر سنگ زدم دوش سبوی کاشی[۱] | سر خوش بودم کہ کردم این اوباشی
بامن بزبان حال می گفت سبو | من چون تو بدم تو نیز چون من باشی

---

این کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است | واندر طلب روے نگارے بودہ است
این دست کہ بر گردن او می بینی | دستے است کہ در گردن یارے بودہ است

**خمریات** جس طرح عربی زبان مین ابونواس شراب کا جانداده ہی، فارسی مین خیام
دور جام کا ستم زدہ ہی، وہ جس شغف، جس شوق، جس بیخودی، جس بے اختیاری جوش سے
شراب کا نام لیتا ہی، اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ وہ درحقیقت شراب پیتا تھا اور
یہی ظاہری شراب پیتا تھا افسوس ہی کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا، صوفی نہ تھا ورنہ حافظ کی
طرح یہی شراب شراب معرفت بنجاتی۔

خیام کا آدھا کلام ہی شراب کے ذکر مین ہی، اکثر مضامین اور خیالات جو اُسنے
شراب کے متعلق ظاہر کیے ہین، خواجہ حافظ نے اُن ہی کو لیکر زیادہ شوخ کردیا ہی، تاہم
کہین کہین جو بدستی اور بیخودی اس کے کلام مین پائی جاتی ہی، خواجہ حافظ اب بھی
اُس حد تک نہین پہنچتے،

من بے مے ناب زیستن نتوانم | بے جام کشیدہ بار تن نتوانم
من بندۂ آن دمم کہ ساقی گوید | یک جام دگر بگیر، و من نتوانم
ماییم خریدار مے کہنہ و نو | وانگاہ فروشندۂ عالم بدو جو

[۱] یعنی شہر کاشی کا بنا ہوا گھڑا،

گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت　　مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

اس سرمستی اور بے اعتنائی کو دیکھو، ایک شخص مذہبی خیالات مین ڈوبا ہوا، قیامت کے حالات کا متجسس ہی، خیام کے پاس آتا ہی اور نہایت تردد اور تفحص کے لہجہ مین پوچھتا ہی، کہ مرنے کے بعد کہان جاتا ہوگا؟ وہ کس بے تکلفی سے جواب دیتا ہی کہ میان شراب لاکر میرے سامنے رکھدو اور جہان جی چاہے جاؤ (مجکو کیا غرض)

با این ہمہ زیادہ تحقیق و تلاش سے معلوم ہوتا ہی کہ خیام اگر شراب پیتا بھی تھا تو رندانہ نہین بلکہ حکیمانہ پیتا تھا، اگرچہ شرعاً یہ بھی ممنوع اور حرام ہی، خیام کہتا ہی کہ شراب پینے مین ان باتون کا لحاظ شرط ہی، کس کو پینی چاہیے؟ کتنی پینی چاہیے؟ کن لوگون کی صحبت مین پینی چاہیے؟ ان شرطون کا لحاظ رکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ عقلمند کے سوا اور کوئی شراب پی نہین سکتا، اس لیے کہ عقلمند ہی ان شرائط کا لحاظ رکھ سکتا ہی،

مے گرچہ حرام ست ولے تا کہ خورد؟　　آنگاہ چہ مقدار؟ و دگر با کہ خورد؟
ہر گاہ کہ این چہار شرط آید جمع　　پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

پھر صاف بتاتا ہی کہ کس طرح پینی چاہیے؛

کم کم خور، و گہ گہ خور، و تنہا مے خور

چون ہشیارم، طرب ز من پنہان است　　در مست شوم، در خردم نقصان است
حالے ہست میان مستی و ہشیاری　　من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

یعنی شراب کی نہ وہ حالت پسندیدہ ہی، جب انسان مست ہوجائے، نہ یہ کہ مطلق اثر نہ پڑے مستی اور ہشیاری کے بیچ مین ایک حالت ہی اور مین اسی کا غلام ہون

چون بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو　　مدہوش مباش، و جہل را خانہ مشو
خواہی کہ مے لعل حلالت باشد　　آزار کسے مجوے و دیوانہ مشو



گر بادہ نمی خورم نشان خامی است　　ور نیز مدام میخورم بدنامی است
مے شاہ و حکیم و رند باید کہ خورد　　در زین سہ نشد، مخور کہ دشمن کامی است

اگرچہ اسمین شبہ نہین کہ شراب پینی گو اعتدال ہی کے ساتھ کیون نہ ہو، ہر حال مین حرام ہی اور جو شخص جواز کا فتویٰ دیتا ہی، سخت اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتا ہی، لیکن اگر تمھارے سامنے دو شخص آئین ایک نیک طینت، بے ریا، سچا، دیانت دار ہی لیکن شراب پیتا ہی، دوسرا شراب نہین پیتا نماز روزہ بھی ادا کرتا ہی، لیکن رات دن تکفیر، بدگوئی اور غیبت مین مصروف رہتا ہی، وقف کے مال پر شرعی حیلون سے تصرف کرتا ہی، احکام شرعیہ کو اپنی خواہش کے موافق ڈھالتا رہتا ہی، تو تم ان دونون مین سے کس کو پسند کروگے؟ غور کرو، جو لوگ شراب نہین پیتے وہ شراب سے زیادہ گناہ کس بیباکی سے کرتے ہین، خیام ان لوگون کو مخاطب کرکے کہتا ہی،

تو فخر ہمی کنی کہ مے می نہ خوری　　صد کار کنی کہ مے غلام است اورا

خواجہ حافظ نے اسی نکتہ کو نہایت بلیغ پیرایہ مین ادا کیا ہی،

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد　　کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

**فلسفہ** فلسفہ کیا چیز ہی؟ "حقائق اشیا، کا ادراک"، ہمارے گرد و پیش جو کچھ نظر آتا ہی اُن پر جب ہم نظر ڈالتے ہین، تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ یہ کیا چیزین ہین؟ کیونکر وجود مین آئین، کس چیز سے حاصل ہوئین؟ مفرد ہین یا مرکب، ان کے ذاتیات کیا ہین؟ خواص کیا ہین؟ لوازم کیا ہین؟ پھر ہم چند چیزون کے ساتھ ساتھ یا آگے پیچھے وجود مین آتا دیکھتے ہین اور سوال پیدا ہوتا ہی کہ کیا ان مین کوئی باہم خاص تعلق ہی؟ یا اتفاقیہ ان کا ساتھ ہوگیا ہی؟ تعلق ہی تو کس قسم کا ہی؟ کیا نوعیت ہی؟ کیون ہی؟ غرض یہ اور اس قسم کے جتنے سوالات ہین فلسفہ کا مایۂ خمیر ہین، اور ان کا جواب دینا فلسفہ کا فرض ہی، لیکن ان سب سوالون سے مقدم یہ سوال ہی کہ کیا ہم اشیا کی

حقیقت کو جان سکتے ہین؟ عموماً تمام حکما اس کا جواب اثبات کی صورت مین دیتے ہین لیکن ہر زمانہ مین ایسے حکما بھی ہوتے آئے ہین، اور اب بھی ہین، جن کی راے ہے کہ کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، ہربرٹ اسپنسر نے تمام اشیاء کی دو قسمین کی ہین، وہ چیزین جو فوق الادراک ہین، اور انسان کے دائرۂ علم مین نہین آسکتین؛ وہ چیزین جو تحت ادراک ہین، پہلی قسم پر اُس نے ایک خاص رسالہ لکھا ہی اور بتا دیا ہی کہ اُن کے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کی کوشش نہین کرنی چاہیے، شاپن ہور (جرمن کا فلسفی) سرے سے انکار کرتا ہی، یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی، خیام کا بھی یہی مذہب ہی، غور کرو، اور خوب غور کرو، جن چیزون کی نسبت ہم کو یقین ہی کہ ہم جانتے ہین، سب سے زیادہ محسوس، بدیہی، اور نمایان مادّہ یا جسم ہی، لیکن غور سے دیکھو مادّہ کو ہم کس حد تک جانتے ہین، ہم مادّہ کے چند خواص جانتے ہین ہم جانتے ہین، کہ مادّہ تحلیل ہوتے ہوتے، ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا تک منتہی ہوتا ہی، جو پھر تحلیل نہین ہو سکتے اور ان کو اجزاے دیمقراطیسی، کہتے ہین؛ ان اجزا مین حرکت، وزن، کشش اتصالی، کشش ثقل اور چند خواص پاے جاتے ہین، لیکن یہ اجزا کے خواص اور اعراض ہین، ان کی اصلی حقیقت کیا ہی؟ کیونکر وجود مین آئے کہان سے آئے؟ یہ چیزین بالکل غیر معلوم ہین، اس سے بھی زیادہ صاف مثال مین سمجھو، ہمنے ایک سیب ہاتھ مین لیا ہم سمجھتے ہین کہ ہم اس کو جانتے ہین، اور بداہتہ جانتے ہین، لیکن غور کرو، ہم کیا جانتے ہین، ہم دیکھتے ہین کہ وہ ایک خاص مقدار رکھتا ہی، اسمین خوشبو ہے، رنگ ہی، مزہ ہی، لیکن ساخت، خوشبو، رنگ، مزہ یہ سب تو اوصاف ہین جن کو قدیم فلسفہ کی زبان مین عرض کہتے ہین، ان مین سے کوئی چیز جوہر قایم بالذات نہین، حالانکہ سیب قائم بالذات چیز ہی، اس لیے ہم کو سیب کی اصلی حقیقت کچھ بھی نہین معلوم ہوئی۔



علت و معلول کا سلسلہ جو ہم کسی چیز مین قائم کرتے ہین جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہی یہ سلسلہ ناقابل اعتبار ثابت ہوتا جاتا ہی، اور پھر اصلی علت کا پتہ نہین لگتا، اوپر سے جو چیز گرتی ہی زمین پر آتی ہی، یونانی حکما کی تحقیقات کے مطابق اسکی وجہ یہ تھی کہ اِن چیزون کا مرکز زمین ہی اور ہر چیز مرکز کی طرف کھنچتی ہی، لیکن نیوٹن نے اس کی غلطی ثابت کی اور بتایا کہ تمام اجسام مین جذب کی خاصیت ہی، اور چونکہ زمین بڑا جسم ہی اس لیے وہ اپنے سے چھوٹے تمام اجسام کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہی لیکن اس سے اصل مسئلہ کیا حل ہوا، اس قدر بے شبہ معلوم ہوا کہ اوپر سے گرنے کی علت تجاذب اجسام ہی، لیکن تجاذب اجسام کی کیا علت ہے، یعنی اجسام مین جذب کی خاصیت کیون ہی؟ یہ مسئلہ اب بھی اسی طرح لاینحل ہی، غرض اسی طرح درمیانی باتین معلوم ہوتی ہین، لیکن اوپر چل کر پھر وہی لاعلمی پیش آتی ہی ایک راز کھلتا ہی تو دوسرا راز پیدا ہوتا ہی، ایک گرہ کھلتی ہے، تو دوسری گرھین پڑ جاتی ہین

فلسفی ستر حقیقت نتوانست کشود  گشت راز دگر آن راز کہ افشا می کرد

اسی بنا پر دقیق النظر حکما کا یہی مذہب ہی کہ "ہم کو کچھ معلوم نہین" سقراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا "معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد"، خیام کا بھی یہی مذہب ہے خیام نے اس راے کو نہایت صراحت اور نہایت کثرت سے بیان کیا ہی،

کس مشکل اسرار فلک را نگشاد  کس یک قدم از نہاد بیرون ننہاد
چون بنگرم از مبتدئی تا اُستاد  عجز است بدست ہر کہ از مادر زاد

---

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند  در کشف دقیقہ شمع اصحاب شدند
رہ زین شب تاریک نبردند برون  گفتند فسانۂ و در خواب شدند

---

آنہا کہ جہان زیر قدم فرسودند | و اندر طلبش ہر دو جہان پیمودند
آگاہ نمی شوم کہ ایشان ہرگز | زین حال چنان کہ ہست آگہ بودند

---

جمعے متفکر اند در مذہب و دین | جمعے متحیر اند در شک و یقین
ناگاہ منادے بر آید ز کمین | کاے بیخبران! راہ نہ آنست نہ این

---

افسوس کہ سرمایۂ زلف بیرون شد | در دست اجل بسے جگرہا خون شد
کس نامد از ان جہان کہ تا پرسم ازو | کاحوال مسافران عالم چون شد

---

ہر چند کہ رنگ و بوئی زیباست مرا | چون لالہ رُخ و چو سرو بالاست مرا
معلوم نہ شد کہ در طرب خانۂ خاک | نقاش من از بہر چہ آراست مرا

---

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد | وز سِرّ خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز قیاس خویش چیزے گفتند | معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد

---

دل سِرّ حیات را کماہی دانست | در موت ہم اسرار الٰہی دانست
امروز کہ با خودی ندانستی ہیچ | فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

تم کو خیال ہوگا کہ اگر لاعلمی ہی خیام کا فلسفہ ہی، تو جتنے جاہل ہین سب فلسفی ہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، سقراط سے لوگون نے کہا کہ جب تم بھی کچھ نہین جانتے اور ہم بھی نہین جانتے تو ہم مین تم مین کیا فرق ہی، اُس نے کہا صرف یہ کہ مین یہ جانتا ہون کہ مین نہین جانتا اور تم یہ بھی نہین جانتے کہ "تم نہین جانتے"



علم عموماً دو قسم کا ہوتا ہی، عالمانہ اور جاہلانہ، زمین، آفتاب، ماہتاب، ان سب چیزون کو ایک گنوار بھی جانتا ہی، لیکن جاہلانہ جانتا ہی، ایک کسان بھی جانتا ہی، کہ ایک زمین مین ایک وقت دو اناج پیدا نہین ہو سکتے، اسی کو علم نباتات کا ایک عالم بھی جانتا ہی لیکن دونون کے جاننے مین کس قدر فرق ہی، لاعلمی کا بھی یہی حال ہی، ایک فلسفی بھی جانتا ہی کہ وہ خدا کی حقیقت کو نہین جان سکتا ایک جاہل بھی اس کا اقرار کرتا ہی، لیکن دونون مین کس قدر فرق ہی،

خیام کو اِس لاعلمی پر ناز ہی، اور کہتا ہی کہ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ تک نہین پہونچ سکتا۔

تو بے خبری بے خبری کار تو نیست | ہر بے خبرے را نرسد بے خبری

اسی کو ایک اور شاعر نے شاعرانہ انداز مین ادا کیا ہی،

تا بجاے رسیدہ دانش من | کہ بدانم ہمے کہ نا دانم

یعنی میرا علم اب اس درجہ پر پہونچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہون، کہ مین نہین جانتا،

ایک اور موقع پر خیام کس ادعا سے کہتا ہے،

رندے دیدم نشستہ بر خنگ زمین | نہ کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دین
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت نہ یقین | اندر دو جہان کرا بود زہرۂ این

لاعلمی کا فلسفہ صحیح ہو یا نہو لیکن دیکھو اس کا اثر کیا ہی،

ہر قسم کی تحقیقات، انکشافات، جدید اطلاعات، کا سرچشمہ یہی لاعلمی کا فلسفہ ہی۔ اگر ہم کو یقین ہو جاے کہ ہم سب کچھ جانتے ہین، یا جس چیز کو جانتے ہین اُسکی تہ تک پہونچ گئے ہین تو علمی تجسس کے لیے کیا رہ جاتا ہی؟ آئندہ ہم کو کیون تلاش ہوگی؟ ہم کیون جد و جہد مین مصروف ہون گے؟ لاعلمی کا فلسفہ ہمارا شمع راہ ہی، وہ ہم کو ہر قدم پر آگے بڑھاتا ہی، ہم جسقدر جانتے جاتے ہین اُس کو نہ جاننا کہتے ہین اور آگے

بڑھتے ہین، خیّام گو یہ فلسفہ سکھاتا ہو کہ تم کو کچھ معلوم نہین، لیکن معلوم کرنے کی خواہش کی ترغیب دلاتا ہو،

گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت     از من خبرت کہ بے نوا خواہی رفت
بنگر چہ کسی؟ و از کجا آمدہ؟     می دان کہ چہ میکنی؟ کجا خواہی رفت

تم کون ہو؟ کہان سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کہان جاؤ گے؟ خیّام ان سوالون کی تحقیقات کرنے کی تلقین کرتا ہو، ان سے بڑھ کر فلسفہ کے اور کیا مسائل ہو سکتے ہین،

ایک اور نکتہ نہایت غور کے قابل ہو، اسلامی بیشمار فرقون کو دیکھو، ان کے باہمی مسائل مختلفہ کیا ہین؟ خدا فاعل بالایجاد ہو یا بالارادہ؟ خدا کے صفات عین ذات ہین یا خارج؟ قدیم ہین یا حادث؟ خدا کا کلام نفسی ہو یا لفظی؟ یہ مسائل کسقدر فوق الادراک ہین، جب خدا کی حقیقت ہی معلوم نہین تو یہ کیا معلوم کہ اُس کے اوصاف کیا ہین، با این ہمہ ہر فرقہ کو قطعی یقین ہو کہ اس کو جو کچھ معلوم ہو قطعی ہو، اور اس قدر قطعی ہے کہ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہو وہ گمراہ ہو، جاہل ہو، کور باطن ہو، مرتد ہے، کافر ہے، ملعون ہے، معتزلہ، قدریہ، اشعریہ، حنابلہ، شیعہ، سنّی، سب ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہین، یہانتک کہ جنگ و جدل تک نوبت پہونچتی ہے اور بغداد کے گلی کوچے، مسلمانون کے خون سے رنگین نظر آتے ہین۔

اگر ان بزرگون کا خیّام کے فلسفہ پر عمل ہوتا یعنی یہ کہ یہ مسائل فوق الادراک ہین، ہم جسقدر جانتے ہین، نہ جاننے کے برابر ہو، مذہبی حیثیت سے ہمارا اسی قدر فرض ہو کہ اجمالی ایمان لائین یعنی یہ کہ خدا ہو، جانتا ہو، دیکھتا ہو، سنتا ہے، بولتا ہو، باقی یہ تدقیقات کہ ان اوصاف کی حقیقت کیا ہو، اس کی ہم کو شارع نے تکلیف نہین دی، تو آج بارہ سو برس سے مسلمانون کے فرقون مین جو نزاعین



جنگ و جدل، معرکہ آرائیان، اور خون ریزیان ہوتی رہین کیون ہوتین۔

ہاتف شیرازی نے کیا خوب کہا ہو،

یکے از کفر می لافد دگر طامات می بافد     بیا کاین داوریہا را بہ پیش داور اندازیم

**جبر** یعنی انسان کا مجبور ہونا، جبر ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے اور گو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہو، لیکن اس سے کوئی مفر نہین، قدریہ کا تمام تر زور استدلال ارادہ پر ہو یعنی یہ کہ انسان کا ارادہ اُس کے اختیار مین ہو، اس لیے انسان مختار ہو لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ انسان کا ارادہ بھی اُس کی اختیاری چیز نہین، ارادہ کے جب تمام اسباب جمع ہو جائین گے ارادہ خواہ مخواہ پیدا ہوگا، اُسکا روکنا یا نہ پیدا ہونے دینا انسان کے اختیار مین نہین،

عجیب بات یہ ہو کہ جو لوگ جبر کے نام سے بھاگتے ہین، اور جبریہ کو کافر بتاتے ہین خود جبریہ ہین، لیکن مُنھ سے اقرار نہین کرتے، اشاعرہ جبر کے قائل نہین بلکہ کہتے ہین کہ "انسان کو اپنے افعال پر قدرت ہے"، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہین کہ "یہ قدرت مطلقاً کچھ اثر نہین رکھتی"، تو پھر ایسی قدرت سے کیا فائدہ؟ اسی بنا پر مسلم الثبوت مین لکھا ہو کہ "اشاعرہ کا کسب" اور جبریہ کا جبر دونون توام بھائی ہین"، بہرحال ہم اس بحث کا فیصلہ نہین کرتے جبر صحیح ہو یا غلط خیّام جبر کا قائل اور معتقد تھا۔

ایزد چو نخواست آنچہ من خواستہ ام     کے گردد راست آنچہ من خواستہ ام
گر ہست صواب آنچہ خواستہ است     پس جملہ خطاست آنچہ من خواستہ ام

---

نقشیست کہ بر وجود ما ریختہ،     صد بو العجبی ز ما بر انگیختہ،
من زان بہ ازین نمی توانم بودن     کز بوتہ چنین مرا فرو ریختہ،

---

ازآب و گلم سرشتهٔ من چه کنم     وین پشم وقصب تو رشتهٔ من چه کنم
هر نیک وبدی که از من آید بوجود     تو بر سر من نوشتهٔ من چه کنم

---

سازندهٔ کار مرده و زنده توئی     دارندهٔ این چرخ پراگنده توئی
من گرچه بدم صاحب این بنده توئی     کس راچه گنه چو آفرینندهٔ توئی

انھین خیالات کو خواجہ حافظ نے عجیب عجیب پیرایون مین ادا کیا ہی،

بردلے زاہد، و دعوت مکنم سوے بہشت     کہ خدا روز ازل از پئے بہشتم نہ سرشت

**فلسفۂ زندگی** خیام کا فلسفۂ زندگی بظاہر اپیکورس کی آواز بازگشت ہی، یعنی یہ کہ گذشتہ اور آئندہ سے کچھ بحث نہین، جو کچھ ہی حال ہی، اس مین کھاؤ، پیو، خوش رہو، دگر ہیچ مصرعہ چنان نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند،

در وقت بہار اگر بتے حور سرشت     پر مے قدحے دہد مرا بر لب کشت
گرچہ بہر کس این سخن باشد زشت     سگ بہ ز من، ار دگر برم نام بہشت

---

یک شیشۂ شراب و لب یار و لب کشت     این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت
تو مے بہ بہشت و دوزخ اندر گروند     کہ رفت بدوزخ؟ و کہ آمد ز بہشت

---

روزے کہ گذشتہ است ازو یاد مکن     فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدہ و گذشتہ بنیاد مکن     حالے خوش باش و عمر برباد مکن

---

اندرس علوم جملہ بگریزی بہ     واندر سر زلف دلبر آویزی بہ
زان پیش کہ روزگار خونت ریزد     تو خون پیالہ در قدح ریزی بہ



زان پیش کہ بر سرت شبیخون آرند     فرمای کہ تا بادهٔ گلگون آرند
تو زرنهٔ اے غافل نادان کہ ترا     در بوتہ نہند و باز بیرون آرند

---

این عقل کہ در راہ سعادت پوید     روزے صد بار خود ترا می گوید
دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نهٔ     آن ترہ کہ بدروی و آخر روید

---

دریاب کہ از روح جدا خواہی رفت     در پردهٔ اسرار فنا خواہی رفت
مے نوش ندانی از کجا آمدهٔ     خوش باش ندانی کہ کجا خواہی رفت

---

مائیم خریدار مے کہنہ و نو     وانگاہ فروشندهٔ عالم بدو جو
گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہی رفت     مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو

یہ فلسفہ کہ انسان نیکی بدی کا کچھ خیال نہ رکھے، جو جی مین آئے کرے مزے اڑائے، بظاہر نہایت خطرناک ہی، لیکن خیام سے ایسے خطرناک فلسفہ کی توقع نہین ہوسکتی، اُس نے بہت سی رباعیون مین معاد، اور جزا و سزا کا اقرار کیا ہی اور نکوکاری اور برائیون سے بچنے کی ہدایت کی ہی،

ایشیائی سلطنتون مین جاہ و مال کے حاصل کرنے مین جن ذلیل، کمینہ، ناجائز اور ناپاک ذریعون سے کام لینا پڑتا ہی، اُس کا اندازہ ہمارے ملک مین نہین ہوسکتا، کم سے کم اس کے لیے کسی ہندوستانی ریاست کا سفر اختیار کرنا چاہیے خیام کے سامنے زندگی کا جو نمونہ موجود تھا وہ یہی تھا کہ ارباب دنیا رات دن جوڑ توڑ، سازش، حیلہ انگیزی، نفاق، خوشامد، تگ و دو اور ناجائز کوششون مین مصروف رہتے تھے، پھر ان سب مصیبتون سے جو چیز حاصل کرتے تھے وہ کسقدر ناقابل اعتبار اور

سریع الزوال ہوتی تھی، آج ایک شخص وزیر اعظم ہی، کل دربدر مارا پھرتا ہی کل تک ایک شخص تاج و تخت کا مالک تھا، آج مسجد کے دروازہ پر گداگری کر رہا ہی، برامکہ نے ابھی تمام عالم کو چھالیا ہی، ابھی خاندان کا خاندان برباد ہو کر نام نشان تک مٹ گیا ابوالفضل کل تک ندیم خاص تھا آج دربار میں اُس کا سر کٹ کر آرہا ہی،

اِن حالات کو دیکھ کر بے شبہ ایک فلسفی گھبرا اُٹھے گا اور کہے گا کہ دنیا ناقابل اعتبار ہی جاہ و منصب کوئی چیز نہین، خود زندگی کسقدر ہیچ ہی، **فریدون** کی خاک سے کمہار کے برتن بنتے ہین، جمشید کا کالبد، خشت سازی کے کام مین آتا ہی اِس لیے تگ و دو اور تردد و فکر بیکار ہی، تھوڑی سی زندگی ہی، اسکو قناعت خاموشی سکون، اور اطمینان کے ساتھ گزار دو، کھاؤ، پیو، خوش رہو، اور خوشی خوشی دنیا سے چلے جاؤ،

**خیام** اِس بات سے واقف ہے کہ اس قسم کے قانع شخص کو عام لوگ ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، لیکن وہ اسپر تعجب کرتا ہی،

این جمع اکابر کہ مناصب دارند  از غصۂ و غم زجان خود بیزارند
وانکس کہ اسیر حرص چون ایشان نیست  این طرفہ کہ آدمیش می نشمارند

نہایت خوبی سے وہ قناعت اور آزادی کی تعلیم کرتا ہی،

چون رزق تو انچہ عدل قسمت فرمود  یک ذرہ نہ کم شود نہ خواہد افزود
آسودہ زہرچہ نیست می باید شد  وآزادہ زہرچہ ہست می باید بود

خواہی کہ ترا تربیت اسرار رسد  مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد
از مرگ میندیش و غم رزق مخور  کین ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

**خیام** جس زندگی کو قابل رشک سمجھتا ہی وہ یہ ہی،

در دہر ہر انکہ نیم نانے دارد  وز بہر نشست آستانے دارد



نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے  گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

**ابن یمین** نے اِس زندگی کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہی،

دو تاے نان، اگر از گندم ست یا از جو  دو تاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع  کہ کس نگوید از ینجا بخیز و آن جا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین  ز فر مملکت کیقباد و کے خسرو

**اخلاقی تعلیم** اخیام کا فلسفۂ اخلاق نہایت مختصر ہی، لیکن جسقدر ہی اس مختصر سی دنیا کے لیے کافی ہی،

غیبت مکن، و دل کسان را میازار  در عہدۂ آن جہان منم، بادہ بیار

---

بدخواہ کسان ہیچ بہ مقصد نرسد  یک بد نہ کند تا بہ خودش صد نرسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بد من  تو نیک نہ بینی و بہ من بد نرسد

---

گر شادی از آن خوشتن میدانی  کا سودہ دلے را بہ غمی بنشانی
در ماتم عقل خوشتن بنشین ہمہ عمر  پندار مصیبت کہ عجب نادانی

---

اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی  بشنو سخنے ز عالم روحانی
دیوی و ددی و فرشتہ و انسانی  با تست ہر آنچہ می نمائی آنی

یعنی تم شیطان، درندہ، فرشتہ، انسان، سب کچھ ہو سکتے ہو، اب جو چاہو، ہو جاؤ، تم کہو گے کہ یہ ایسی کیا اچھوتی تعلیم ہی، سب اہل مذہب، اسی کی تعلیم دیتے ہین، ہان یہ سچ ہے لیکن اہل مذہب نے اپنی فیاضی کا دائرہ محدود کر دیا ہی، اُن کے نزدیک نیکی، احسان، بھلائی، ہمدردی، غمخواری، اِن تمام اوصاف کا محل صرف اپنے ہم مذہب

ہین، لیکن خیّام کے نزدیک آفتاب کی روشنی دشت، وچمن دونون پر یکسان پڑتی ہی،

خیام کی اخلاقی تعلیم مین، ریاکاری سب سے بڑا جُرم ہی، اور اُس نے جس خوبی سے اِس کی پردہ دری کی ہی، آج تک کسی نے نہین کی، سعدی اور حافظ ریاکار زاہدون اور مشیخاؤن کی دھجیان اُڑانے مین نہایت نامور ہین، اور نہایت عجیب عجیب نادر پیرایون مین اُن لوگون کے پترے کھولتے ہین، لیکن خیام نے ایک رباعی مین اِس مضمون کا خاتمہ کردیا ہی۔

زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی بنگر زکہ بگسستی وچون پیوستی
زن گفت چنانکہ می نمایم ہستم تو نیز چنانکہ مے نمائی ہستی

یعنے ایک زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بدمست ہی، تو خیال نہین کرتی کہ تو نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا ہی، اُس نے جواب دیا کہ مین تو جیسا اپنے آپ کو ظاہر مین دکھلاتی ہون ویسی ہی ہون بھی، کیا آپ بھی اپنے آپ کو جیسا دکھلاتے ہین ایسے ہی حقیقت مین بھی ہین،

ظاہر وباطن کے یکسان نہونے کی بُرائی کا پیرایہ اس سے زیادہ اچھوتا، نادر اور مؤثر وعبرت خیز نہین ہوسکتا تھا، خیّام نے اِس بات پر بھی خوب غور کیا تھا، کہ کن کن اسباب سے انسان کو خواہ مخواہ ہی ریا مین گرفتار ہونا پڑتا ہی، اِس لیے وہ ان موقعون سے بچنے کی تعلیم دیتا ہی،

در راہ چنان روکہ سلامت نہ کنند با خلق چنان زی کہ قیامت نکنند
در مسجد اگر روی چنان روکہ ترا در پیش نہ خوانند وامامت نکنند

یعنے رستہ اس طرح چلو کہ کوئی تم کو سلام نہ کرے، لوگون کے ساتھ اس طرح بسر کرو کہ لوگ تمھاری تعظیم کے لیے قیام نہ کرین، مسجد مین جاؤ تو اسطرح کہ لوگ تم سے امام بننے کی



خواہش ظاہر کرین، مطلب یہ کہ ایسی سادگی بے تکلفی خاموشی سے زندگی بسر کرو کہ لوگ تم کو مقدس نہ خیال کرین، یہ ظاہر ہی کہ انسان جب لوگون کی نظر مین مقدس ہوجاتا ہی تو اس کو سیکڑون باتین ایسی کرنی پڑتی ہین، جن سے اس کا تقدس قائم رہے حالانکہ وہ باتین بہ تکلف کرتا ہی، اگر اس منصب پر وہ نہ پہنچا تو اس خودداری اور حفظ مراتب کی اِس کو کیا ضرورت تھی،

خیام کا فلسفہ اخلاق زہاد اور علما کے فلسفۂ اخلاق سے نہایت بلند ہی، یہ مقدس گروہ کسی کام کو صرف اس نظر سے دیکھتا ہی کہ اس پر عذاب یا ثواب ہوگا، ان لوگون کو اگر اِس امر کا اطمینان ہوجائے کہ اس فعل پر عذاب نہین ہوگا، یا خدا اس کو بخشدیگا تو پھر ان کو کچھ پروا نہ ہوگی، خیام کسی کام کے کرنے کے وقت صرف یہ دیکھتا ہی کہ خود یہ کام کیسا ہی؟ اگر وہ کام بُرا ہی تو اُس سے اسکو کچھ تسلی نہین ہوتی کہ خدا اس کو بخشدیگا اِس کے نزدیک یہی بڑا عذاب ہی کہ خدا دیکھ رہا تھا، اور اُس نے جُرم کا ارتکاب کیا،

با نفس ہمیشہ در نبردم چہ کنم وز کردۂ خویشتن بہ دردم چہ کنم
گیرم کہ ز من در گزرانی بہ کرم زین شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم

یعنے اے خدا! مین نے مان لیا کہ تو میرا گناہ معاف کردیگا اور عذاب دیگا، لیکن یہ کیا کم عذاب ہی کہ تیری نظر کے سامنے مین نے ایسا فعل کیا،

**فقہا کی نسبت خیّام کی راے** خیّام کے فلسفہ، اخلاقی تعلیم اور آزادی خیال کا نمونہ تم نے دیکھا، ایسا شخص فقہا کی نسبت جو راے رکھ سکتا ہی، تم خود سمجھ سکتے ہو وہ کہتا ہی اور کسقدر سچ کہتا ہی۔

با این دو سہ نادان کہ چنان می دانند از جہل کہ دانائے جہان ایشانند
خوش باش کہ از خری ایشان بہ مثل ہر کو نہ خراست کافرش می دانند

غور کرو، امام غزالی، امام رازی، محی الدین ابن عربی، شیخ الاشراق، ان مین سے ہر شخص

فقہا کی تکفیر کا زخم خوردہ ہی، کیون؟ صرف اس لیے کہ یہ لوگ فقہا کے سے عامیانہ اور لغو عقاید، اور خیالات نہین رکھتے تھے، اسی نکتہ کو خیام اس تلخ جملہ مین ادا کرتا ہی کہ جو شخص ان تکفیر کرنے والون کی طرح سے گدھا نہین ہی اس کو یہ لوگ کافر کہتے ہین،

خیام نے گو شاعری کے پردہ مین دل کے پھپھولے توڑے لیکن افسوس ہی کہ فقہا کی سخت گیری کی وجہ سے وہ بھی اسرار اور حقائق کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرسکا، چنانچہ خود کہتا ہی،

اسرار جہان چنانکہ در دفتر ماست — گفتن نتوان کہ آن وبال سر ماست
چون نیست درین مردم دنیا اہلے — نتوان گفتن ہر انچہ در خاطر ماست

افسوس! ظاہر پرستون کی گیر و دار نے خدا جانے کتنے عجیب و غریب اسرار اور حقائق دلون ہی مین دفن کرادیے، آج آزادی کا زمانہ ہی لیکن اب وہ حقائق اور اسرار کہان بازاری اور عامیانہ باتین زبان پر آئین تو اس سے کیا حاصل!!!

انچہ در کار ست نتوانی تو گفت — انچہ می گوئی تو خود در کار نیست

**خیام اور یورپ** یہ عجیب بات ہے کہ خیام کی قدردانی ایشیا سے زیادہ یورپ نے کی، اور کرنی چاہیے تھی، خیام کے خیالات یورپ سے اسقدر ملتے جلتے ہین کہ آج اگر موجود ہوتا تو شاید یورپین بن جاتا،

عمر خیام کی نسبت سنہ ۱۸۹۶ء تک جو کچھ یورپ مین لکھا گیا وہ وصایا وغیرہ نہایت محدود ماخذون سے تھا مگر پروفیسر شکوسکی (Zhukooski) کے قابل یادگار مضمون نے خیالات مین تغیر عظیم برپا کردیا اور اب پروفیسر راس، ہیرن ایلن Heronallen وغیرہ نے انگریزی مین عمدہ ترجمے اور تذکرے شایع کیے۔ ان سے پہلے انگلستان مین فٹز جیرلڈ (Fitizgerald) کے مشہور ترجمہ کے علاوہ میکارتھی (Mecorthy) نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا مگر گارنر (Garner) کا ترجمہ



عالمانہ اور مطلب خیز تھا۔ ون فیلڈ (Whinfield) نے ۱۸۸۳ء مین دو کتابین ایک مین صرف ترجمۂ رباعیات اور دوسری مین رباعیان اور ان کے مقابل مین ترجمہ شایع کین، (Nicholas) نکلس فرانسیسی نے فٹز جیرلڈ سے ایک سال بعد فرنچ مین ایک ترجمہ شایع کیا تھا، باڈن اسٹیڈ (Bodenstedt) نے جرمن مین ایک ترجمہ چھاپا ہی اور چند رباعیون کا ترجمہ ہالینڈ کی زبان مین بھی ہوگیا ہی۔

پروفیسر لکھتے ہین کہ اگر وہ تمام کتابین اور رسالے جمع کیے جائین جنمین عمر خیام کا ترجمہ یا حال شایع ہوا ہے تو درحقیقت ہماری زندگی مین یہ کام پورا نہین ہوسکتا،

اکسفورڈ مین ایک نہایت قدیم نسخہ ہی اس کو ہیرن ایلن نے عکس مین چھاپا ہی ایک عمدہ نسخہ پیرس مین ہی مگر اکسفورڈ والے سے پرانا نہین۔

---

# انوری

محمد نام اوحد الدین لقب، انوری تخلص ابیورد کے علاقہ مین بدہنہ ایک گاؤن ہی جو مہنہ کے مقابل واقع ہی، انوری یہین پیدا ہوا، یہ دولت شاہ کا بیان ہی لیکن عرفی کہتا ہی ع انوری گر بود از مہنہ منم از شیراز، اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہین، اس مناسبت سے انوری نے پہلے اپنا تخلص خاوری رکھا تھا، پھر اپنے اُستاد عمارہ کی فرمایش سے بدل کر انوری کر دیا،

انوری نے علوم وفنون کی تحصیل طوس کے مدرسہ منصوریہ مین کی، اور تمام درسی علوم وفنون حاصل کیے، ریاضی مین خصوصیت کے ساتھ کمال پیدا کیا، دولت شاہ کا بیان ہی کہ انوری ایک دن مدرسہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک شخص بڑے جاہ وتجمل سے گزرا، انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پایۂ تخت کا شاعر ہی انوری نے اُسی وقت تعلیم وتعلم کو خیرباد کہا اور رات بھر مین قصیدہ لکھ کر تیار کیا جسکا مطلع یہ ہی،

گردل بحر و دست کان باشد　　دل و دستِ خدایگان باشد

صبح کو دربار مین جا کر قصیدہ پڑھا، سنجر نہایت سخن شناس تھا بہت محظوظ ہوا، اور کہا نوکری چاہتے ہو یا صلہ، انوری نے آداب بجا لا کر عرض کی کہ

جز آستان توام درجہان پناہی نیست　　سرمرا بجز این در حوالہ گاہی نیست

سنجر نے منصب اور وظیفہ مقرر کر دیا، سنجر رادکان سے روانہ ہوا تو انوری بھی ساتھ تھا راہ مین چند قصیدے لکھ کر پیش کیے جن مین سے ایک یہ ہی،

باز این چہ جوانی و جمال ست جہان را　　وین حال کہ نو گشت زمین را و زمان را



ہمارے تذکرہ نویسون کی بیخبری دیکھو، یہ واقعہ سب لکھتے آتے ہین، لیکن کسی سے نہو سکا کہ جس قصیدے کو انوری کی شاعری کا دیباچہ کہتے ہین، اُس کو کبھی اُٹھا کر دیکھ بھی لیا ہوتا، انوری خود اس قصیدہ مین کہتا ہی،

خسروا! بندہ چہ دہ سال است　　کہ ہمی آرزوے آن باشد

کز ندیمان مجلس ار نہ شود　　از مقیمان آستان باشد

اس مین صاف تصریح ہی کہ یہ قصیدہ ابتداءً نہین بلکہ دس برس کی امیدواری کے بعد لکھا گیا ہی، انوری جسطرح سنجر کے دربار مین پہونچا ہی اس کی کیفیت یہ ہی کہ انوری مُدت سے شعر وشاعری مین مشغول تھا، لیکن دربار تک رسائی حاصل نہین ہوئی تھی، جسکی وجہ یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا امیر معزی تھا وہ کسی کو دربار مین کامیاب نہین ہونے دیتا تھا، اس کا حافظہ نہایت قوی تھا، یعنی صرف ایک بار کے سُننے مین قصیدہ یاد کر لیتا تھا جب کوئی شاعر دربار مین آتا اور قصیدہ سُناتا تو معزی بادشاہ سے کہتا کہ یہ قصیدہ میری تصنیف ہی چنانچہ قصیدہ کا قصیدہ خود پڑھ کر سنا دیتا شاعر خفیف ہو کر چلا آتا، انوری کو یہ حالت معلوم ہوئی تو پھٹے پرانے کپڑے پہن پاگلون کی صورت بنا کر معزی کے پاس گیا، اور کہا کہ مین شاعر ہون، بادشاہ کی مدح مین قصیدہ لکھ کر لایا ہون، آپ پیش کرا دیجیے۔ معزی نے کہا کیا لکھا ہی پڑھ کر سُناؤ، انوری نے پڑھا۔

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ　　زہے میر و زہے میر و زہے میر

معزی نے کہا یون کہتے تو مطلع ہو جاتا،

زہے شاہ و زہے شاہ و زہے شاہ　　زہے ماہ و زہے ماہ و زہے ماہ

انوری نے بہکی بہکی باتین کین، معزی نے یہ سمجھ کر کہ دربار کا مسخرہ بنائین گے، انوری سے کہا کل آنا، انوری دوسرے روز پہنچا تو معزی خود ساتھ لیکر دربار مین گیا، اور

کہا کہ جو قصیدہ تم نے مدح مین لکھا ہی، سناؤ، **انوری** نے شاعرانہ انداز مین پڑھا

گر دل و دست بحر و کان باشد  دل و دست خدایگان باشد

شاہ سنجر کہ کمترین خدمش  در جہان بادشا نشان باشد

دو شعر پڑھ کر رُک گیا، اور معزی کی طرف خطاب کر کے کہا کہ یہ قصیدہ آپ کا ہے تو باقی اشعار سُنائیے، معزی چُپ رہا، انوری نے پورا قصیدہ سنایا، سنجر نہایت محظوظ ہوا اور ندیمان خاص مین داخل کیا[1]، رفتہ رفتہ یہ مرتبہ حاصل کیا کہ سنجر نے باآن جاہ و جلال، دو دفعہ انوری کے مکان پر جا کر اس کی عزت افزائی کی[2]،

**انوری** کو علم نجوم مین کمال تھا، سنجر کے عہد حکومت مین اتفاق سے سبعۂ سیارہ برج میزان مین جمع ہوے، انوری نے اس بنا پر پیشین گوئی کی کہ فلان دن اس زور کا طوفان آئیگا کہ تمام مکانات برباد ہو جائین گے، لوگون نے ڈر کر، تہ خانے اور سرد آب تیار کرائے اور تاریخ مقررہ پر اُن مین چھپکر بیٹھے، اتفاق سے اُسدن اِتنی بھی ہوا نہ چلی کہ چراغ گل ہوتا سنجر نے انوری کو بلا کر عتاب کیا، انوری نے کہا قرانات کے احکام فوراً ظاہر نہین ہوتے۔ فرید کاتب نے اسپر قطعہ لکھا،

گفت **انوری** کہ از جہت بادہای سخت  ویران شود عمارت و کُہ نیز بر سری

در سال حکم او نہ وزیدست ہیچ باد  یا مرسل الریاح تو دانی و **انوری**

انوری نے اب دربار مین رہنا مناسب نہ سمجھا اور ترک ملازمت کر کے نیشاپور چلا آیا۔ اب اس کی شہرت دور دور پھیل گئی تھی، ہر طرف سے امراء اور رؤسا کے پیغام آتے تھے کہ ہمارے دربار مین قدم رنجہ کیجیے ۵۲۳ھ مین سلطان احمد بیروزشاہ نے اس کو خط بھیجکر بُلایا اور ساتھ لیکر خوارزم کی طرف روانہ ہوا، انوری یہ سن کر کہ دریائے جیحون راہ مین پڑتا ہی اس قدر ڈرا کہ بلخ پہونچکر سلطان احمد سے معذرت چاہی،

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ حبیب السیر مین ہی، [2] خزانۂ عامرہ،



اور وہین رہ گیا، لیکن بلخ مین اسقدر تکلیف پہنچی کہ تنگ آکر ایک قصیدہ لکھا، اور سلطان احمد کی خدمت مین بھیجا، مطلب کی بات اس طرح ادا کی

اینحال کہ در بلخ کنون دارم  از خوف پریشانی و گمراہی

زین بیش اگر وہم و گمان بُردے  آن محظے کوتہ نظر شاہی

بر عبرۂ جیحون نہ بہ آموزش  چون لط بہ طبیعت شدمی راہی

سلطان احمد نے اوسی کو دربار مین طلب کیا اور معتمد خاص بھیجا کہ انوری کو ساتھ لیکر آئے[1]، انوری روانہ ہوا، لیکن دریاے جیحون کے کنارے پہونچکر اسکے اوسان جاتے رہے، جو رہبر ساتھ تھا، ڈھارس دلانے کے لیے، لنگ باندھ کر دریا مین اُترا، تیرتا ہوا دور تک گیا اور چارون طرف چکر لگا کر دکھلایا کہ گھبرانے کی بات نہین **انوری** بہ ہزار خرابی کشتی مین بیٹھا گھاٹ پر شاہی اہتمام تھا، اور اسپ خاصہ سواری کے لیے آیا تھا، انوری نے آداب شاہی کے لحاظ سے گھوڑے پر سوار ہونے مین تامل کیا، لیکن پیش خدمت کے اصرار سے سوار ہوا، اور دربار مین آیا قصیدہ راہ مین لکھ رہا تھا، دربار مین پہونچکر پڑھا، دیکھو تمام واقعات کو کس خوبی سے ادا کیا ہی،

حبذا بخت مساعد کہ سوے حضرت شاہ  مردمی کرد و رہم داد پس از چندین گاہ

اندر آمد ز در حجرۂ من صبحدمے  روز بہمن جبر یعنی دوم بہمن ماہ

سال بر پانصد و سی و سہ ۵۳۳ ز تاریخ عجم  گفت برخیز کہ از شہر بدر شد ہمراہ

چہ روے راہ تردد قضی الامر فقم  چہ کشتی کفش تخیل بلغ السیل زباہ

چون برانگیخت مرا رفت و چراغے افروخت  بے تحاشی چو رفیقی کہ بود از اشباہ

تاکہ من جامہ بپوشیدم و بیرون رفتم  بہ شتابے کہ دو اعم نہ رہی کرد و نہ راہ

[1] اس قصیدہ کی شرح مین ابوالحسن فراہانی نے اس قصیدہ کا شان نزول بھی لکھا ہی،

او برون برد بدم فرش وآورد وسنود    محملے بست ومرا کرد چو شاہے برگاہ
ہمچنان جملہ را ہم بسلامت می بُرد    نہ دران طبع ملالت، نہ درین طوع اکراہ
تا بہ حدّے کہ مرا داد ہمے سیخ وکفش    تا بجائے کہ ہمی داد خرم را جو وکاہ (گھاس)
چون بہ جیحون برسیدیم زمن ہوش برفت    گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ
رفت دربست ازارے وبہ جیحون درجست    وندران جست بہ یکدم بگذشت او شناہ
باز باز آمد وگفتا کہ بدیدی سہل است    درنشین، خیز، دمکن وقت گزشتن بیگاہ
کشتی آورد ونشستیم درو ہر دو بہم    چون دو یار او ہمہ یاری دہ ومن یاری خواہ
او چو شیرے بہ یکے گوشۂ کشتی بنشست    من سر اندر زن[1] وبیرون زن ہجور وباہ
آخر الامر چو کشتی بسلامت بگذشت    جستم از کشتی وآمد بہ لب کشتی گاہ
عرصۂ دیدم چون جان وجولانے بخوشی    شادی افزائے چو جان، وجوانی غم کاہ
گفتم اے بخت بہشت است سواد تر مد    گفت راضی مشو از روضۂ رضوان بہ گیاہ
باش تا شہر بہ بینی، ودر دربار ملک    باش تا قلعہ بہ بینی ودر وعرض سپاہ
تا درین بودم، گرے ز در شہر بخاست (دربارہ)    گفتم آن کیست مرا گفت جنیبت کش شاہ
آمد القصّہ وآورد جنیبت پیشم    دیدہ من چو دران شکل وشبہ کرد نگاہ
بوسہ دادم ہم وزانوے ورکابش ہر سہ    گفتم اے روز براق از تو چو زنگ تو سیاہ
بہ سعادت بہ سر آخر خود باز خرام    کہ ترا پایہ بلند است ومرا پایہ کوتاہ
این ہمی گفتم واو دست ہمی کوفت کہ نے    ترک فرمان ہمہ حال گناہ است وگناہ

اقسام سخن مین سے انوری کی طبیعت ہجو سے خاص مناسبت رکھتی تھی، ہجو مین وہ نہایت دلچسپ اور لطیف مضامین پیدا کرتا تھا، جو شعر اس کی زبان سے نکلتا عالم مین پھیل جاتا، اس کے ساتھ طبیعت مین تنگ ظرفی اور کم حوصلگی تھی، ذرا کسی سے

[1] سراندر زن، مونھ اندر کرلینا، یعنی مین لومڑی کیطرح کبھی مُنھ باہر نکالتا تھا اور کبھی اندر کرلیتا تھا،



رنج ہوا اور اس کی ہجو کا طومار باندھ دیا، اس عادت کی وجہ سے اُس نے سارے زمانہ کو دشمن بنا لیا تھا، چنانچہ سلطان علاء الدین ملک الجبال سے لوگون نے شکایت کی کہ انوری نے حضور کی ہجو لکھی ہے، سلطان نے ملک طوطی کو جو مرو وشاہجہان کا رئیس تھا خط لکھا کہ انوری کو گرفتار کر کے دربار مین بھیجدو، ملک طوطی نے فخر الدین مروزی کو جو اُس کے دربار کا شاعر اور منشی تھا حکم دیا کہ انوری کو لکھو کہ مین آپ کے ملنے کا مشتاق ہون، فخر الدین مروزی انوری کا بڑا دوست تھا، اُس نے انوری کو اصل حال سے مطلع کرنا چاہا، لیکن ملک طوطی کے ڈر سے صاف صاف نہین لکھ سکتا تھا، اس لیے خط کے سرنامہ پر یہ شعر لکھا،

ھی الدنیا تقول بملاء فیھا    حذار حذار من بطشی وفتکی

انوری سمجھا کہ کچھ بھید ہے، تحقیق سے اصل واقعہ معلوم ہوا، ملک طوطی کے دربار مین سفارشین پہنچائین، سلطان علاء الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ملک طوطی کو لکھا کہ انوری کو میرے دربار مین بھیجدو ہزار بکریان صلہ مین دون گا، ملک طوطی نے انوری کو بلا کر کہا کہ تمھارے معاوضہ مین مجھ کو ہزار بکریان ملتی ہین۔ انوری نے کہا علاء الدین مجکو ہزار بکریون کے بدلے خریدتا ہے، اور آپ مفت بھی نہین لیتے، ملک طوطی کو یہ لطیفہ پسند آیا اور[1] اپنے مقربین مین داخل کیا،

انوری کے مخالف شعرا نے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود ہجوین لکھ کر اس کے نام سے مشہور کرتے تھے اور انوری کو اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑتا تھا، چنانچہ جب وہ بلخ مین آیا، تو فتوحی شاعر نے حکیم سوزنی کی فرمایش سے بلخ کی ہجو لکھی اور انوری کے نام سے مشہور[2] کر دی، اُس کے چند اشعار یہ ہین،

[1] لباب الالباب عوفی یزدی، مجمع الفصحا تذکرۂ فخر الدین مروزی، [2] مجمع الفصحا تذکرۂ ذہبی مروی ریاض الصالحین تذکرۂ انوری، دولت شاہ نے لکھا ہے کہ خود انوری نے یہ ہجو لکھی تھی لیکن یہ غلط ہے،

چار شہر است خراسان را بر چار طرف — کہ وسط شان بمسافت کم صد در صد نیست
گرچہ معمور و خرابش ہمہ مردم دارد — نہ چنان ہست کہ آبستنِ دام و دد نیست
بلخ را عیب اگرچند بادباش کنند — بر ہر خیر دے نیست کہ صد بخرد نیست
مصر جامع را چارہ نبود از بد و نیک — معدن زر و گہر بے سرب و بُسُد نیست
حبذا شہر نشاپور کہ در ملک خدائے — گر بہشت است ہمین ست وگرنہ خود نیست

اہل شہر اس پر اس قدر برہم ہوئے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی اڑھا کر گلی کوچون مین تشہیر کی، اس سے بھی زیادہ نوبت پہنچی، لیکن قاضی حمید الدین جن کی تصنیف سے مقامات حمیدی ہے، اور جن کی شان مین انوری نے لکھا ہے،

بہ مدح و ثنا گرکنم رائے نظمے — نہ دشوار گویم نہ آسان فرستم
ولیکن بہ مدح جناب حمیدی — اگر وحی باشد ہر آسان فرستم

انھون نے انوری کی حمایت کی اور اُس کی جان بچ گئی، انوری نے ان واقعات کا اس قصیدہ مین ذکر کیا ہے،

اے مسلمانان فغان از دورِ چرخ چنبری

چونکہ انوری کے بچانے مین ابوطالب نعیم، صفی الدین عمر، مفتی تاج الدین، حسن محتسب نظام الدین احمد مدرس نے بھی کوشش کی تھی، اس لئے قصیدہ مین سب کا ذکر کیا ہے، اور بلخ کی ہجو سے نہایت تبری کی ہے کہ بلخ قبۃ الاسلام ہے مین اس کی ہجو کیونکر کہہ سکتا ہون،

بالآخر انوری نے تمام لغویات سے توبہ کی، اور گوشہ گزین ہو کر بیٹھا، سلطان علاء الدین غوری جہانسوز نے دربار مین طلب کیا، لیکن اس نے انکار کیا اور یہ قطعہ جواب مین لکھا

کلبۂ کاندرو بہ روز و بہ شب — جائے آرام و خورد و خواب من است
جائیکے دارم اندرو کہ از و — چرخ در عین رشک و تاب من است



ہر چہ در مجلس ملوک بود — ہمہ در کلبۂ خراب من است
زحل اجزا و نان خشک درو — گرد خوانِ من و کباب من است
قلم کوتہ و صریر خوشش — زخمۂ و نغمۂ رباب من است
خرقۂ صوفیانۂ اطلس — از ہزار اطلس انتخاب من است
ہر چہ بیرون بود ازین کم و بیش — حاش للسامعین عذاب من است
خدمت بادشہ کہ باقی داد — نہ بباد دے خاک و آب من است
زین قدر راہ رجعتم بستہ است — آن کہ او مرجع و مآب من است
وین طریق از نمائش است خطا — چہ کنم این خطا صواب من است
نیست این بندہ را زبان جواب — جامہ و جائے من جواب من است

مدح اور ہجو کے ساتھ غزل کہنی بھی چھوڑ دی، کسی نے پوچھا تو جواب دیا،

دی مرا عاشقکی، گفت غزل می گوئی — گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ہم
گفت چون؟ گفتمش آن جانب گمراہی بود — حالت رفت دگر باز نیاید ز عدم
غزل و مدح و ہجا ہر سہ ازان می گفتم — کہ مرا شہوت و حرص و غضبے بود بہم

اخیر شعر کا مضمون اگرچہ عربی سے ماخوذ ہے، لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوری شاعری کی حقیقت سے واقف تھا، یعنی یہ کہ شاعری جذبات انسانی کے اظہار کا نام ہے، شہوت، حرص، غصہ، سب جذبات ہین، اور یہی جذبات غزل و مدح اور ہجو کی صورت مین ظاہر ہوتے ہین،

**انوری** نے حسب روایت دولت شاہ ۵۴۷ھ مین بمقام بلخ وفات پائی اور سلطان احمد خضرویہ کے پہلو مین دفن ہوا،

انوری بخلاف اکثر شعرا کے اکثر علوم متداولہ مین کمال رکھتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے:-

گرچہ دربستم در مدح و غزل یکبارگی
ظن مبر کز نظم الفاظ و معانی قاصرم

بلکہ بر ہر علم کز اقران من داند کسے
خواہ جزوی شد آن را خواہ کلی قادرم

منطق و موسیقی و ہیات شناسم اندکے
راستی باید بگویم با نصیب وافرم

وز الٰہی انچہ تصدیقش کند عقل صریح
گر تو تصدیقش کنی بر شرح و بسطش ماہرم

در طبیعی رمز چند از چند بے تشویر ہست
کشف دانم کرد اگر حاسد نباشد ناظرم

نیستم ہم جاہل از اعمال احکام نجوم
ور ہمی باور نداری رنجہ شو من حاضرم

این ہمہ بگذار با شعر مجرد آمدم
چون سنائی ہستم آخر گرنہ ہمچون صابرم

قدر من صاحب قوام الدین حسن داند از آنکہ
صدر او را یادگار ناصر الدین طاہرم

ان کمالات کی وجہ سے تمام لوگ اُسکی عزت کرتے تھے، سلطان سنجر اس جاہ و جلال کا بادشاہ اس کے گھر آتا تھا۔ فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال الوزرا کے ہان سے سالانہ پانچ سو اشرفیان مقرر تھین، با این ہمہ چونکہ طبیعت کا دنی تھا اور زبان قابو مین نہ تھی اس لیے ذلتین اٹھاتا تھا، ایک وزیر کی مدح مین قطعہ لکھا اور اخیر مین یہ شعر لکھے

تو کہ از دور ہمی بینی پوشیدہ مرا
حال بیرون و درونم نہ ہمانا دانی

طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم ز برون
وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی

یعنی میرے بدن پر مدت کے پھٹے پرانے کپڑے ہین، چادر ابوطالب کی دی ہوئی ہے اور پیراہن ابوالحسن عمرانی کا عنایت کیا ہوا ہے، وزیر نے ناراض ہو کر فتوحی مروزی کو حکم دیا کہ جواب لکھے، چنانچہ اُس نے ایک قصیدہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین،

از پس آنکہ بہ یک مہر دو الف ملکی
داشت در بلخ ملک شاہ تو ارزانی

و ز پس آنکہ ہزار دگرت داد وزیر
قرض آن پیر سرخسی نہ چہ می بستانی

از پس آنکہ ز انعام جلال الوزرا
بتو ہر سالہ رسد ہے پانصد کانی

اے بہ دانائی معروف چرا می گوئی
در شکایے کہ فرستادۂ از نادانی



طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم ز برون
وز درون پیرہن بوالحسن عمرانی

چہ بخیلی کہ بجندین زر و سیم و نعمت
طاق وپیراہنے دوخت ہمی نتوانی

بوالحسن آنکہ ز احسانش سخن میرانی
پانزدہ سال فزون باشد تا گشتہ شدہ است

پیرہن کہنہ او گرت بجا نیست ہنوز
پس مخوان پیرہنش کو زرہ خفتانی

باقی عمر بس آن پیرہن و طاق ترا
مزد ارند ہی ابرام و دگر ستانی

یعنی ابوالحسن عمرانی کو مرے ہوے آج پندرہ برس ہو گئے، اتنی مدت تک اس کا دیا ہوا پیرہن موجود ہے تو پیرہن کا ہے کو زرہ ہے، اور اُس کے ہوتے اب کسی پیرہن کی کیا حاجت ہے،

لطیفہ، ایک دفعہ انوری راہ مین چلا جاتا تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ اشعار پڑھتا ہے، انوری نے خیال کیا تو اُسی کے اشعار بھی تھے، پوچھا کہ آپ کا تخلص کیا ہے اُس نے کہا انوری۔ انوری نے کہا شعر کے چور پہلے بھی سُنے تھے، شاعر چرانے والا آج دیکھا۔

کلام پر راے — انوری جس پایہ کا شاعر تھا، اس سے زیادہ بہت خوش قسمت تھا۔ ایران مین تین شاعر پیغمبر سخن تسلیم کیے گئے ہین، اُن مین ایک انوری بھی ہے، چنانچہ مشہور ہے،

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

ہاتفی نے مثنوی کی رعایت سے اس کو اس طرح بدل دیا ہے،

در شعر سہ تن پیمبرانند
قولے است کہ جملگی برانند

فردوسی و انوری و سعدی
ہر چند کہ لا نبی بعدی

اباقان خان کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہوئی کہ انوری اور ظہیر فاریابی دونون

سلہ مجمع الفصحا و تذکرہ فتوحی مروزی ۱۲

کس کو ترجیح ہے، سب نے مجد ہمگر[1] کو ثالث قرار دیا اور ایک منظوم استفتا لکھا،

اے آن زمین وقار کہ بر آسمان فضل    ماہ خجستہ فضلی و خورشید انوری
جمعے ز ناقدان سخن گفتہ ظہیر    ترجیح می نہند بر اشعار انوری
جمعے دگر برین سخن انکار می کنند    فی الجملہ در محل نزاع اند و داوری
رجحان یک طرف تو بدیشان نما کہ ہست    زیر نگین طبع تو ملک سخنوری

مجد ہمگر نے جواب لکھا،

جمعے ز اہل خطۂ کاشان کہ بردہ اند    ز ارباب فضل و دانش گوے سخنوری
کردند بحث در سخن نغز شان نظم    تا خود کہ سفتہ بہ دُر در سخنوری
در انوری مناظرہ شان رفت و در ظہیر    تا مر کراست پایۂ بہتر ز شاعری
انصاف چون نیافت گروہ از دگر گروہ    مر بندہ را گزید نظر شان بداوری
در کان طبع آن چو بگشتم کران کران    در قعر بحر این چو نمودم شناوری
شعر یکے برآمدہ چون دُر شاہوار    نظم دگر برآمدہ چون مہر خاوری
شعر ظہیر اگرچہ برآمد ز جنس شعر    بر تو ز انوری نہ زند لاف شاعری
بر اوج مشتری نہ رسد تیر نظم او    خاصہ کہ در ثناگری و مدح گستری
طعم رطب اگرچہ لذیذ است و خوش مذاق    کے بہ بود ز خاصیت قند عسکری
اینست اعتقاد رہی خوش قبول کن    گر تو مقید سخن مجد ہمگری
زاد این نتیجہ نیم شب از آخر رجب    در خا و عین و دال ز ہجرت پیمبری

امامی ہروی[2] نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں،

[1] مجد ہمگر اس درجہ کا شاعر تھا کہ بعضوں نے اسکو شیخ سعدی کا ہم پلہ مانا ہے،

[2] یہ وہی امامی ہیں جنکو مجد ہمگر نے شیخ سعدی پر ترجیح دی تھی، اور شیخ سعدی نے ناراض ہوکر کہا تھا۔ ہمگر کہ بعمر خود نکرد ست نماز ÷ شک نیست کہ ہرگز بامامی نرسد، ۱۲



اے سالک مسالک فکرت درین سوال    معذور نیستی بحقیقت چو بنگری
تمییز را ز بہر تناسب درین دو طور    ہیچ احتیاج نیست بدین شرح گستری
کین معجز است وان سحر آن شمع و این چراغ    این ماہ آن ستارہ و آن حور و این پری

انوری ظہیر سے بلکہ اپنے تمام معاصرین سے بڑھ کر ہو تو ہمکو انکار نہیں، لیکن اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو میں اس کو جگہ دیجائے، قطعہ مشہور اور مجد ہمگر کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے، کہ انوری قصیدہ گوئی میں پیغمبر تھا جسطرح فردوسی اور سعدی مثنوی اور غزل میں تھے، لیکن یہ اور بھی حیرت انگیز ہے، قصیدہ کا جو انداز چلا آتا تھا، اُس پر انوری نے کچھ اضافہ نہیں کیا، اور جسقدر کیا اُس میں اُسکے اور ہمعصر شریک ہیں، انوری کے قصائد کی خصوصیات یہ بتائے جاتے ہیں کہ اُس نے جدید مضامین پیدا کیے، مبالغہ کو ترقی دی، نئی تشبیہیں پیدا کین، لیکن عبد الواسع جبلی، ارزقی، اور ظہیر ان باتوں میں انوری سے کسی طرح کم نہیں انوری نے ایک قصیدہ میں ہلال کی تشبیہ سے مدح کی طرف گریز کیا ہے، اور وہ انوری کے محاسن اشعار میں محسوب ہے،

دوش سلطان چرخ آئینہ فام    آنکہ دستور شاہ راست غلام
از کنار زبرد گاہ اُفق    چون بہ دست غروب داد زمام
دیدم اندر سواد طرۂ شب    گوشوار فلک ز گوشۂ بام
گفتم آن نعل خنگ دستور است    قرۃ العین و فخر آل نظام

لیکن یہ تشبیہ اور گریز منطقی رازی سے ماخوذ ہے، وہ کہتا ہے،

مہ گردون مگر بیمار گشتہ    کہ نالید و تنش بگرفت نقصان
بسان گوی سیمین بود اکنون    برآمد بر فلک چون نوک چوگان

[1] مجالس المومنین تذکرۂ انوری، ہمگر کے قطعہ کے چند شعر ہمنے چھوڑ دیے ہیں،

تو گفتی خنگ صاحب تاختن کرد    فگند این نعل زرین در بیابان

اسمین جو لطافت اور ندرت ہو انوری کے ہان نہین، ظہیر فاریابی نے بھی اس تشبیہ کو لیا ہی لیکن چند اور تشبیہین اضافہ کر کے اسکو زیادہ دلاویز کر دیا ہے،

پیدا شد از کرانۂ میدان آسمان    شکل ہلال چون سر چوگان شہریار

من با خرد بہ حجرۂ خلوت شتافتم    گفتم کہ اے نتیجۂ الطاف کردگار

باز این چہ نقش بوالعجب و شکل نادر است    کز کارگاہ غیب ہمے گرد د آشکار

گردون زجامۂ کہ؟ بریدہ است این طراز    گیتی زساعد کہ؟ ربودہ است این سوار

گفت انچہ بر شمردی ازان جملہ ہیچ نیست    دانی کہ چیست با تو بگویم بہ اختصار

نعل سمند شاہ جہان ست کاسمان    ہر ماہ بر سرش بنہد از بہر افتخار

وطن کی ناقدری مین انوری کا مشہور شعر ہے،

بہ شہر خویش درون بے خطر بود مردم    بہ کان خویش درون بے بہا بود گوہر

لیکن یہ بالکل میر معزی کے شعر کا سرقہ ہی،

مردم بہ شہر خویش نہ دارد بسے خطر    گوہر بہ کان خویش ندارد بسے بہا

غرض انوری کی پیغمبری کے ثبوت مین کوئی معجزہ موجود نہین، البتہ اپنے معاصرین یعنی ادیب صابر، ازرقی، لامعی، رشید الدین وطواط، عبد الواسع جبلی، معزی وغیرہ سے بعض باتون مین ممتاز ہی، جسکی تفصیل حسب ذیل ہی،

سب سے بڑا وصف یہ ہی کہ اور شعرا کی طرح اس کا کلام مدح پر محدود نہین، وہ ہر طرح کے واقعات اور معاملات ادا کرتا ہی، جس سے زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے آج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے، تو اُس کو الفاظ مین و بندش مین، ترکیب مین انوری کے سوا اور شعرا کے کلام سے بہت کم مدد ملے گی،

ایک قصیدہ مین شاعری کی بُرائی اور اُس کا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے،



اسمین وہ تمام خیالات ظاہر کیے ہین جو آج کل شاعری کے بیکار ثابت کرنے مین پیش کیے جاتے ہین، اس نے ثابت کیا ہی کہ شاعر کا رتبہ حلال خور سے بھی کم ہی، اس لیے کہ حلال خور دنیا کے لیے ضروری ہی لیکن شاعری کی کیا ضرورت ہی؟ ایک ادنی سی چیز کے بنانے مین بواسطہ اور بلا واسطہ سیکڑون آدمی کی شرکت کی ضرورت پڑتی لیکن شاعر کون سا کام انجام دے سکتا ہی، مدحیہ شعر کہکر صلہ کا طالب ہونا کسقدر لغو ہی، ممدوح نے کب کہا تھا کہ تم اسکی مدح کرو، البتہ وہ شاعر قدر کے قابل ہی جو کسی کی مدح وغیرہ نہین کرتا، ان تمام خیالات کو انوری نے نہایت صفائی اور برجستگی سے ادا کیا ہی،

اے برادر بشنوی رمزی زشعر و شاعری    تا زما مشتے گدا کس را بمردم نشمری

زان کہ از کناس ناکس در ممالک چارہ نیست    حاش للّٰہ تا ندانی این سخن را سرسری

زانکہ گر حاجت فتد تا فضلہ را کم کند    ناقلے باید، تو نتوانی کہ خود بیرون بری

کار خالد کے بجعفر مے شود ہرگز تمام    آن یکے جولاہگی داند دگر بزازی گری

باز گر شاعر نہ باشد ہیچ نقصان اوفتد    در نظام عالم از روے خرد گر بنگری

آدمی را چون معونت شرط کار شرکت است    نان ز کناسی خوری بہ زان بود کز شاعری

آن شنیدستی کہ سہ صد کس ببایہ پیشہ ور    تا تو نادانستہ و بے آگہی نانے خوری

در ازاے آن اگر از تو نباشد یاری    آن نہ نان خوردن بود، دانی چہ باشد مُدبری

چون نہ داری بر کسے حقی حقیقت دان کہ ہست    ہم تقاضا ریش گادی ہم بجا

از چہ واجب شد بگو؟ آخر بدین آزاد مرد    اینکہ می خواہی ازو، یا آنکہ زو مستکبری

او ترا کے گفت؟ کاین گلدستہ ہا را جمع کن    تا ترا لازم شود چندان شکایت گستری

عمر خود خود میکنی ضائع از و تاوان مخواہ    ہم تو ظالم باش تا ہم زان کہ بفروشی خری

دشمن جان من آمد شعر چندش پرورم    اے مسلمانان فغان از دست دشمن پروری

شعر دانی چیست؟ دور از روی تو حیض الرجال    قائلش گو خواہ حیوان باش و خواہ مشتری

این کہ پرسند از زمان این گونہ خوان گالد رشس    کانوری بہ یا فتوحی در سخن یا سنجری
راستی بر بو فراس آمد نگار شاعران    وانچ از جنس سخن بل از کمال قادری
زانکہ ہمچون دیگران ہج و ثنا ہرگز نہ گفت    پس مرنج ار گویدت من دیگرم تو دیگری
مرد را باید کہ حکمت نیز دامن گیر دشس    تا شفاے بوعلی خواند نہ ژاژ بحتری

جس زمانہ مین غزون (تاتاریون) نے سلطان سنجر کو گرفتار کرلیا اور کئی برس تک قید مین رکھا، تمام ملک مین بدامنی پھیل گئی، اہل خراسان نے احمد سلیمان سے استغاثہ کرنا چاہا انوری سے درخواست کی کہ ان عبرت انگیز واقعات کو نظم مین ادا کردے، انوری نے فرمائش کی تعمیل کی،

بر سمرقند اگر بگذری اے باد سحر    نامۂ اہل خراسان بہ برِ خاقان بر
نامۂ مطلع او، رنج تن و آفت جان    نامۂ مقطع او درد دل و سوز جگر
نامۂ بر رقمش، آہ شہیدان پیدا    نامۂ در شکنش، خون شہیدان مضمر
تاکنون حال خراسان و رعایا بودہ است    بر خداوند جہان خاقان پوشیدہ مگر
اے کیومرث بقا، بادشہ کسرے عدل    اے منوچہر لقا، خسرو افریدون فر
قصۂ اہل خراسان بشنو از سر لطف    چون شنیدی، ز سر رحم در ایشان بنگر
این دل افگار جگر سوختگان می گویند    کاے دل و دولت و دین را ز تو شادی و ظفر
خبرت ہست کزین زیر و زبر شوم غزان    نیست یک تن ز خراسان کہ نشد زیر و زبر
بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار    بر کریمان جہان گشتہ، لئیمان، مہتر
شاد الا بہ در مرگ نہ بینی مردم    بکر جز در مشیمہ ہام نیابی دختر
بر مسلمانان زان شکل کنند استخفاف    کہ مسلمان نکند صد یک آن با کافر
خلق را زین غم فریاد رس اے شاہ نژاد    ملک را زین ستم آزاد کن اے پاک سیر
رحم کن رحم بر آن قوم کہ جویند جوین    از پس آنکہ نخوردندے از ناز شکر



رحم کن رحم بر آنہا کہ نیابند نمد    از پس آنکہ از اطلس شان بودے بستر

کسی دوست کو دعوت مین بلایا ہو اور نظم مین رقعہ لکھا ہو،

ندارد مجلس ما بے تو نورے    اگرچہ نیست مجلس در خور تو
چہ فرمائی چہ گوئی مصلحت چیست    تو آئی نزد ما؟ یا ما برِ تو؟

درباداری اور دریوزہ گری سے توبہ کی تو یہ قطعہ لکھا،

من و این عہد کہ با تجربۂ رعنائی جہان    بعد از ان عشق نبازم نہ بسہو و نہ بعمد
قوت دادن اگر نیست مرا باکے نیست    قوت ناستدن ہست فللّٰہ الحمد

یعنی اگر دوسرون کو دینے کا مقدور نہین تو یہ قدرت تو ہو کہ دوسرون سے کچھ نہ لون، علم کی بیقدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہو،

اے خواجہ مکن، تا بتوانی طلب علم    تا در طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز    تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی
فرعون و عذاب ابد در ریش مرصع    موسے علیہ السلام کلیم اللہ و چوبی و شبانی

یعنی فرعون کافر ہوکر داڑھی مین موتی پروتا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہوکر بکریان چراتے تھے،

عوام کی بے تمیزی، کو ایک فرضی قصہ مین ادا کرتا ہو،

روبہے می دوید در غم جان    روبہے دیگرش بدید چنان
گفت خیر است؟ باز گوئی خبر    گفت خر گیری کند سلطان
گفت تو خر نۂ چہ می ترسی    گفت آرے ولیک آدمیان
می ندانند و، فرق می نہ کنند    خر و روباہ شان بود یکسان

شیخ سعدی نے "این ہم بچۂ اشتر است"، کا لطیفہ غالباً یہین سے لیا ہو،

بات چیت، خط و کتابت مین ایشیائی تکلفات سے انوری بھی تنگ آگیا تھا

چنانچہ کہتا ہی اور کس بے تکلفی سے کہتا ہی،

تکلف میان دو آزادمرد    بود ناپسندیدہ و سخت کلام
بیا تا تکلف بیک سو نہیم    نہ از تو رکوع و نہ از ما قیام
بہ سُنّت کنم اقتدا زین سپس    سلامٌ علیکم، علیکم سلام

ہجو — **انوری** کا اصلی مایۂ فخر ہجو ہی اور کچھ شبہ نہین کہ اگر ہجو گوئی اشرعیت ہوتی تو انوری اس کا پیغمبر ہوتا، ہجو مین اُس نے نہایت اچھوتے نادر، باریک، اور لطیف مضامین پیدا کیے ہین، ان ہجوؤن مین قوت تخیّل جو شاعری کی سب سے ضروری شرط ہی صاف نظر آتی ہی، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہی کہ اس صنعت مین اس کا جو کلام زیادہ نادر ہی اُسی قدر زیادہ فحش ہی، سیکڑون اشعار ہین لیکن (دو ایک کے سوا) ایک بھی درج کرنے کے قابل نہین، کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو آتشکدۂ آذر موجود ہی ہم اپنے دست و قلم کو اس سے آلودہ نہین کر سکتے، ایک آدھ ہجو فحش سے خالی بھی ہی وہ حاضر ہے،

پہلے ایک شخص کی مدح لکھی پھر صلہ کا تقاضا کیا، اُسکے بعد ہجو کی دھمکی دی، دیکھو کس لطیف طریقہ سے ادا کیا ہی،

سہ بیت رسم بود شاعران طامع را    یکے مدیح و دگر قطعۂ تقاضائی
اگر بداد سوم شکر ورنہ داد ہجا    ازین سہ بیت دو گفتم، دگر چہ فرمائی

یعنی شاعرون کا قاعدہ ہی کہ تین نظمین لکھتے ہین، اول مدح پھر قطعۂ **تقاضائی** جسمین صلہ کا تقاضا ہوتا ہی، اب ممدوح نے صلہ دیا تو شکریہ ورنہ ہجو، ان تینون نظمون سے، مین دو تو کہہ چکا، فرمائیے اب کیا ارشاد ہوتا ہی،

گھوڑے کی ہجو لکھتا ہی،

برعادت از وثاق بصحرا برون شدم    بایک دو آشنا ہم از ابنائے روزگار



اسپے چنان کہ دانی زیراز میانہ زیر    وز کاہلی کہ بود نہ سکسک نہ راہوار
درخفت و خیز ماند ہمہ راہ عیدگاہ    من گاہ ازو پیادہ و گاہے بر او سوار
نہ از غبار خاستہ بیرون شدے بزور    نہ از زمین خستہ برانگیختے غبار
گر طعنہ ہا زین کہ رکابش دراز کن    گہ بذلہ ہا ازان کہ عنانش فرو گزار
من والہ و خجل متحیر فرو شدہ    چشمے سوے بنیم دگوشے سوے سوار

سودا نے گھوڑے کی ہجو مین جو قصیدہ لکھا ہے اسی کا تتبع ہے چنانچہ بحر و قافیہ بھی یہی ہی،

نکتہ، انوری کے دیوان مین چند ہجوین انوری کی بیوی اور بیٹے کی بھی پائی جاتی ہین، عام لوگون کا خیال ہی کہ انوری کو ہجو کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ بیوی اور بیٹے کو بھی نہ چھوڑ سکا، لیکن غالباً اور شعرا نے یہ ہجوین لکھ کر اُس کے دیوان مین داخل کر دین، اور چونکہ پبلک اسکی دشمن تھی اس لیے وہ اسی طرح قائم رہ گئین، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہی کہ فتوحی مروزی نے انوری کے نام سے بلخ کی جو ہجو لکھ کر مشہور کر دی وہ آج تک انوری کے دیوان مین داخل ہی، حالانکہ ابو الحسن فراہانی شارح قصائد انوری وغیرہ نے تصریح کی ہی کہ وہ ہجو، فتوحی مروزی کی تصنیف ہی

**انوری** علوم عربیہ مین کمال رکھتا تھا، اس لیے اُس کے کلام مین یہ خصوصیت خود بخود پیدا ہو گئی ہے کہ عربی **تلمیحات**، عربی جملے، عربی الفاظ، اس خوبی سے شامل کرتا ہی کہ گویا انگوٹھی پر نگینہ چڑھا دیا ہی، ملاحظہ ہو،

شاعری دانی کدامی قوم کردند آن کہ بود    اوّل شان امرأ القیس، آخر شان بو فراس
وین کہ من خادم ہمی بر دادم اکنون ساحریست    سامری گو، تا بیا مدگوشمالِ لامساس

سنائی کے قصیدے کا جو جواب لکھا ہی اس مین اکثر قافیے اسی قسم کے آئے ہین۔ مثلاً

بردجان بدر تن درشیت ده که دیرافتد      زیاجوج تمنا رخنه در سدِ دلو شینا
بلے از جاهدوا یکسر بدست تست این رشته      ولیک از جاهدوا هم برنخیزد هیچ ز فینا
(انفضے جاهدوا فینا ۱۲)
چون مراد خویش را با ملک اے کردم قیاس      در خراسان تازه بنهادم اقامت را اساس
چون غنیمت امقابل کرده شد با ایمنے      عقل سی روز و طمع ماہے بود راسا براس
انظر ونا نقتبس من نور کم کے گفت چرخ      کافتاب از آفتاب ہمت کرد اقتباس
تا که باشد این مثل کالیاس احدی الراحتین      بادے اندر راحتے کو را نباشد بیم یاس
بے سپیده دم شب خذلان بدخواہت چنانکه      تا بصبح حشر می گوید احادٌ ام سداسٌ
متبنی کے اس مطلع کی طرف اشارہ ہی احادٌ ام سداسٌ فی أحاد
دوستان را یک جگر پرخون که اینک قد مضےٰ      دشمنان را یکدگر پرخنده کاینک قد هلک
آدم از نسبتِ وجودِ تو یافت      اختصاص خلقته بیدی
دوش با آسمان ہمے گفتم      بر سبیل سوال مطلب ایتی
کاے علی اخرج این حشم بر کیست      ہمتت گفت قد ضمنت علی
میر آب ست و حق ہمے گوید      کہ من الماء کل شیٔ حی

---

خصم تو و قاعدهٔ ملک او      آن شده از بد و جهان مستقیم
چون دو بنا بود برافراشته      زان دو یکے محدث و دیگر قدیم
زلزلهٔ قهر توشان کرد پست      زلزلة الساعة شیٔ عظیم
جو لوگ انوری کی پیغمبری کے قائل ہین وہ اس کے ثبوت مین اسکی مضمون آفرینیون سے استدلال کرتے ہین،
متبنی نے مضمون باندھا تھا کہ ممدوح گو انسانون مین داخل ہی لیکن انسانون سے فائق ہے جس طرح نافہ کہ ہرن کے خون سے بنا ہی، لیکن خون سے اُس کو کچھ



نسبت نہین ہی،
فان تفق الانام وانت منهم      فان المسک بعض دم الغزال
اس سے ترقی کرکے شراب و انگور کی مثال دی،
فان فی الخمر معنیً لیس فی العنب
یعنے گو شراب انگور سے بنتی ہی لیکن یہ انگور سے بڑھ کر ہے، ممدوح کا بھی یہی حال ہی
انوری نے اِن سب تشبیہون کو گرد کر دیا،
در جهانی و از جهان بیشی      ہمچو معنی که در بیان باشد
یعنی اے ممدوح تو دنیا مین ہی لیکن دنیا سے زیادہ ہے جسطرح عبادت مین معنی ہوتے ہین کہ عبارت ذراسی ہوتی ہی اور مضمون نہایت وسیع ہوتا ہی،
ز حرص خدمت او سر نگون ہمے آیند      بوقت زادن از ارحام مادران طفلان
بچے عموماً مان کے پیٹ سے سر کے بھل پیدا ہوتے ہین، انوری اس کا سبب یہ قرار دیتا ہی کہ انسان فطرۃً ممدوح کی خدمت کے خواہشمند ہین اس لیے دنیا مین آتے ہین تو سر کے بھل آتے ہین، مبالغہ جو عوام کے نزدیک شاعری کی ایک اعلیٰ صفت ہی، انوری اس میدان مین سب سے آگے ہی،
ممدوح کی مدح مین      ع اے بیش ز آفرینش و کم ز آفریدگار
ع چیست کان بر تو روا نیست مگر غرو بل
بزرگواری کاندر کمال قدرت خویش      نه ایزدست و چو ایزد، بزرگ بے ہمتا است
گر صبا از کف دست تو دزد وقت بہار      درم افشان دمد از شاخ بردن دست چنار
انوری اور یورپ — انوری کی خوش قسمتی مین ایک نمبر یہ بھی اضافہ کرنا چاہیے کہ یورپ نے اس کے کلام کے ساتھ اعتنا کیا، روس کے پروفیسر والن ٹن ژوکوسکی نے سنہ ۱۸۸۳ع مین بمقام سینٹ پٹرسبرگ، انوری کے کلام اور اُس کی سوانح عمری پر ایک کتاب

لکھی جس کا یہ نام ہی "میٹریس فارا سے بیوگرفی اینڈ کیرکٹر سٹک اسکیچ" یہ کتاب ۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہی، اور اُس کے عنوانات حسب ذیل ہین،



پروفیسر براؤن نے اِس کتاب کا حال تفصیل سے لکھا ہی ناظرین اِس کو ملاحظہ فرمائین اور غور کرین کہ اہل یورپ ہر زبان کے متعلق کیا کیا نکتہ سنجیان اور دیدہ ریزیان کرتے ہین کہ ہم اُن کی تقلید بھی نہین کر سکتے،

---



# نظامی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص، باپ کا نام موید تھا، وطن عام طور پر گنجہ مشہور ہی، لیکن دراصل قم کے رہنے والے تھے چنانچہ خود سکندر نامہ مین فرماتے ہین،

چو دُر گرچہ در بحر گنجہ گمم ولے از قہستان شہر قمم

قم کے اضلاع مین تفرش ایک ضلع ہی اصلی وطن یہان تھا، لیکن چونکہ قم صدر مقام ہی اِس لیے انتساب مین تفرش کے بجائے قم کا نام لیتے ہین نظامی کے والد بزرگوار وطن چھوڑ کر گنجہ مین آئے، نظامی یہین پیدا ہوئے سال ولادت کسی نے بیان نہین کیا لیکن چونکہ بروایت صحیح سن وفات ۵۹۶ھ ہی اور ان کی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کی جاتی ہی اِس لیے سال ولادت ۵۳۳ھ سمجھنا چاہیے،

نظامی کا خاندان، علمی خاندان تھا، ان کے بھائی قوامی مطرزی مشہور شاعر ہین، ان کا ایک قصیدہ ہی جسمین تمام صنائع شاعری جمع کر دیے ہین،

نظامی نے ابتدا مین درسی علوم کی تحصیل کی، ان کے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہی کہ علمی مسائل ان کے پیش نظر ہین، خود بھی دعوی کرتے ہین،

ہر چہ ہست از دقیقہاے نجوم با یکایک نہفتہاے علوم
خواندم و سر ہر ورق جستم چون ترا یافتم ورق شستم

سلسلۂ طریقت مین داخی فرج زنجانی سے بیعت تھی،

---

ف۱ یہ امین رازی اور لطف علی آذر کی تحقیق ہی، لیکن سکندر نامہ کے جس شعر سے امین رازی نے استدلال کیا ہی وہ موجودہ نسخون مین مذکور نہین، تفرش کی مزید تفصیل، اور نظامی کی جائے ولادت لطف علی آذر سے ماخوذ ہی،

نظامی اگرچہ درویشانہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن شاعری بھی ازل سے ساتھ لائے تھے، گھر مین پہلے سے شاعری کا چرچا تھا اس لیے درسی علوم سے فارغ ہوکر تصنیف کا قلم ہاتھ مین لیا تو حریف موزون نکلے، مشق روز بروز بڑھتی گئی، اور کلام کا شہرہ دور دور پہنچا، یہانتک کہ اس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے ان کی قدردانی کو لازمہ سلطنت سمجھا، اور فرمائش کرکے، ان سے اپنے نام پر کتابین لکھوائین، اسباب اس کے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا، لیکن یہ سعادت دور والون کی قسمت مین لکھی تھی، سب سے پہلے جسکو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام[1] شاہ تھا، نظامی نے مخزن اسرار ۵۵۹ھ مین اسی کے نام پر لکھی، اور صلہ مین اس نے پانچہزار اشرفیان، ایک قطار شتر، اور انواع واقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے، مخزن کی تصنیف کے وقت نظامی کا سن تقریباً ۲۵ برس کا تھا،

نظامی کا وطن گنجہ، سلجوقیون کی حدود حکومت مین واقع تھا، اور اس زمانہ مین اس سلسلہ مین سلطان طغرل بن ارسلان فرمانروا تھا، وہ نہایت دلیر، شجاع اور عدل پرور بادشاہ تھا، علم و فضل مین بھی کمال رکھتا تھا، شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ رباعی اس کی مشہور ہے،

دی روز چنان وصال جان افروزی          وامروز چنان فراق عالم سوزی
حیف است کہ در دفتر عمرم ایام          آن را روزے نویسد این را روزی[2]

طغرل نے سلطنت کا تمام کاروبار اتابک محمد بن ایلدگز کے ہاتھ مین دیدیا تھا،

---

[1] سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ملکوچک غازی کو جو قائم بامر اللہ کا منظور نظر تھا، ارزنجان اور کماخ وغیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اسکے خاندان مین سے بہرام شاہ نے بہت جاہ وجلال حاصل کیا، یہانتک کہ سلطان قلیج ارسلان سلجوقی بادشاہ روم نے اسکو اپنی لڑکی بیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض اور بلند ہمت تھا، یہی بہرام نظامی کا ممدوح ہے جسکے نام پر انھون نے مخزن الاسرار لکھی، (از ہفت اقلیم امین رازی)
[2] حبیب السیر



جو ابتدا مین غلام تھا اور ترقی کرتے کرتے امیر الامراء کے منصب پر پہنچگیا تھا، محمد بن ایلدگز کا بھائی قزل ارسلان جسکی مدح مین ظہیر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے،

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے          تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

کاروبار سلطنت مین برابر کا شریک تھا،

اس زمانہ مین نظامی نے شیرین خسرو لکھنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز تھا کہ اس کے چرچے دور دور پھیل گئے، طغرل کو خبر ہوئی، اسی وقت فرمان بھیجا کہ کتاب لکھی جائے کہ یادگار رہ جائے، چنانچہ دیباچہ مین لکھتے ہین،

چو سلطان جہان شاہ جوان بخت          کہ برخوردار باد از تاج واز تخت
بہ سلطانی بہ تاج وتخت پیوست          بجای ارسلان بر تخت بنشست
من این گنجینہ را در می گشادم          بنای این عمارت می نہادم
اشارت رسنگے ازدرگاہ معمور          بہ شغل بندہ الفتا کرد منشور
کزین میسان تحفہ عالی بسازد          کہ عقل از منتش گردن فرازد

جس زمانہ مین نظامی یہ مثنوی لکھ رہے تھے، ان کے ایک دوست جو مذہب مین نہایت تعصب رکھتے تھے، ان کے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے لہجہ مین کہا کہ کافرون کے جھوٹ سچ قصے لکھنے سے کیا فائدہ،

فسون بت پرستان بفگن از مشت          فسون خوانی مکن بر زند و زردشت
بہ توحید زن کاوازہ داری          چرا رسم مغان را تازہ داری

لیکن نظامی نے جب مثنوی کے چند اشعار پڑھکر سنائے، تو انھون نے بیساختہ کہا،

چنین سحرے تو دانی ساز کردن          بتے با کعبہ انباز کردن

شیرین خسرو جب انجام کو پہونچی تو محمد بن ایلدگز جو درحقیقت تاج وتخت کا مالک تھا، وفات کرچکا تھا اور اس کا بھائی قزل ارسلان اس کا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اگر

شیرین خسرو کے تمام ہونے کی خبر پہنچی تو نظامی کی طلبی کا فرمان بھیجا، قاصد فرمان لیکر آیا، نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسہ دیکر کھولا، چنانچہ شیرین خسرو کے خاتمہ مین خود فرماتے ہین،

مثال شاہ را بر سر نہادم ۔۔ سہ جا بوسیدم و سر بر کشادم

اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوے، اور دشت و بیابان طے کرتے ہوے قریباً ایک مہینہ مین پاے تخت مین پہنچے، قاصد نے جاکر دربار مین اطلاع کی قزل ارسلان نے شمس الدین محمد کو حکم دیا کہ خود جاکر ان کو ساتھ لائے، دربار مین پہنچے تو دیکھا کہ مجلس عیش آراستہ ہے، ساز چھڑ رہے ہین، گانا ہو رہا ہے، بادہ و جام کا دور چل رہا ہے، قزل ارسلان نے فوراً ان کے ادب سے گانا بجانا بند کرا دیا اور تخت سے اُٹھ کر تعظیم بجا لایا، پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا، ہر طرح کی باتین ہوتی رہین۔ بیچ بیچ مین بزرگانہ نصیحتین بھی کرتے جاتے تھے، مدحیہ نظم لکھ کر لے گئے تھے، اُس کو سُنانا چاہا قاعدہ یہ تھا کہ شعرا اپنا کلام خود نہین پڑھتے تھے، بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا اور اُسکو راوی کہتے تھے، چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا، یہ بھی دستور تھا، کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہو جاتا تھا اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا، نظامی نے بھی اس قاعدے کو بجا لانا چاہا لیکن قزل ارسلان نے قسم دلاکر منع کیا،

چو بر پا ایستادم گفت بنشین ۔۔ بہ سوگندم نشاند این منزلت بین

راوی نے مدح کے بعد، شیرین خسرو، کا قصہ شروع کیا، بادشاہ نظامی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوے نہایت شوق مین سُن رہا تھا اور بار بار بیساختہ تحسین کرتا جاتا تھا نظامی کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ آپ نے ہمیشہ کے لیے میرا نام زندہ کر دیا، اس کا صلہ دینا میرا فرض ہے پھر پوچھا کہ بھائی صاحب (اتابک پہلوان محمد بن ایلدگز) نے آپ کی



جاگیر مین جو دو گانون دیے تھے وہ آپ کو ملے یا نہین، اُنھون نے کہا،

بلے شاہ سعید از خاص خویشم ۔۔ پذیرفت انچہ فرمودی ز پیشم

چو رخت عمر او کشتی روان کرد ۔۔ مرا نے جملہ عالم را زیان کرد

قزل ارسلان نے ایک گانون جسکا نام حمدونیان تھا اپنی طرف سے جاگیر مین دیا[1]

معلوم نہین، جان کر یا غلطی سے، گانون جو جاگیر مین دیا گیا وہ غیر آباد و بنجر تھا چنانچہ نظامی نے شیرین خسرو مین اس کی شکایت اس تقریب سے کی ہے کہ حاسدون نے مجکو طعنہ دیا مین نے جواب مین کہا کہ غیر آباد ہے تو کیا، بادشاہ کا عدل اسکو آباد کر دیگا، نظامی کی شہرت اب اس قدر عالمگیر ہو گئی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آرزو ہوئی کہ ان سے اپنے نام پر تصنیفات لکھوائین کہ اس ذریعہ سے اُن کا نام بھی یادگار رہ جاے، ان مین علم و فضل کی قدردانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ آخستان تھا، جو سلاطین شروانیہ کے سلسلہ کا درۃ التاج تھا، یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنی بہرام چوبین کی یادگار تھا، منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تھا، خاقانی ابو العلا گنجوی (استاد خاقانی) ذو الفقار شروانی، شاہفور وغیرہ شعرا، اسی کے خوان کرم کے ریزہ خوار تھے، ابو العلا گنجوی اُسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاقانی کو افضل الشعرا کا خطاب اسی نے عنایت کیا، منوچہر نے اپنے ہاتھ سے نظامی کو دس پندرہ سطرون کا خط لکھ کر بھیجا کہ لیلیٰ مجنون کی داستان نظم کیجیے چنانچہ دیباچہ مین خود کہتے ہین،

در حال رسید قاصد از راہ ۔۔ آورد مثال حضرت شاہ

بنبشتہ بہ خط خوب خویشم ۔۔ دہ پانزدہ سطر نغز بیشم

[1] یہ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیرین خسرو کے خاتمہ مین لکھے ہین،

کاے محرم حلقۂ غلامی　　جادو سخن جہان نظامی
خواہم کہ بہ یاد عشق مجنون　　گوئی سخنے چو دُر مکنون

خط پہنچا تو نظامی کو تردد ہوا، اتفاق سے اُن کے صاحبزادے محمد جنکی عمر اسوقت ۱۴ برس کی تھی، اسوقت موجود تھے، اُنھون نے بھی تحریک کی، نظامی نے کہا جان پدر! قصہ کی شہرت مین کلام نہین لیکن جہان کی سرگذشت ہے وہان دلچسپی کا کوئی سامان نہین، باغ و بہار، چشمہ و سبزہ زار، رقص و سرود، شاہی دربار، خیل و حشم جاہ و جلال، کسی چیز کا پتہ نہین، خشک ریگ زار اور کوہستان مین، مین کیا صنعت گری دکھاؤن گا،

نے باغ و نہ بزم شہریاری　　نے رود نہ می نہ کامگاری
بر خشکی ریگ و سختی کوہ　　تا چند سخن رود در اندوہ

یہی بھید ہو کہ آجتک کسی نے اس قصہ کو ہاتھ نہین لگایا، صاحبزادے نے کہا یہ بڑے افسوس کی بات ہو کہ ایسا مؤثر اور عجیب و غریب واقعہ، نظم کی آرایش سے محروم رہ جائے، غرض نظامی نے بادشاہی ارشاد کی تعمیل شروع کی اور کچھ کم چار مہینے مین انجام کو پہنچائی، سال اتمام رجب ۵۸۴ھ ہو،

من گفتم و دل جواب می داد　　خاریدم، و چشمہ آب می داد
این چار ہزار بیت و اکثر　　گفتم بہ چہار ماہ کمتر
گر شغل دگر حرام بودے　　در چاردہ شب تمام بودے
تاریخ عیان کہ داشت باخود　　ہشتاد و چہار بود و پانصد

نظامی نے اس مثنوی کے صلہ مین بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ انکے صاحبزادے ولیعہد سلطنت کے ندیمون اور مصاحبون مین داخل کیے جائین،

۱۴ رمضان ۵۹۲ھ مین سلطان غیاث الدین کرب ارسلان علاء الدین آقسنقری



کی فرمایش سے ہفت پیکر لکھی، جسمین بہرام گور کا قصہ ہی،

قزل ارسلان کے مرنے کے بعد اس کا بھتیجا یعنی محمد بن ایلدگز کا فرزند ارجمند ابوبکر نصرۃ الدین ۵۸۷ھ مین مسند آرا ہوا، نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا اسوقت تک انھون نے جو کتابین لکھی تھین سلاطین وقت کی فرمائش سے لکھی تھین لیکن سکندرنامہ اپنی خواہش سے لکھا، اور ابوبکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا یہ کتاب ۵۹۹ھ مین انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندرنامہ بحری کے خاتمہ مین لکھتے ہین،

بہ پایان شد این داستانی دری　　بہ فیروز فالی و نیک اختری
ز ہجرت چنان بر دہم یادگار　　نود و نہ گذشتہ ز پانصد شمار

کتاب لکھ کر بادشاہ کے حضور مین پیش کی تو مقررہ رقم[1] کے علاوہ سواری کا گھوڑا بیش قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا،

اساتذہ سے مین نے سنا ہو کہ سلاطین وقت نظامی کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی اُن کے بیٹے سے بیاہ دی تھی، مین نے کسی کتاب مین یہ واقعہ نہین دیکھا، لیکن سکندرنامہ بحری کے خاتمہ سے اس قدر بہ تصریح ثابت ہوتا ہو کہ نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمد کو، نصرۃ الدین کی خدمت مین بھیجا تھا، چنانچہ کہتے ہین،

دو گوہر برآمد ز دریاے من　　فروزندہ از ردی شان رائے من
یکے عصمت مریمے یافتہ　　یکے نور عیسیٰ برو تافتہ
فرستادم ہر دو را نزد شاہ　　کہ یاقوت را دُرج وارد نگاہ

[1] سکندرنامہ بحری کے خاتمہ مین یہ تصریح ہو لیکن تعجب ہو کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہے اگر یہ ہزار دینار بھی فرض کر لیے جائین تب بھی ایسی رقم ہے جو نہ نظامی کے شایان ہے نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہو،

عروسے کہ در راہ زما دربود ... بہ ار پردہ دارش برادر بود

بباید چو آید بر شہریار ... چنین پردگی را چنان پردہ دار

چو من نزل خاص تو جان دادہ ام ... جگر نیز با جان فرستادہ ام

اخیر شعر سے صاف یہ راز کھل جاتا ہی،

اِس کتاب کی تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہان اور حکمار کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے، اپنے نام کی بھی سُرخی قائم کی ہی، اُس کے ذیل مین لکھتے ہین،

نظامی چو این داستان شد تمام ... بہ عزم شدن تیز برداشت گام

فزون بود شش مہ ز شصت و سہ سال ... کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال

اِس کتاب پر ان کی شاعری اور عمر دونون کا خاتمہ ہوا، سال وفات مین سخت اختلاف ہی، دولت شاہی مین ۵۹۶ھ لکھا ہی، لیکن یہ خود نظامی کی تصریح کے خلاف ہے تقی کاشی نے ۶۰۶ھ لکھا ہی، جامی ۵۹۲ھ بیان کرتے ہین، لیکن اسقدر قطعی ہی کہ ۵۹۹ھ کے بعد اُنکی وفات ہوئی ہی، اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہین بڑھے،

چونکہ اُنھون نے تمام عمر گوشۂ عزلت سے قدم نہین نکالا، نہ لوگون سے زیادہ ملتے جلتے تھے، اِس لیے اُنکی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہین، عام تذکرہ نویس، ان کے اِس وصف کے نہایت مداح ہین کہ وہ بادشاہون کی خوشامد اور درباداری سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین اُن کے ساتھ ارادت و اعتقاد کے ساتھ پیش آتے تھے، اُن پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن اُنکی کتابون مین سلاطین کی جو مدحین ہین اُن مین وہی حد سے زیادہ مبالغہ خوشامد و تملق ہی جو عام مداحون کا انداز ہی بلا اس سے بڑھکر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہین، اِس طرح کرتے ہین کہ معلوم ہوتا ہی کہ انکو اِس کے سوا، کسی دربار سے تعلق نہین اور وہ اِس کو فرمانرواے عالم سمجھتے ہین،



بے شبہ اُنھون نے مدحیہ قصائد نہین لکھے لیکن مثنویون مین اِس زور کی مدحین لکھین جن کے آگے قصائد کی کوئی ہستی نہین، ملاحظہ ہو،

ولایت ستان شاہ گیتی پناہ ... فریدون کمر بلکہ خاقان کلاہ

ستارہ کہ بر چرخ ساید سرش ... زدہ سکۂ عبدہٗ بر درش

چو تیر از کمان کمین افگند ... سر آسمان بر زمین افگند

فرنگ و فلسطین و رہبان روم ... پذیراے فرمان مہرش چو موم

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہون کے سامنے اپنے آپ کو، جس حیثیت سے پیش کرتے ہین، وہی ہوتی ہی جو گداپیشہ شاعرون کا انداز ہی یعنی حضور کا نمک خوار ہون، غلام ہون، بندۂ درگاہ ہون، حضور کی ذراسی توجہ سے میرے سارے کام بنجائین گے، حضور ہی میری مشکلون کو حل کر سکتے ہین،

**کلام** پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا جو آج مفقود ہی، دولت شاہ کا بیان ہی کہ اس مین غزلین، موشحات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے، تذکرون مین چند قصائد، قطعات، اور غزل کے جستہ جستہ اشعار پائے جاتے ہین، تعجب یہ ہی کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیان انہی کی بدولت وجود مین آئین، لیکن غزلین پھیکی اور بے مزہ ہین ملاحظہ ہو،

خوشا جانے کز و جانے بیاسود ... نہ درویشے کہ سلطانے بیاسود

نکوئی بر نکو روے بماناد ... کہ از لبہاش و ندانے بیاسود

بہ عمر خود پریشانی مبیناد ... دلے کز وے پریشانے بیاسود

---

مرا گوئی کہ چونی؟ چونم اے دوست ... جگر پُر درد و دل پر خونم اے دوست

شنیدم عاشقان را مے نوازی ... مگر من زان میان بیرونم اے دوست

پیش تو کردہ ام عیان حال تباہِ خویش را    تا تو نصیحتے کنی چشم سیاہِ خویش را
سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر ز من شوی    گر نگری در آئینہ روے چو ماہ خویش را

---

ختنی جمالی لے مہ زحبش چہ نام داری    تو بجز خطے و خالے زحبش کدام داری
حبشی منم نہ در تن ہمہ سوخت است خونم    ختنی تو ئی کہ در بر ہمہ سیم خام داری
حبشی است زنگ مو یت، ختنی است رنگ رویت    تو میان این دو کشور بہ کجا مقام داری
حبشی سفید نبود، ختنی نمک نہ دارد    تو بغایتِ سفیدی نمکے تمام داری

انہی بوڑھے غمزدون مین، کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہین،

بوسہ می خواہم ازان لب تو چہ می فرمائی    گر صواب است بگو ورنہ خطاے بکنم
مین لب کا ایک بوسہ چاہتا ہون کہیے کیا راے ہی؟    مناسب ہو تو بہتر ورنہ نامناسب ہی کیا جائے

قصیدے بہت ہین، لیکن ان مین بھی کوئی خاص بات نہین سنائی کا انداز ہی، اخلاق اور تصوف کو ترکیب دیکر کہتے ہین، لیکن سنائی سے بہت پیچھے ہین، اس لیے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف شستہ اور پُر لطف کہا ہی، جس کا آج تک جواب نہ ہو سکا،

دوش رفتم بہ خرابات و مرا راہ نبود    می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود
یا نہ بد ہیچ کس از بادہ فروشان بیدار    یا کہ من ہیچ کسم ہیچ کسم، در نکشود
پاسے از شب بگذشت بیشتر ک، یا کمتر    رندے از غرفہ برون کرد سر و رخ بنمود
گفت خیر است! درین وقت کرا میخواہی    بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود
گفتمش در بکشا، گفت برو ہرزہ مگوی    کاندرین وقت کسے بہر کسے در نکشود
این نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند    کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش استی زود
این خرابات مغان ست درو رندانند    شاہد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود



ہر چہ در جملہ آفاق درینجا حاضر    مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود
گر تو خواہی کہ دم از صحبتِ ایشان بزنی    خاک پاے ہمہ شو تا کہ بیابی مقصود

عصمت نجاری اور عرفی نے قوافی بدل کر اس کا جواب لکھا ہی، لیکن جواب نہو سکا عصمت کا قطعہ یہ ہی،

سر خوش از کوی خرابات گذر کردم دوش    بہ طلب گاری ترسا بچہ باده فروش
پیشم آمد بہ سر کوچہ پری رخسارے    کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش
گفتم این کوی چہ کوی ست ترا خانہ کجا است    لے مہ نو خم ابروی ترا حلقہ بگوش
گفت تسبیح بہ خاک افگن و زنار ببند    سنگ بر شیشہ تقوی زن و پیمانہ بنوش
بعد ازان پیش من آ تا بتو گویم سخنے    راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش
دین بر افگندہ و مدہوش دویدم در پیش    تا رسیدم بہ مقامے کہ دین ماند و نہ ہوش
دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست    از خم بادہ عشق آمدہ در جوش و خروش
بے می و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرود    بے می و جام صراحی ہمہ در نوشا نوش
چون سر رشتہ ناموس برفت از دستم    خواستم تا سخنی پرسم ازو گفت خموش
این نہ کعبہ ست کہ بے پا و سر آئی بہ طواف    وین نہ مسجد کہ چنین بے ادب آئی بخروش
این خرابات مغان است درو رندانند    از دم صبح ازل تا بقیامت مدہوش

قصیدہ مین ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ہی کہ اگرچہ ان کو مختلف درباروں سے تعلق تھا اور جسقدر مثنویان لکھین سب کسی نہ کسی فرمانروا کے نام پر لکھین، تاہم قصیدہ کو اُنھون نے مداحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صرف سے اور بھی مفید کام لیے جا سکتے ہین، لیکن افسوس ہی کہ ان کے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، قصیدے اُسوقت سے آج تک خوشامد کی طرز مین ادا کیے جاتے ہین،

---

# نظامی کی شاعری

**نظامی** نے شاعری کو جسطرح ترقی دی اور جو باتین اُس مین پیدا کین ان کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین، لیکن پہلے ان سب کو اجمالاً لکھدینا چاہیئے تاکہ یکجائی طور سے سب باتین پیش نظر ہو جائین، ان کی خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) جامعیت، یعنی شاعری کی ہر صنف کو اُنھون نے ترقی دی۔

(۲) زور کلام،

(۳) بلاغت،

(۴) جدت استعارات اور تشبیہات،

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخیل،

(۶) اولیات یعنی بہت سی باتین اول انہی نے ایجاد کین،

اب ہم ایک ایک کو تفصیل سے لکھتے ہین،

**جامعیت** ایران مین جسقدر شعرا گزرے ہین وہ خاص خاص انواع شاعری مین کمال رکھتے تھے، مثلاً **فردوسی** رزم کا مرد میدان ہے، عشقیہ شاعری مین اسکو کمال نہین **سعدی** اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہین، لیکن رزم مین پھیکے ہین چنانچہ سکندر نامہ کی طرز پر شاطر اصفہانی کی جو حکایت بوستان مین لکھی ہے اگرچہ اسمین اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے لیکن وہ بوڑھاپن نہین جاتا، ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے دوسرے مین دفعۃً پست ہو جاتے ہین، **خیام** صرف فلسفہ لکھ سکتا ہے، **حافظ** صرف غزل لکھ سکتے ہین، بخلاف اسکے **نظامی** نے رزم، بزم، فلسفہ، عشق، اخلاق سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے لاجواب لکھا ہے، البتہ مدح ان سے نہین بن پڑتی، لیکن مدح کوئی شاعری نہین شاعر بھاٹ نہ ہو تو اس کی شاعری مین کیا نقص ہے،



نظامی کی انواع شاعری پر الگ الگ بحث آگے آتی ہے،

**اولیات، نظامی** بہت سی باتون کے موجد ہین،

مثلاً سب سے پہلے انہی نے پانچ مختلف بحرون مین مثنویان لکھین، جسکی تقلید اُسوقت سے آج تک تمام بڑے بڑے شعرا کرتے آئے ہین، چنانچہ اُن کے خمسہ پر تمام اکابر شعرا نے خمسہ لکھا ہے،

مخزن اسرار اور ہفت پیکر کی بحر کو اول انہی نے مثنوی مین داخل کیا،

سب سے پہلے انہی نے ایک مثنوی (مخزن اسرار) مین پانچ نعتین لکھین، اور ہر ایک کا جدا رنگ ہے،

سب سے پہلے انہی نے فلسفیانہ مباحث کو نظم کیا،

سب سے پہلے انہی نے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا،

سب سے پہلے اُنہی نے قصیدہ کو مدح سے پاک کیا،

**زور کلام** **نظامی** سے پہلے شعرا کا کلام، صفائی، سادگی، شُستگی تک محدود رہا تھا، اور انہی چیزون کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا **نظامی** پہلے شخص ہین جس نے ترکیبون مین چُستی اور کلام مین زور، بلندی اور شان و شوکت پیدا کی **عرفی** اور **ابوالفضل** کی نظم و نثر کا زور مشہور ہے مگر دونون پر **نظامی** ہی کا اثر ہے، یہانتک کہ طغرا نے کہدیا کہ ابوالفضل نے سکندر نامہ ہی کو لیکر نثر کر دیا ہے،

**فردوسی** کے زمانہ تک روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ مثنویون کی زبان وہی رہی، البتہ قصائد مین جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا، عربی الفاظ اور ترکیبین کثرت سے شامل ہو جاتی تھین یہانتک کہ علوم عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی وہی مخلوط العربیتہ فارسی ہو گئی اب عربی الفاظ کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بدمزہ اور بے اثر کر دینا تھا، اسلیے **نظامی** نے

اس باب مین فردوسی کی تقلید نہین کی؛ بلکہ اُسی زبان کو لیا جو ملک اور قوم کی عام زبان تھی، لیکن انکی نکتہ سنجی یہ ہو کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ ان کے ہان آتے ہین، وہ ہوتے ہین کہ اس کا ہم معنی کوئی لفظ اس انداز اور شان و شوکت کا تمام زبان مین نہین ملسکتا، یہی بات ہو کہ ان کے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظون مین ادا کرنا چاہتا ہو تو وہ شان قائم نہین رہتی۔ مثلاً اُنکا یہ شعر کمند کی تعریف مین ہو،

کمند، اژدہاے مسلسل شکنج　　دہن باز کردہ بہ تاراج گنج

سعدی اسی مضمون کو لیکر یون تصرف کرتے ہین،

بہ صید ہژبران پرخاش ساز　　کمند اژدہاے دہن کردہ باز

دونون کے مضمون اور معنی مین جو فرق ہو، اس سے یہان بحث نہین، لیکن الفاظ کی ساخت اور ترکیب پر غور کرو، کسقدر فرق ہو، مسلسل، شکنج، تاراج، گنج، یہ الفاظ اور ان کی پر زور ترکیب، سعدی کے ہان کہا ہو،

فردوسی، سعدی، اور نظامی کے ہان جو مضامین مشترک ہین، اُن کا باہم موازنہ کرو، بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبون کی چستی اور نظم و نسق مین نظامی کا کلام علانیہ ممتاز نظر آئے گا، نمونہ کے لیے ہم صرف دو ایک مثالین درج کرتے ہین،

فردوسی خدا کی ذات اور عالم غیر عنصری کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو اس طرح ادا کرتا ہو،

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ　　کہ او برتر از نام و از جایگاہ
سخن ہر چہ زین گوہران بگذرد　　نیابد بدو راہ جان و خرد
ازین پردہ برتر سخن گاہ نیست　　بہ ہستیش اندیشہ را راہ نیست

نظامی اسی مضمون کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین،

اساسے کہ در آسمان و زمی است　　بہ اندازہ فکرت آدمی است



شود فکر اندازہ را رہنمون　　سر از حد اندازہ نارد برون
بہر پایۂ دست چندان رسد　　کہ آن پایہ را حد بہ پایان رسد
چو پایان پذیرد حد کائنات　　نماند در اندیشہ دیگر جہات
میندیشد اندیشہ افزون ازین　　کہ ہستی نہ، بلکہ بیرون ازین

اسی مضمون کے قریب قریب یہ اشعار ہین،

چنان برکشیدی و بستی نگار　　کہ بہ زان نیارد خرد در شمار
چنان بستی این طاق نیلوفری　　کہ اندیشہ را نیست زو برتری
چنان آفریدی زمین و زمان　　ہمان گردش انجم و آسمان
کہ چندان کہ اندیشہ گردد بلند　　سر خود بردن ناورد زین کمند

شاید تم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ، اب نامانوس ہین نظامی انکے بجاے متداول الفاظ لاتے ہین؛ اس کے سوا، نظامی کو یہ موقع حاصل ہو کہ جہان فارسی الفاظ سے شان و شکوہ نہ پیدا ہو سکے، وہان عربی الفاظ سے کام لین؛ فردوسی، اپنے التزام کی وجہ سے ایسا نہین کر سکتا، لیکن یہ خیال صحیح نہین؛ نظامی جہان خود فردوسی کی بولی بولتے ہین؛ وہان بھی یہ فرق قائم رہتا ہو، عناصر کی ابتدا اور انکی ترکیب کو دونون نے لکھا ہو اور خالص سادہ فارسی مین لکھا ہو؛ فردوسی

از آغاز باید کہ دانی درست　　سرمایۂ گوہران از نخست
یکے آتشے بر شدہ تابناک　　میان باد و آب از بر تیرہ خاک
نخستین کہ آتش ز جنبش دمید　　ز گرمیش پس خشکی آمد پدید
وزان پس ز آرام سردی نمود　　ز سردی ہمان باز تری فزود
چو این چار گوہر بجاے آمدند　　ز بہر سپنجی سراے آمدند
گہر ہا یک اندر دگر ساختہ　　ز ہر گونہ گردن برافراختہ

یعنی عناصر (گوہر) کی ابتدا یون ہوئی کہ پہلے آگ بلندی پر پیدا ہوئی، اس کے پیچھے ہوا، پھر پانی، پھر خاک، آگ حرکت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے یبوست پیدا ہوئی پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یہ عناصر باہم ترکیب پاکر عالم بنا، **نظامی**

نگشت سپہر آتش آمد پدید ۔۔۔ کہ آتش بہ نیروی گردش دمید
زنیروے آتش ہواے کشاد ۔۔۔ کہ مانند او گرم دارد نہاد
بہ بادے گرانیدہ شد گوہرش ۔۔۔ کہ گردندگی دور بود از برش
چکید از ہوا ترے در مغاک ۔۔۔ پدید آمد آبے چنان نغز و پاک
چو ہر چار گوہر بہ امر خداے ۔۔۔ گرفتند بر مرکز خویش جاے
مزاج ہمہ درہم آمیختند ۔۔۔ وز ورستنیہا برانگیختند

ان اشعار مین امر، مرکز، مزاج، کے سوا باقی تمام الفاظ فارسی ہین، لیکن فردوسی کے الفاظ اور ترکیب الفاظ مین وہ بلندی اور شان نہین، جو نظامی کے ہان ہے، گشت سپہر نیرو، نہاد، گرانیدہ، گردندگی، مغاک، نغز، ان الفاظ اور ان کی حسن ترکیب نے جو بات پیدا کی مذاق صحیح اس کا اندازہ کر سکتا ہے،

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہے،

نخستین طلسمے کہ پرداختند ۔۔۔ زمین بود ترکیب از وساختند
چو نیروے جنبش در و کردگار ۔۔۔ بافسردگی زود آمد بجار
از و ہر چہ رخشندۂ پاک بود ۔۔۔ سزا دار اجرام افلاک بود
وگر بخشہا کان بلندی نداشت ۔۔۔ بہر مرکزے پایۂ می گزاشت
یکے بخش از و آتش روشن است ۔۔۔ کہ بالاترین طاق این گلشن است
دگر بخش از و باد جنبندہ خواست ۔۔۔ کہ تا او نہ جنبد نداند کواست



سوم بخش از و آب راوق پذیر ۔۔۔ کہ ہستش ز راوق گری ناگزیر

ان اشعار مین اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجاے فارسی مین ادا کیا ہے، مثلاً

| عربی | فارسی | عربی | فارسی |
| --- | --- | --- | --- |
| قوت حرکت | نیروی جنبش | قسر | افسردگی |
| نوع | بخش | مادہ | مایہ |
| متحرک بالطبع | جنبندہ خو | سیّال | راوق پذیر |

**نظامی** کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہے، مثلاً نظامی انقلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگیزی کو اس طرح ادا کرتے ہین،

فلک بر بلندی، زمین بر مغاک ۔۔۔ یکے طشت خون شد یکے طشت خاک
نوشتہ برین ہر دو آلودہ طشت ۔۔۔ ز خون سیاوش بسے سرنوشت

سعدی اسی مضمون کو اسطرح بیان کرتے ہین،

زدم تیشہ یک روز بر تل خاک ۔۔۔ بگوش آمدم نالۂ دردناک
کہ زنہار اگر مردی آہستہ تر ۔۔۔ کہ چشم و بنا گوش و روی است و سر
جوانی شد و زندگانی نماند ۔۔۔ جہان گو بمان چون جوانی نماند

عہد شباب کی حسرت کو دونون نے لکھا ہے، **نظامی** کہتے ہین،

چو باد خزانی درافتد بہ باغ ۔۔۔ زمانہ دہد جاے بلبل بہ زاغ
بود برگ ریزان چو شاخ بلند ۔۔۔ دل باغبان زان شود دردمند
بنال اے کہن بلبل سالخورد ۔۔۔ کہ رخسارۂ سرخ گل گشت زرد
دوتا شد سہی سرو آراستہ ۔۔۔ کدو بور شد از باغ برخاستہ
فرو ماند دستم زمے خواستن ۔۔۔ گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۂ لاجوردی گرفت ۔۔۔ گلم سرخی انداخت زردی گرفت

ہیون رونده زره ماند باز  ببالین گہ آمد سرم را نیاز

سعدی لکھتے ہین،

چو باد صبا بر گلستان وزد  چمیدن درخت جوان راسزد
نہ زیبد مرا با جوانان چمید  کہ بر عارضم صبح پیری دمید
شمار است نوبت برین خوان نشست  کہ ما از تنعم بشستیم دست
گل سرخ رویم، نگر زر ناب  فرورفت چون زرد شد آفتاب
گلستان ما را طراوت گزشت  کہ گلدستہ بندد چو پژمرده گشت

**قوت تخئیل** شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات مین ان کی جدّت اور اختراع کی عجیب وغریب صناعیان نظر آتی ہین، قصہ کے خاکے کھینچنے مین، ترتیب واقعات مین، تمہید مین، واقعہ نگاری مین، بندش مضامین مین، استعارات مین، مبالغون مین ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہی، اور ثابت ہوتا ہی کہ ان کی قوت تخیل (امیجنیشن) کسقدر قوی اور زبردست ہی،

بادشاہ کی مدح لکھتے ہین، اور یہ تمہید اٹھاتے ہین،

علم برکش اے آفتاب بلند  خرامان شو اے ابر مشکین پرند
بنال اے دل رعد چون کوس شاہ  بخند اے لب برق چون صبحگاہ
بیار اے ہوا، قطرۂ ناب را  بگیر اے صدف در کن آن آب را
بر آ اے در از قعر دریائے خویش  بہ تاج سر شاہ کن جائے خویش

قدیم خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہین، اس سے بادل پیدا ہوتے ہین، بادل برستا ہی تو سیپ کے منھ مین جو قطرے پڑتے ہین، موتی بنجاتے ہین، ان خیالات کی بنا پر نظامی کہتے ہین،

اُو آفتاب، علم اٹھا، او سیہ پوش بادل، آہستہ آہستہ چل،



اُو رعد نقارۂ شاہی کی طرح کڑک  او بجلی صبح کی طرح ہنس،
اُو ہوا، قطرے برسا، اُو سیپ قطرہ کو لیکر موتی بنا، او موتی، دریا کی تہ سے نکل، اور نکل کر بادشاہ کے تاج پر جگہ لے،

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار ہی، لیکن شاعر کو قوت تخئیل کے ذریعہ سے یہی بات اس صورت مین نظر آتی ہی کہ عالم کا تمام کاروبار، صرف بادشاہ کی اوج وشان بڑھانے کے لیے ہی، اس کی قوت خیالیہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہی، ممدوح کے بل پر اس کو تمام عالم اپنا محکوم نظر آتا ہی، اور وہ تحکمانہ انداز سے آفتاب، بادل، رعد، برق، اور ہوا کو حکم دیتا ہی کہ اپنے اپنے کام انجام دیکر موتی تیار کرد، تاکہ بادشاہ کے تاج پر ٹانکے جائین، اس کے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی دروبست کو دیکھو کہ طلسم کا عالم نظر آتا ہی، پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کسطرح صرف ایک ایک مصرع مین کھپا دیا ہی،

**مثال ۲** - سکندرنامہ مین متعدد جگہ آفتاب کے غروب اور طلوع کو، بیان واقعہ کی حیثیت سے لکھا ہی، لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ قایم کیا ہی، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین،

چو یاقوت خورشید را دزد برد  بہ یاقوت جستن جہان پے فشرد
بہ دزدی گرفتند مہتاب را  کہ این برد آن گوہر ناب را

یعنی جب آفتاب کا یاقوت، چوری گیا تو زمانہ نے یاقوت کے ڈھونڈھنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جاکر پکڑا کہ اس نے یہ جوہر چرایا ہی، چونکہ آفتاب کے غروب کے بعد چاند نکلتا ہی، اس لیے اس کو چور قرار دیا،

کہ چون آتش روز روشن گزشت  پُر از دود شد گنبد تیز گشت
شب از ماہ بربست پیرایۂ  شگفتے بود نور در سایۂ

یعنی جب دن کی آگ بجھ گئی تو دھوان اٹھا (یعنی رات، اور گنبد (آسمان) مین بھر گیا،

رات نے چاند کا زیور پہنا، لوگون کو اس پر حیرت ہوئی کہ سایہ مین نور نظر آتا ہی،

دگر روز کین ساقی صبح خیز        زمی کرد برخاک، یا قوت ریز
(یعنے دھوپ)

---

چو خورشید بر زد سر از گنج نیل        فرو شست گردون قبا را ز نیل

---

چو در برقع کوہ رفت آفتاب        سر روز روشن، فرو شد بخواب
شب تیرہ چون اژدہای سیاہ        ز ماہی بر آورد سر سوے ماہ
سیہ کرد بر شبروان راہ را        فرو برد چون اژدہا ماہ را

---

سپاہ سحر چون علم بر کشید        جہان، حرف شب را قلم در کشید

---

چو سلطان شب، چتر بر سر گرفت        سواد جہان راہ عنبر گرفت
ستارہ چنان گنج از زر فشاند        کہ مہد زمین گاو، بر گنج راند

---

کہ چون شاہ چین صبح را بار داد        عروس عدن، (رات) دُر، (ستارہ) بہ دینار (آفتاب) داد
چو شب در سر آورد کحلے پرند        سر مہ در آمد بہ مشکین کمند

**استعارات اور تشبیہات** نظامی کی خصوصیات شاعری مین نہایت نمایان خصوصیت استعارات اور تشبیہات کی جدت ہی، استعارہ اور تشبیہ اگر صرف حُسن کلام اور تفنن طبع کے کام آئے تو وہ کوئی بڑی چیز نہین، لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہین جن کا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہی، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہی، جو بات صفحون مین ادا ہو سکتی ہی، ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہی، صورت واقعہ کی تصویر اس طرح سامنے آجاتی ہی،



کر کسی اور طرح سے نہین آسکتی تھی، اِس قسم کے استعارات اور تشبیہین اور شعرا کے ہان بہت کم پائی جاتی ہین، لیکن نظامی کا کلام ان سے بھرا پڑا ہی مثلاً دارا جب زخم کھا کر گرا ہی، اس موقع پر اس واقعہ کو یون ادا کرتے ہین

نسب نامۂ دولت کیقباد        ورق بر ورق ہر سوے بُرد باد

دارا سلسلۂ کیانی کا اخیر فرمانروا تھا، اور اس کے مرنے سے گویا، اس عظیم الشان خاندان کی تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو تشبیہ نے کس قدر مؤثر اور بلند کر دیا، دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا، یعنی جسطرح نسب نامہ مین تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہین، دارا کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہی اور اسکے دیکھنے سے کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس سب کی مجموعی عظمت و شوکت آنکھون مین پھر جاتی ہی، پھر اس کے مرنے کو یون بیان کیا کہ نسب نامۂ کیانی کا ایک ایک ورق اڑ گیا، اسی مضمون کو ایک اور تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیا ہی،

بہارِ فریدون و گلزار جم        ز باد خزان گشت تاراج غم

سکندر نے جب دارا کی سسکتی لاش کو اپنے زانو پر رکھ لیا ہی، اس موقع پر کہتے ہین،

سرِ خستہ را بر سر ران نہاد        شب تیرہ بر روز رخشان نہاد

سکندر نے جب دارا کو گستاخانہ جواب لکھا ہی، تو دارا کہتا ہی،

ازان ابر عاصی چنان ریزم آب        کہ نارد دگر دست بر آفتاب
اس سرکش بادل کو اس طرح نچوڑ دون گا        کہ پھر آفتاب پر ہاتھ نہ بڑھا سکے

سکندر نے جب ایک حبشی سردار پر حملہ کیا ہی تو حملہ کی تیزی اور زور کو اسطرح ادا کرتے ہین،

بہ کبک دری چون؟ در آید عقاب        چگونہ؟ جہد بر زمین آفتاب
ازان تیز تر خسرو پیلتن        بہ تندی در آمد بہ آن اہرمن

آفتاب سورج کو بھی کہتے ہین اور دھوپ کو بھی اس موقع پر بلاغت کے انداز کو دیکھو، تشبیہ سے

سے ابتدا نہین کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہین، کہ تم کو خیال ہے کہ عقاب، چکور پر کیونکر گرتا ہے، دھوپ کسطرح زمین پر فوراً چھا جاتی ہے؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن مین اچھی طرح یہ سمان قائم ہو جائے، پھر کہتے ہین "اس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ سکندر نے اس دیو پر حملہ کیا" حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کر کے سکندر کو آفتاب اور حریف کو زمین سے تشبیہ دینا، یون بھی موزون تھا، تشبیہ مرکب نے اس لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے،

سکندر نے جب ایک روسی پہلوان پر کمند پھینکی ہے، اس موقع پر کہتے ہین،

کمندِ عدو بند را شہریار    بینداخت چون چنبر روزگار

کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اسطرح کمند پھینکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہین سکتا تھا، اس مضمون کو چنبر روزگار کی تشبیہ نے کس قدر پُرزور کر دیا،

رسول اللہ صلعم نے جب خسرو پرویز کو خط لکھا ہے تو خط مین عرب کی رسم کے مطابق اپنا نام خسرو کے نام سے پہلے لکھا تھا، خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران مین بادشاہ کا نام عموماً تحریرون مین پیشانی پر لکھا جاتا تھا، رسول اللہ کا نام سرنامہ پر دیکھ کر خسرو سخت جھلا اٹھا، اور خط کو پُرزے پُرزے کر کے پھینکدیا، اس موقع کو نظامی نے شیرین خسرو مین جبان لکھا ہے، خسرو کی جھلاہٹ اور برہمی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہین،

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید    تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

دیوانہ کُتا جب کسی کو کاٹ کھاتا ہے، تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھ کر بڑے زور سے جھجکتا ہے، اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ کا خط آب شیرین ہے، خسرو نے چونکہ رسول اللہ کے خط سے بے ادبی کی ہے، اس لیے شاعر اسکو سگ نجس سمجھتا ہے فوری اور شدت کی جھلاہٹ، سگ گزیدہ کی اس مخصوص حالت سے بڑھ کر نہین ہوسکتی؛



ان سب باتون کو پیش نظر رکھو، تو نظر آئے گا کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہوسکتا تھا اور کسی طرح ادا نہین ہوسکتا تھا،

قدما، اور متاخرین کی خصوصیات جُدا جدا ہین اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ گو قدما، کی متانت، پختگی، جزالت، کے مقابلہ مین متاخرین کا کلام سبک معلوم ہوتا ہے تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتین اس قابل ہین کہ اُن پر رشک کیا جائے، ان مین ایک تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت ہے، قدما آس پاس کی چیزون سے سادہ سادہ تشبیہین پیدا کرتے تھے، استعارے بھی سادے اور سہل الماخذ ہوتے تھے، لیکن متاخرین کے زمانہ مین تمدن بہت ترقی کر گیا تھا، اس لیے انسانی احساسات نازک اور لطیف ہو گئے تھے، اس بنا پر اب قدما کی تشبیہین بے مزہ ہو گئی تھین، اسکو مادیات کے ذریعہ سے یون سمجھو کہ جب کسی قوم کا تمدن، ابتدائی حالت مین ہوتا ہے تو وہ نہایت تیز اور کرخت خوشبو کو پسند کرتی ہے، اور کم درجہ کی خوشبو کو اس کا دماغ اچھی طرح محسوس نہین کر سکتا، یہی سبب ہے کہ عرب مشک اور عنبر اور ہندو تلسی اور نازبو کی خوشبو پسند کرتے تھے لیکن آج چونکہ ہر چیز مین لطافت پیدا ہو گئی ہے، مشک اور تلسی کی خوشبو سے بعض وقت دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے، اب گلاب اور کیوڑہ کا عطر درکار ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریزی عطر محبوب ہے، جو اس قدر لطیف ہوتا ہے کہ عام آدمیون کو اسکی خوشبو محسوس بھی نہین ہوتی، استعارہ اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہے استعارہ اور تشبیہ کی یہ لطافت، متاخرین کا خاصہ ہے، مثلاً قدما، معشوق کے چہرہ کو آفتاب سے، اور اس کی ہنسی کو خندۂ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق مین ایک شاعر کہتا ہے، ع    صبح ز خورشید رخت خندہ،

یعنی معشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہو گئی، یعنی صبح خود معشوق کی ہنسی کا نام ہے، استعارہ اور تشبیہ کی اس لطافت اور نزاکت کے موجد نظامی ہین، اُنھون نے

زخویشان کسے نیست فریادرس　　امیدم بپروردگارست وبس
بدین گونہ خستہ بخاک اندرم　　زگیتی بدام ہلاک اندرم
برین است، آئین چرخ روان　　اگر شہریاری اگر پہلوان
بزرگی بعنبر جام ہم بگزرد　　شکاراست وم گش ہمی بشکرد
سکندر زدیدہ بیارید خون　　بران شاہِ خستہ بخاک اندرون
چو دارا بدید از دل درد اوی　　سرشک روان بر رخ زرد اوی
بدو گفت نگری کز وسود نیست　　زآتش مرا بہرہ جز دود نیست

مناظرِ　**مناظر قدرت** کو جابجا لکھا ہی اور جہان لکھا ہی، نیچر کی تصویر کھینچدی ہی، مناظر قدرت مین باغ و بہار ایک عام موضوع ہی جسپر تمام شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین، اور داد سخن دی ہی، لیکن نظامی یہان بھی سب سے علیحدہ اور سب سے ممتاز ہین تمام شعرا نے صرف بہار کا سمان دکھانے پر اکتفا کیا ہی، لیکن **نظامی** نے اس کے ساتھ یہ بھی دکھایا ہی کہ بہار مین ایک رنگین مزاج پر کسطرح نشہ سا چھا جاتا ہی، وہ باغ مین جاتا ہی، پھولون سے کھیلتا ہی، گلدستے بنا کر درختون پر اچھالتا ہی، نہر کے کنارے بیٹھ جاتا ہی اور شگوفے توڑ توڑ کر نہر مین بہاتا ہی، حوض کے پاس چنبیلی کے پھولون کا بچھونا بچھاتا ہی، بغل مین معشوق ہی، اُس کی زلفون کے حلقے اپنی گردن مین ڈالتا ہی، اور دنیا سے آزاد ہوجاتا ہی، مرغان چمن سے فرمائش کرتا ہی کہ ہان پھر اسی انداز سے اُڑنا ساتھ ہی ساز بھی چھیڑتا جاتا ہی، اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہی،

بیا باغبان خرمی ساز کن　　گل آمد در باغ را باز کن
**نظامی** بہ باغ آمد از شہر بند　　بیارای بستان بہ چینی پرند
زجعد[1] بنفشہ برانگیز تاب　　سر نرگس مست برکش زخواب

[1] یہ نکتہ بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ نظامی نے ان باتون کو بجائے خبر کے انشا کے پیرایہ مین ادا کیا ہی اور زیادہ بلیغ ہی



اس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہین پیدا کین کہ متاخرین مین سے بھی کسی ایک شاعر کے کلام مین نہین مل سکتین، چند مثالین ملاحظہ ہون،

بہ باغ شعلہ در، دہقان انگشت　　بنفشہ می درود لالہ می کشت

کہنا یہ تھا کہ انگیٹھی مین آگ جلائی تو دُھوان کم ہوجاتا تھا اور آگ بھڑکتی جاتی تھی، اس کو اسطرح ادا کیا کہ انگیٹھی کا دہقان، شعلون کے باغ مین بنفشہ کاٹتا جاتا تھا اور لالہ بوتا جاتا تھا،

در آمد نقشبند مانوی دست　　زمین را نقشہا ے بوسہ می بست

کہنا یہ تھا کہ مصور جب دربار مین آیا، تو آداب دربار کے موافق زمین بوس کرتا آتا تھا اس کو اس طرح پر ادا کیا کہ مصور بوسون سے نقش و نگار کرتا آتا تھا،

بہ نوشین لب، آن جام را نوش کرد　　زلب جام را حلقہ در گوش کرد

پیالہ پینے کے وقت لب، کی جو ہیئت پیدا ہوتی ہی اس کو حلقہ سے تشبیہ دی ہی، اور اس بنا پر پیالہ کو لب کا حلقہ بگوش قرار دیا ہی،

ہوا بر سبزہ ہا گوہر گسستہ　　زمرد را بہ مروارید بستہ

شبنم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرد سے تشبیہ دی ہی، اس بنا پر کہتا ہی کہ ہوا نے سبزہ پر جو موتی بکھیر دیے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمرد مین موتی ٹانک دیے ہین،

زگیسو گہ کمرے کرد وگہ تاج　　بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج

معشوقہ جو زلفون کا کبھی جوڑا باندھتی تھی اور کبھی کمر پر چھوڑ دیتی تھی، اس کو تاج و کمر سے تشبیہ دی ہی،

**قلم کی تعریف،** ع　　مشک در جیب لعل در دامان

عاشق و معشوق کا ہمکنار ہونا،

شبا روزے دگر خفتند مدہوش　　بنفشہ در سر و نسرین در آغوش

نوشابہ کا جواب دینا،

ز سیمائے سبزہ فرو شدی گرد    کہ روشن بہ شستن شود لاجورد
درختان شگفتند در طرف باغ    برافروختہ ہر گلے چون چراغ
بہ مرغ زبان بستہ آوازہ دہ    کہ پرواز یار ینہ را سازدہ
سراَیندہ کن نالۂ چنگ را    برآورد بہ رقص این دل تنگ را
سر زلف معشوق را طوق ساز    برافگن ز گردن خود این طوق آز
ریاحین سیراب را دستہ بند    برافشان بہ بالائے سرو بلند
ادان سیگون سکۂ نوبہار    درم ریز کن بر لب جوئبار
بہ پیراہن برگ اب گیر    ز سوسن درافگن بساط حریر

عشقیہ ایران کی شاعری کا اصل مایۂ ناز عشقیہ شاعری ہی اور اس مین شبہ نہین کہ عشق و عاشقی کے معاملات اور راز و نیاز جس رنگینی اور دلفریبی سے ایرانی شاعری نے ادا کیے، دُنیا کی اور کوئی زبان اس انداز سے ادا نہین کر سکتی؛ اس قسم کی شاعری کے لیے غزل مخصوص کر دی گئی ہی، اور اِسکے موجد **شیخ سعدی** خیال کیے جاتے ہین نام کے لیے غزل کی بنیاد ان سے بہت پہلے پڑ چکی تھی، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ قدمار کے بوڑھے غمزے ہین،

بے شبہ غزل کے موجد **سعدی** ہین، لیکن غزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد **نظامی** کا خاص کارنامہ ہی، عشقیہ مثنویان **نظامی** سے پہلے بھی لکھی گئین جنمین سے فردوسی کی یوسف زلیخا آج بھی موجود ہی، لیکن مثنویان وہی قدمار کی غزلین ہین، نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی اور اُس کو ترقی دی اُسکی تفصیل حسب ذیل ہی؛

(۱) عشق و عاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لیے ایک خاص زبان درکار ہی، جس کے الفاظ نازک، لطیف، اور شیرین ہون، خاص قسم کے استعارات اور



تشبیہین ہون، ادا مین دلآویزی اور دلفریبی ہو، یہ زبان خاص **نظامی** نے پیدا کی ہی، قدمار کی عشقیہ مثنویون کا نظامی کی کسی مثنوی سے مقابلہ کرو تو یہ فرق صاف نظر آتا ہی،

غزل کے مہمات مضامین یہ ہین معشوق کے حسن کی تعریف اور ناز و غمزہ کے کرشمے، الگ الگ اعضا کا بیان اور اُن کی تشبیہات، عاشق و معشوق کے معاملات یعنی راز و نیاز، اصرار و انکار، سوال و جواب، عجز و غرور وغیرہ ان تمام مضامین کو **نظامی** نے اس وسعت، تنوع، رنگینی، اور لطافت سے ادا کیا ہی کہ اُن کا ہر ہر شعر سیکڑون غزلون کا سرمایہ ہی، چند مثالین ذیل مین درج ہین،

شیرین کا غسل کرنا،

چو قصد چشمہ کرد آن چشمۂ نور    فلک را آب در چشم آمد از دور
پرند آسمان گون بر میان زد    بشد در آب و آتش در جہان زد
تن صافش کہ می غلطید در آب    چو غلطد قاقمے بر روی سنجاب
چو بر فرق آب مے انداخت از دست    فلک بر ماہ مروارید می بست
ز ہر سو شاخ گیسو شانہ می کرد    بنفشہ بر سر گل دانہ می کرد
در آب انداختہ از گیسوان شست    نہ ماہی بلکہ ماہ آوردہ در دست

**شیرین** آراستہ ہوکر **خسرو** کے سامنے آتی ہی،

پس آنگہ ماہ را پیرایہ بر بست    نقاب آفتاب از سایہ بر بست
فرو پوشید گلنارے پرندے    بر دہر شاخ گیسو چون کمندے
سر آغوشے بر آمودہ بگوہر    بہ رسم چینیان افگندہ بر سر
بدین طاؤس کردارے ہمائے    روان شد چون تذروے در ہوائے

ایک موقع پر جب **خسرو** نے **شیرین** سے زیادہ اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ برہم ہوکر

اُٹھی ہی، اس حالت مین اُس کا تن کر کھڑا ہونا، پیشانی کا غصے سے سمٹنا، چہرہ کا کُھلجانا، بدن ڈہکنے مین حُسن کا اور چمکنا، بالون کو کبھی سمیٹنا اور کبھی چھوڑ دینا، ان تمام اداؤن کو کس خوبی سے ادا کیا ہی،

بگفت این وچو سرو از جای برخواست — جبین را گرد کرد و فرق آراست
یہ کہہ کر سرو کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی — پیشانی سمٹ گئی اور قد تن گیا
بہ آن آئین کہ خوبان را بود دست — زنخدان می کشاد و زلف می بست
اس خاص انداز سے جسمین معشوقون کو کمال ہوتا ہی — چہرہ کھولنے اور بال سمیٹنے لگی
جمال خویش را در خز و خارا — بپوشیدن ہمے کرد آشکارا
اپنے حُسن کو حریر اور کمخواب مین جس قدر — چھپاتی تھی اُسی قدر اور کھلتا تھا
گہے بر فرق تند آشفتہ می بود — گرہ می بست و بر مہ مشک می سود
کبھی زلفون پر جھلاتی تھی، اس مین — گھونگر بناتی تھی اور چاند پر مشک ملتی تھی
بہ زیور راست کردن دیر می شد — کہ پایش سر بہ شمشیر می شد
زیور کے سبنھالنے مین دیر ہوئی جاتی تھی — کیونکہ جلدی کی وجہ سے اُسکا قدم تلوار پر تھا
زگیسو گہ کمر مے کرد گہ تاج — بدان تاج و کمر گشتہ محتاج
زلفون کو کبھی کمر پیٹتی تھی اور کبھی سر پر ڈالا باندھتی تھی — جو کمر بند اور تاج بناتی تھی اور اس کمر بند اور تاج کا خود خسرو بھی محتاج تھا

ایک موقع پر شیرین جب رو کر اُٹھی تو اس ادا سے اُٹھی جسمین لگاوٹ بھی پائی جاتی تھی، اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہی،

بہ چشمے ناز بے اندازہ می کرد — بہ دیگر چشم عذرے تازہ میکرد
چو سر پیچید گیسو مجلس آراست — چو رخ گردید گردن عذرہا خواست
نمود اندر رہ زینت، شاہ را پست — بہ گوگرد سفید آتش ہمی کشت
غلط گفتم نمودش تخت از عاج — کہ شہ را نیز باید تخت با تاج



حسابے دیگر آن بود ش صد ان گوے — کہ چشمم نیز محرابے است چون روے
دگر وجہ آنکہ گر وجہے شما ز دست — ازان روشن ترم وجہے دگر ہست
چہ خوش نازیست نازے خوبرویان — ز دیدہ راندہ را، دُزدیدہ جویان
بہ چشمے خیرگی کردن کہ برخیز — بہ دیگر چشم دل دادن کہ مگریز

مُنھ پھیر کر بھاگنے کی توجیہین کسقدر شاعرانہ ہین، یعنی اُس کو یہ دکھانا تھا کہ جسطرح میرا چہرہ، محرابی اور روشن ہی، اُسی طرح پیٹھ بھی محرابی اور بلوری ہی،

غزلیہ شاعری کا ایک بڑا میدان معشوق کا ناز و غرور ہی، **نظامی** نے داستان کی داستان اس مضمون پر لکھی ہی، جس کا ہر شعر غزل کا کام دے سکتا ہی،

خسرو نے جب شیرین کو شاہی اقتدار کا زور دکھانا چاہا ہی تو وہ کہتی ہی،

ہنوزت در سر از شاہی غرور است — دریغا کین غرور از عشق دور است
ابھی تک تیرے سر مین سلطنت کا غرور ہے — لیکن افسوس ہ عشق کو غرور سے کیا نسبت!!
درین گرمی کہ آہ سرد باید — دل آسان است با دل درد باید
اس گرمجوشی مین کہ آہ سرد کی ضرورت ہے — دل آسان ہی لیکن دلمین درد مشکل ہے
ہنوزم ہندوان آتش پرستند — ہنوزم چشم چون ترکان مستند
ابھی تک ہندو مجھکو پوجتے ہین — ابھی تک میری آنکھین تُرک ہین
ہنوزم لب پُر آب زندگانی است — ہنوزم آب در جوی جوانی است
ابھی تک میرے ہونٹون مین آب حیات ہی — ابھی تک میرے چشمہ مین آب شباب ہے
بہ غمزہ گرچہ ترکی دستانم — بہ بوسہ دل نوازی نیز دانم
اگرچہ غمزہ کے لحاظ سے مین ترک ہون — لیکن بوسہ سے دلداری بھی کر سکتی ہون
برو تا بر نکشانم بخون دست — کہ در گردن چنین خونم بسے ہست
ہٹ جا!! ایسا نہو کہ مین تیرے اوپر ہاتھ اٹھا دون — ایسے اور بہت سے خون میری گردن پر ہین

خسرو نے جب شاپور کے ہاتھ شیرین کو بُلا بھیجا ہی تو وہ کہتی ہی،

اگر خسرو نہ کیخسرو بود شاہ — نباید کردنش سرپنجہ با ماہ

بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر — سمندش را بہ رقص آرد بہ یک تیر

فرستم زلف را تا یک فن آرد — شکیبش را رسن در گردن آرد

مین زلف کو بھیجدونگی کہ چالاکی سے خسرو کے صبر کو گرفتار کرکے لائے

مزاحی کردم و او خواست پنداشت — دروغ گفتم و او راست پنداشت

مین نے تو دل لگی کی تھی تو وہ تقاضا سمجھے — مین نے جھوٹ کہدیا تھا وہ سچ سمجھ گئے

خسرو ایک مرتبہ چند ندیمون کے ساتھ مستی کی حالت مین شیرین کے مکان پر گیا شیرین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کر کوٹھے سے اُترنا مناسب نہ سمجھا، خواصون کو بھیجا کہ شہ نشین مین فرش کرکے وہین خسرو کو بٹھائین، خسرو کوٹھے پر جانا چاہتا ہی شیرین منظور نہین کرتی اس موقع کا سمان اور سوال وجواب کا انداز دیکھو،

رقیبے را بہ نزد خویشتن خواند — کہ مارا نازنین بر در چہ ماند

ایک خواص کو اپنے پاس بُلایا اور کہا — کہ مجھکو نازنین نے باہر کیون بٹھایا

درون شو، گو نہ شاہنشہ غلامی — فرستادست نزدیکت پیامی

اندر جاکر کہو کہ ایک شاہنشاہ نے نہین بلکہ — ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے

کہ مہمانے بہ خدمت مے گراید — چہ فرمائی؟ درآید یا نیاید

کہ ایک مہمان خدمت کے لیے آیا ہے — کیا ارشاد ہی؟ اندر آئے یا نہ آئے

بدین زاری پیام شاہ می گفت — شکر لب می شنید و آہ می گفت

بادشاہ کا عاجزانہ پیغام شیرین سُنتی تھی اور افسوس کرتی تھی،

کنیزے کاردان را گفت آن ماہ — بخدمت خیز و بیرون شو سوی شاہ

ایک ہوشیار کنیز سے شیرین نے کہا کہ — بادشاہ کے پاس جا



فلان شش طاق دیبا را برون بر — بزن با طاق این ایوان برابر

مخمل کے تھان لے جاکر — شہ نشین مین بچھادے

بنہ بر پیشگاہ و شقہ بربند — پس آنگہ شاہ را گو کاے خداوند

اور پردے باندھ کر — بادشاہ سے کہہ،

نہ تُرک این سرا ہندوی این بام — شہنشہ را چنین داد است پیغام

اس گھر کی تُرک (یعنی معشوق) نے نہین بلکہ — ہندو (غلام) نے حضور کو یہ پیغام دیا ہی

اس کے بعد خسرو اور شیرین سے دو بدو گفتگو ہوئی ہی خسرو کہتا ہی کہ تم نے دروازہ کیون بند کردیا، شیرین جواب دیتی ہی،

حدیث آن کہ در بستم روا بود — کہ سرمست آمدن پیشم خطا بود

چو من خلوت نشین باشم تو مخمور — ز تہمت رائے مردم کے بود دور

تو می خواہی مگر کز راہ دستان — بہ نقلا نم خوری چون نقل مستان

بدست آری مرا چون غافلان مست — چو گل بوی کنی و اندازی از دست

رہا کن نام شیرین از لب خویش — کہ شیرینی دہانت را کند ریش

تو در عشق من از مالی و جاہے — چہ دیدی جز خداوندی و شاہے

تو ساغر می زدی با دوستان شاد — قلم شاپوری زد تیشہ فرہاد

اس کے مقابلہ مین رندانہ شوخیان دیکھو، شیرین جب کسی طرح راضی نہین ہوتی تو خسرو اُس سے کہتا ہی،

بہ گستاخی درآمد کے دلارام — گرفتہ چند خواہی بد بیارام

خسرو نے گستاخانہ کہا کہ اے معشوق — یہ برہمی کب تک، ذرا نرم ہو،

چو می خوردی و می دادی بہ یار — چرا باید کہ من مستم تو ہشیار

تم نے شراب پی، اور مجھکو بھی پلائی، لیکن یہ خلاف انصاف ہے کہ مین مست ہوجاؤن اور تم ہوش مین ہو،

شمار بوسہ خواہد بود کارم    تو می دہ بوسہ تا من می شمارم

میرا کام صرف بوسہ کا گنتا ہو گا،    تم بوسہ دیتی جاؤ مین گنتا جاؤن گا

یعنے یہ کام تمھارا ہی ہو لیکن مین اس کو تمھاری خاطر سے انجام دیدون گا،

سکندر نے جب کنیزک چینی سے اختلاط کرنا چاہا ہو تو وہ غرور کے لہجہ مین اپنے اوصاف بیان کرتی ہو، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہین، لیکن اس موقع پر نظامی نے جدت آفرینی سے سکندر کا ایک ایک وصف بیان کر کے اس کے مقابلہ مین اُس کی ترجیح کی وجہین کنیز کی زبان سے ادا کی ہین

ملک گر ز جمشید بالا تر است    رُخ من ز خورشید زیبا تر است

شہ ار کیقباد بلند افسر است    مرا افسر از مشک و از عنبر است

شہ ار چون سلیمان شود دیو بند    مرا در جہان ہست دیوانہ چند

شہ ار زانکہ عالم گرفت ای شگفت    من آن را گرفتم کہ عالم گرفت

اگرچہ کمند جہانگیر شاہ    فتادہ است در گردن مہر و ماہ

کمندے من از زلف بر سازمش    نہ ترسم بہ گردن در اندازمش

گر او را کمندے بود ماہگیر    مرا ہم کمندے بود، شاہ گیر

گر او ناوک انداز ہ از دور دست    مرا غمزۂ ناوک انداز ہست

سکندر بہ حیوان، خطامی رود    من اینجا سکندر کجا می رود

اگر راہ ظلمات می بایدش    سر زلف من راہ بنمایدش

لب من کہ یاقوت رخشان در است    لبے چشمۂ آب حیوان در واست

رزمیہ  شاہنامہ کو سو برس سے اوپر ہو چکے تھے، اس عرصہ مین زبان مین بڑا انقلاب ہو گیا تھا، سیکڑون الفاظ بالکل متروک ہو گئے تھے، اکثر الفاظ، حرف زائد گرا کر خوبصورت قالب مین ڈھل چکے تھے، عربی کے نئے نئے مانوس الفاظ داخل



بہ پاسخ نمودن زبان ہوشمند    زبا قوت سر بستہ بکشاد بند

ازان سیمگون سکۂ نوبہار    درم ریز کن بر لب جویبار

آغاز بہار مین جو شگوفے کھلتے ہین ان کو، بہار کا سکہ قرار دیا ہی،

زباریدن ابر کافور بار،    سمن رستہ از دستہاے چنار

یعنے چنار کے پتون پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنار کے ہاتھون پر چمبیلی کے پھول کھلے ہین،

سمنبر غافل از نظارۂ شاہ    کہ سنبل بستہ بد بر نرگسش راہ

یہ اسوقت کا بیان ہو کہ شیرین نہا رہی تھی، اور زلفون کو چہرہ پر چھوڑ دیا تھا، شعر کا مطلب یہ ہو کہ شیرین کو خسرو کے نظارے کی خبر نہ تھی، کیونکہ سنبل نے نرگس کا راستہ روک رکھا تھا،

کشادہ طاق ابرو تا سر دوش    کشیدہ طوق غبغب تا بنا گوش

---

خواب نرگس، خمار دیدۂ او    ناز نسرین، درم خریدۂ او

---

چو بر فرق، آب مے انداخت از دست    فلک بر ماہ مروارید می بست

سمن ساقی و نرگس جام بر دست    بنفشہ در خمار و سُرخ گل مست

---

نہفتہ تاب زلف افگندہ بر دوش    کشادہ باد نسرین را بنا گوش

---

گونہ گونہ گلے شگفتہ در و    سبزہ بیدار آب خفتہ در و

بعض اوقات تشبیہ سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے اس قسم کی تشبیہات

آج تک کسی نے نظامی سے بڑھ کر بلکہ اُن کے برابر بھی نہین پیدا کین، مثلاً

کمند اژدہاے سلسل شکنج　　دہن باز کردہ بہ تاراج گنج

---

زمین کو بساطے بُد آراستہ　　غبارے شد از جای برخاستہ

---

دران دجلۂ خون، بلند آفتاب　　چو نیلوفر، افگند زورق در آب

---

ز شمشیر برگشتہ جاے نبود　　کہ در غار وے اژدہاے نبود

رغم کو غار اور تلوار کو اژدہاے سے تشبیہ دی ہی،

لے مدنی برقع وکمی نقاب　　سایہ نشین چند بود آفتاب

---

تاج و تخت تو دارد جہان　　تخت زمین آمد و تاج آسمان

---

ز بس خون کہ گرد آمد اندر مغاک　　چو گوگرد سُرخ آتشین گشت خاک

نہنگ خدنگ از کمین کمان　　نیاسود بر ریگ زمین یک زمان

شاعری کی لطافت اور رنگینی کا ایک بڑا راز یہ ہی کہ بے جان چیزون کو صاحب ادراک قرار دے کر اُن کی نسبت ارادی کام منسوب کیے جائین مثلاً عرفی کہتا ہی

نہ گفت و من نشنودم، ہر آنچہ گفتنی داشت　　کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم

لبش چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت　　فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

یعنی اُس نے کچھ نہیں کہا لیکن مین نے سن لیا، کیونکہ تقریر کرنے مین، اُس کی



نگاہون نے زبان سے پیشدستی کی، جب ہونٹون نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامعہ کوثر کی موجون مین ڈوب گیا، یا مثلاً

راضیم از نگہ شوق کہ گوید ہمہ باز　　از زبان، انچہ دم عرض تمنا ماند

متاخرین نے اِس طرز کو نہایت وسعت دی، اور اِس سے نہایت لطیف اور رنگین نئے نئے اسلوب پیدا کیے، لیکن اس طرز کے موجد نظامی ہین، شیرین خسرو مین لکھتے ہین

نہان بادشاہی گفت آن بناگوش　　کہ مولاے توام، با حلقہ در گوش

چو سر پیچید، گیسو مجلس آراست　　چو رخ گردید گردن عذرہا خواست

بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر　　سمندش را برقص آید بیک تیر

بگویم زلف را تا یک فن آرد　　شکیش را رسن در گردن آرد

نظامی کے یہ مضامین، متاخرین کے شمع راہ بنے، جسکی روشنی مین ان کو گوناگون اسالیب کا سلسلہ ہاتھ آگیا، نظامی نے جب (پہلے شعر مین) بناگوش کی نسبت یہ باندھا کہ اسی نے چپکے سے بادشاہ سے کہا، تو بے تکلف ایک شاعر اس کو یون بدلکر کہہ سکتا ہی،

ع زلف او خم شدہ در گوش سخن می گوید،

شعر کے سیکڑون انواع ہین، لیکن بڑی قسمین یہ ہین، رزمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ اخلاقی، جذبات انسانی کا اظہار، او رمناظر کی تصویر، ان مین سے ہر نوع کو نظامی نے لیا ہی اور معراج ترقی تک پہنچایا ہی،

سکندر نامہ مین اُنھون نے لکھا ہی کہ سکندر کے حالات تین حیثیتین رکھتے ہین سلطنت، نبوت، فلسفہ وحکمت مین تین قسم کے حالات لکھون گا اور تفصیل سے لکھون گا،

گروہیش خوانند صاحب سریر　　ولایت ستان بلکہ آفاق گیر

گروہے ز دیوان دستور او     بہ حکمت نوشتند منشور او
گروہے ز پاکی و دین پروری     پذیرا شدندش بہ پیغمبری
من از ہر سہ دانہ، کہ دانا فشاند     درختے برومند خواہم نشاند

چنانچہ سکندر نامہ بری مین، کشورستانی، اور سکندر نامہ بحری مین، پیغمبری واقعات اور فلسفیانہ بحثین ہین،

فارسی مین فلسفیانہ مسائل ناصر خسرو کے سوا، کسی نے ادا نہین کیے، لیکن ناصر خسرو نے تمام اصطلاحین وہی عربی کی قائم رکھی ہین، اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی مین فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہین تو نہین کر سکتے، بو علی سینا کی کتاب حکمت علائیہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی نے فلسفیانہ مسائل اس حد تک لکھ دیے ہین کہ زبان کی کم مایگی کی شکایت نہین ہو سکتی، اور اگر متاخرین بھی اس کے نقش قدم پر چلتے تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زبان بن گئی ہوتی،

سکندر نامہ بحری مین اُنھون نے ایک خاص داستان سکندر اور حکمای یونان کی فلسفیانہ بحثون کے متعلق لکھی ہے، اس مین ارسطو، افلاطون، والیس، بلیناس، سقراط فرفوریوس (یا رفیرس) ہرمس کے اقوال اور رائین لکھی ہین، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کیے تھے، سکندر کی زبان سے اُن کے جوابات لکھے ہین ان تمام بحثون مین فلسفہ کی اصطلاحین فارسی مین ادا کی ہین، عربی الفاظ جا بجا آتے ہین لیکن اس حد تک کہ زبان نامانوس، اور دساتیر و ژند نہ بنجاے،

ایک ہندو حکیم نے سکندر سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہے؟ اسمین کہان سے تاثیر پیدا ہوتی ہے؟ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جاے تو اُس کی ترقی کا سبب ہوتا ہے بخلاف اس کے بد نظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اُسی کو نظر لگتی ہے، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھ سے شعاعین نکل کر اُس چیز پر پڑتی ہین،



شعاع ہَوا سے گذر کر اُس چیز تک پہنچتی ہے، اب ہَوا مین اگر سمیت ہے تو یہ شعاعین بھی اُس سے آلودہ ہو کر زہریلی ہو جاتی ہین، اور اُس چیز کو جا کر نقصان پہنچاتی ہین، اس سے قطع نظر کر کے کہ سوال و جواب دونون طفلانہ ہین، یہ دیکھو کہ نظامی ان باتون کو کن الفاظ مین ادا کرتے ہین،

دگر بارہ ہندو درآمد بہ گفت     گہر کرد با نوک الماس جفت
کہ بر چشم بد، شاہے دہ مرا     ز چشم بد، آگاہیے دہ مرا
چہ نیرو است، در جنبش چشم بد     کہ نیکوی خود را کند چشم زد
ہمہ چیز را کاز ما لش رسید     چو دیدہ پسندد، فزائش رسید
جز او را کہ ہر چہ پسند آورد     سر و گردنش زیر بند آورد
بہر حرفتے چون کہ دیدیم ژرف     درستی ندیدیم در ہیچ حرف
ہمین یک کماندار شد از نخست     بر آماج گہ تیر او شد درست

بگو تا چہ نیرو ست، نیروے او

جہاندار گفتا کہ طالع شناس     چنین آرد اندر وی معنی قیاس
کہ ہر ہر چہ گردد نظر جا بگیر     گزر بر ہواے کند ناگزیر
بر آن چیز کارد نظر تاختن     کند با ہوا را ی دم ساختن
بنہ چون در آرد بہ آن رخت گاہ     ہوا نیز باید بر آن رخنہ راہ
ہوا گر ہواے بود سود مند     در ارکان آن چیز ناید گزند
مزاج اگر بود زہرناک     بیندازد آن چیز را در مغاک
ہواے بدست آن کہ در چشم زد     بمارد بہ ہمراہیے چشم بد

موجودات کی ابتدا، اور اُن کی ترتیب، افلاک، عناصر، سلسلۂ علل، ان تمام بحثون کے متعلق، یونانی حکما کی رائین نقل کی ہین، اور ان تمام مباحث مین بہت کم

عربی کے الفاظ کو دخل دیا ہے،

**اخلاقی شاعری**

نظامی کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے، مخزن اسرار کے سوا جو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مثنویوں میں بھی جابجا اخلاقی ہدایتیں موقع بموقع لکھی ہیں، چنانچہ کسی صاحب ذوق نے، خاص اس قسم کے اشعار کو ان کے پنج گنج سے چُن کر یکجا جمع کر دیا ہے اور اخلاق کے ۳۰ عنوان قرار دے کر ایک ایک عنوان کے نیچے تمام مثنویوں کے وہ اشعار نقل کر دیے ہیں، جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے اس مجموعہ کا ایک نہایت خوشخط نسخہ، عالمگیری کتب خانے کا حیدرآباد میں دیکھا تھا،

**جذبات انسانی**

شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو نظامی نے جس رتبہ پر پہنچایا، اقلیم میں فردوسی کے سوا، اسکی نظیر نہیں مل سکتی، اور انصاف یہ ہے کہ فردوسی بھی اس خصوصیت میں اُنکی ہمسری نہیں کر سکتا، فردوسی نے جہاں جذبات کا اظہار کیا ہے معمولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے، بخلاف اسکے نظامی نہایت نازک، لطیف، اور دقیق پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً دارا جب زخمی ہو کر گرا ہے تو سکندر اُس کے پاس گیا ہے اور دارا نے اُس سے حسرت ناک باتیں کی ہیں، فردوسی نے اس موقع پر وہی معمولی افسوس اور عبرت کے کلمات ادا کر دیے ہیں، جو ہر شخص کے خیال میں آسکتے ہیں، لیکن نظامی کی نظر ان نازک اور دقیق نکتوں تک پہنچی ہے، جہاں ہر شخص کا وہم رسائی نہیں پا سکتا، دارا کوئی معمولی آدمی نہ تھا بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا شاہ اور شاہنشاہ تھا، شکست کھانے اور خود اپنے نوکروں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مرنیکا اسکو صدمہ ہے اور اس وجہ سے افسوس، حسرت، اور بیکسی کے خیالات اسکے دل میں ہجوم کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی شاہنشاہانہ ادعا، غرور اور تمکنت کا نشہ بھی سر میں ہے، اس لیے اسکے غمزدہ اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لہجہ میں ادا ہوتے ہیں، اس کی آہیں بھی نعرۂ جنگ ہیں، اُسکی پرحسرت نگاہیں بھی برق غضب ہیں، نظامی ان تمام



خصوصیات کو دکھاتے ہیں،

چو در موکب قلب دارا رسید — ز موکب روان ہیچ کس را ندید
تنِ مرزبان دید در خاک و خون — کلاہِ کیانی شدہ سرنگون
بہ بازوے بہمن برآسودہ مار — ز روئین دژ افتاد اسفندیار
بہارِ فریدون و گلزارِ جم — ز بادِ خزان گشتہ تاراجِ غم
نسب نامۂ دولتِ کیقباد — ورق بر ورق ہر سوے بردہ باد
سکندر فرود آمد از پشت بور — در آمد بہ بالین آن پیل زور
بہ بالین گہِ خستہ آمد فراز — ز درعِ کیانی گرہ کرد باز
سرِ خستہ را بر سرِ ران نہاد — شبِ تیرہ بر روزِ رخشان نہاد
چو دارا بر ویش نگہ کرد و دید — بہ سوزِ جگر آہ از دل کشید
چنین داد دارا بہ خسرو جواب — کہ بگذار تا سر نہم من بہ خواب
رہا کن کہ در من رہائی نماند — چراغِ مرا روشنائی نماند
سپہرم بدان گونہ پہلو درید — کہ شد در جگر پہلوم ناپدید
رہا کن کہ خوابِ خوشم مے برد — زمین آب و چرخ آتشم مے برد
سرِ سروران را رہا کن ز دست — تو مشکن کہ ما را جہان خود شکست
چو من زین ولایت کشادم کمر — تو خواہ افسر از من ستان خواہ سر
اگر تاج خواہی ربود از سرم — یکے لحظہ بگذار تا بگذرم
مبین سرورا در سرافگندگی — چنان شاہ را در چنین بندگی
درین بندم از زحمت آزاد کن — بہ آمرزشِ ایزدی یاد کن
چو گشت آفتابِ مرا روی زرد — نقابے بمن در کش از لاجورد
مگردان سرِ خستہ را از سریر — کہ گردون گردان برآرد نفیر

تو اے پہلوان کامد سوے من    نگہدار پہلوز پہلوے من
کہ باآن کہ پہلو دریدم چو میغ    ہمے آید از پہلوم بوے تیغ
چو دستے کہ با مادر آزی کنی    بتاج کیان دستبازی کنی
نگہدار دستت کہ دارا ست این    نہ پنہان چو روز آشکار ست این
زمین را منم تاج تارک نشین    مجنبان مرا تا نہ جنبند زمین

اس واقعہ کو بعینہٖ فردوسی نے بھی لکھا ہی، لیکن زدرا دراثر نہین، چنانچہ اس موقع کے اشعار ہم درج کرتے ہین،

برآنم کہ از پاک دادار خویش    بیابی تو پاداش گفتار خویش
یکے آن کہ گفتی کہ ایران تراست    سر تاج و تخت دلیران تراست
بمن مرگ نزدیک تر زانکہ تخت    بپرداخت تخت از نگون گشتہ بخت
برین است فرجام چرخ بلند    خرامش ہمہ رنج و سرِ دش گزند
بہ دیگر تا گوئی کہ من    فزونم از ین نامدار انجمن
بدو نیک ہر دو ز یزدان شناس    وز و دار تا زندہ باشی سپاس
نمودار گفتار من، من بسم    برین داستان عبرت ہر کسم
کہ چندان بزرگی و شاہی و گنج    مرا بود داز من نبد کس برنج
ہمان نیز چندان سلیح و سپاہ    گران مایہ اسپان و تخت و کلاہ
ہمان نیز فرزند و پیوستگان    چو پیوستگان داغ دلخستگان
زمین و زمان بندہ بد پیش من    چنین بود تا تخت بد خویش من
چو از من ہمان بخت بیگانہ شد    ہمہ کاخ و ایوان چو ویرانہ شد
نہ تنگی جدا ماندہ ام زین نشان    گرفتار در دست مردم کشان
ز فرزند و خویشان شدہ نا امید    سیہ شد جہان دیدگانم سفید



ہوتے جاتے تھے، زبان کے انقلاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روش بھی بدل گئی تھی، استعارات اور تشبیہات مین لطافت و نزاکت آگئی تھی طبیعتین مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھین، ان باتون سے شاہنامہ کی عالمگیر آواز دھیمی پڑنے لگی تھی، قصے زبانون پر رہ گئے تھے لیکن اشعار بھولتے جاتے تھے، اس بنا پر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لیے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تھی جو سکندر نامہ کے قالب مین نمودار ہوا،

سکندر نامہ کے ہیرو کے انتخاب مین غلطی ہوئی، لیکن مجبوری تھی، قومی تاریخ فردوسی کے حصہ مین آچکی تھی، رسول اللہ صلعم کے غزوات اور خلفاء کے معرکون مین شاعری کی گنجائش کم تھی کیونکہ اصلیت سے بال برابر بھی ہٹتے تو مذہبی عدالت مین مجرم قرار پاتے اور شاعری کے لیے کچھ نہ کچھ آب و رنگ چڑھانا ضرور تھا خود کہتے ہین،

چو نظم گذارش بود راہ گیر    غلط کردن رہ بود نا گزیر
مرا کار با نغز گفتار یست    ہمہ کار من خود غلط کار یست
و گر بے شگفتی گزاری سخن    ندارد نوی نامہ ہاے کہن

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کسی مشہور کشورستان کی داستان اختیار کی جاے، اس حیثیت سے سکندر کا کوئی ہمسر نہ تھا، ایشیا اور یورپ دونون اسکو مانتے تھے البتہ یہ افسوس ہی کہ نظامی نے مذہب ملا دیا، یعنی ذوالقرنین کو سکندر بنا دیا جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہی،

سکندر نامہ مین اگرچہ شاعری کے محاسن بہت زیادہ ہین، با این ہمہ شاہنامہ کے برابر مقبول نہو سکا، اس کے خاص اسباب ہین،

۱۔ سکندر نامہ مین اکثر جگہ تعقید ہی، جو بات کہنا چاہتے ہین، اس طرح صاف صاف نہین کہہ سکتے کہ زبان سے نکلنے کے ساتھ دل مین اُتر جاے، یہی وجہ ہے

کہ کثرت سے شرحین اور حاشیے لکھے گئے، اسپر بھی بہت سے مقامات لاینحل رہ گئے اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنانا پڑا،

۲- کتاب کا ہیرو ایک غیر شخص یعنی سکندر تھا، اس لیے ایرانیون کو اُس کے واقعات سے ایسی دلچسپی اور محبت نہین ہوسکتی تھی جو خود اپنی قوم سے ہوسکتی تھی، شاہنامہ کے مقبول ہونیکا بڑا گُر یہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی،

۳- تمام کتاب مین صرف ایک شخص کی داستان ہی، پڑھنے والا اُکتا اُکتا جاتا ہی بخلاف اس کے شاہنامہ مین سیکڑون اشخاص کے واقعات اور گوناگون حالات ہین ایک غذا سے جی گھبرائے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہین،

۴- تمام کتاب مین کوئی دردانگیز اور عبرت خیز واقعہ نہین ہی، بخلاف اسکے شاہنامہ مین رستم و سہراب، منیزہ و بیژن، جمشید و ضحاک، کی داستانین نہایت پُراثر اور حسرت آمیز ہین،

باوجود ان تمام باتون کے سکندرنامہ نے جو قبولیت حاصل کی تعجب انگیز ہی، شاہنامہ کے سوڈیڑھ سو ہی برس بعد سکندرنامہ لکھا گیا اور شہرت عام پا گیا، سکندرنامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا، اس مدت مین اس طرز پر بیسون کتابین لکھی گئین[1] لیکن ان کا نام بھی کوئی نہین جانتا، سکندرنامہ جامی، آئینہ اسکندری، ہمای ہمایون، اکبرنامہ سلیمان نامہ ان کا نام کس نے سُنا ہی؟

رزمیہ نظم کا یہ اصول ہی کہ پہلے حربی باجون کے بجنے، دار و گیر، ہنگامہ، شور و غل اور عام ہل چل کا نقشہ کھینچا جائے پھر فوجون کی حملہ آوری، زور و شور، جوش و خروش کا ذکر کیا جائے، پھر آلات جنگ یعنی تیر و کمان، تیغ و سنان، نیزہ و خنجر کی کارستانیان دکھائی جائین پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ مین آنا، رجز پڑھنا، مبارز طلب ہونا، حریف

[1] یہ سب مثنویان سکندرنامہ کی طرز پر اور اس کے جواب مین لکھی گئی ہین،



سے لڑنا، داؤن پیچ کرنا، مرنا یا مارنا، ان باتون کا ذکر کیا جائے، اور اس طرح کیا جائے کی کہ میدان جنگ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے، سکندرنامہ مین یہ سب باتین ہین اور کمال کے درجہ پر ہین،

حربی باجون کا ذکر،

در آمد بہ غرّیدن آواز کوس | فلک بر دہان دہل داد بوس
زغرّیدن کوس خالی دماغ | زمین لرزہ اُفتادور کوہ وراغ
چنان آمد از نائے ترکی خروش | کہ از نالہ‌ ہائے ترکان برآورد جوش
برآورده خرمہره آواز شیر (ناقوس) | دماغ از دم گاؤدُم گشت سیر (ترنا)
طرقّے کہ از مقرعہ خواستہ (تڑکنے کی آواز / تازیانہ) | برون رفت زین طاق آراستہ
زبیم چقاچق کہ آمد ز تیر | کفن گشت در زیر جوشن حریر

*حاشیہ:* ہنگامۂ جنگ

روا رو برآمد ز راہ نبرد | ہزاہز در آمد بہ مردان گرد
ز جنبش در آمد دو دریائے خون | شد از موج آتش زمین لالہ گون
زمین گفتی از یک دگر بردرید | سرافیل صور قیامت دمید
یکے گفت ہوی و دگر گفت ہان | برآورد سر، ہای و ہوی از جہان
جگر تاب شد نعرہ ہائے بلند | گلوگیر شد حلقہائے کمند
سپاہ از دو جانب صف آراستہ | زمین آسمان وار برخاستہ
زسُم ستوران دران پہن دشت | زمین شش شد و آسمان گشت ہشت
فرو رفت و بر رفت روز نبرد | نم خون بہ ماہی و بر ماہ گرد
زبس گرد بر تارک و ترک و زین | زمین آسمان، آسمان شد زمین
چنان گرم گشت آتش کارزار | کہ از نعل اسپان برآمد شرار
زبس خون کہ گرد آمد اندر مغاک | چو گوگرد سُرخ آتشین گشت خاک

زغریدن ژنده پیلان مست / گره در گلوی هژبران شکست
زمین کو بساطے بد آراسته / غباری شد از جاے برخاسته
ز پولاد پیکان پیکر شکن / تن کوه لرزید بر خویشتن
پر ر با پسر کین بر آراسته / محابا شده مهر برخاسته
ستون علم جامه در خون زده / نجات از جهان خیمه بیرون زده
ز شمشیر برگشته جاے نبود / که در غار را اژدهاے نبود — جنگ
نهنگ خدنگ از کمین کمان / نیاسود بر یک زمین یک زمان
کمند اژدهاے سلسل شکنج / دهن باز کرده به تاراج گنج
ز بس برد سن ملیج انداختن / نفس را نه راه برون تاختن
ز نیزه نیستان شده روی خاک / ز گوپالها کوه گشته مغاک
سنان در سنان بسته چون نوک خار / سپر بر سپر بسته چون لاله زار
نهنگان شمشیر جوشن گداز / به گردن کشی گرده گردن فراز
برابر در آمد کمان را شکنج / شتابان شده شیر چون مار گنج
ز روسی در آمد به ناورد گاه / یکے شیر پرطاس[1] روئین کلاه
مبارز طلب کرد و جولان نمود / به نام آوری خویشتن را ستود
که پرطاسیان را درین خام چرم / به پرطاسی من شود پشت گرم — رجز
پلنگان درم بر سر کوهسار / نهنگان خورم بر لب جویبار
درشتم به چنگال و سختم بزور / به حمله درم پهلوی نره گور
سنانم ز پهلو در آید به ناف / دروغی نمی گویم اینک مصاف
همه خون خام است نوشیده ام / همه چرم خام است پوشیده ام

[1] پرطاس ایک مقام کا نام ہے،



شه گردنان شاه گردون گراے / زره کار موکب تهی کرد جاے
زده بر میان گوهر آگین کمر / در آورد پولاد هندی به سر
به تن بر یکے آسمان گون زره / چو مرغول زنگی گره در گره
یمانی یکے تیغ زهراب جوش / حمائل فرو هشته از طرف دوش — اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہوکر حملہ کرنا
به کبک دری چون در آید عقاب / چگونه جهد بر زمین آفتاب
از آن تیز تر خسرو پیل تن / به تندی در آمد بر آن اهرمن
بزد بانگ بروی که اے زاغ پیر / عقاب جوان آمد آرام گیر — جنگ
نخستین هنرے که تدبیر کرد / بر آن تیره دل بارش تیر کرد
چو دو خصم را نامد از تیر باک / زننده شد از تیر خود خشمناک
یکے خشت پولاد الماس رنگ / برآورد و زد بر دلاور نهنگ
ز سختی که تن را بهم در فشرد / بر آن خاره شد پولاد خرد
دگر خشتے انداخت زان تیز تر / بر آن گشتنی هم نه شد کارگر
چو دانست کان دیو آهن سرشت / نیندیشد از حربهٔ تیز و خشت
نهنگ جانوز را بر کشید / سوے اژدهاے دمنده دوید
زدش بر کتف گاه و بردش ز جاے / چنان کان ستمگر در آمد ز جاے

لیکن انصاف یہ ہی کہ نظامی، فردوسی کی طرح، خاص لڑائی کے داؤن پیچ اور فنون جنگ کی تصویر اچھی طرح نہیں کھینچ سکتے،

**نظامی اور فردوسی کا موازنہ**

اگرچہ انصاف یہ ہی کہ نظامی فردوسی کے ہمپایہ نہین مین، تھوڑا سا شیرین پانی لیکر، بار بار چھانا جائے، مقطر کیا جائے، اور پھر کسی خوشرنگ خوشنما گلاس مین رکھا جائے تو اُسکی شیرینی، خوشگواری، صفائی اور خوشنمائی مین کیا شک ہی، لیکن ایک صاف شیرین قدرتی چشمہ، جو پہاڑ کے دامن سے نکل کر بہتا چلا جاتا ہی،

اُس سے کیا نسبت، تاہم دونون کا انداز کلام، دکھانے کے لیے ہم چند مشترک عنوانون کے اشعار نقل کرتے ہین اور اُن کا فرق دکھلاتے ہین،

سکندر کا قاصد بنکر نوشابہ کے دربار مین جانا، سکندر نامہ کی مشہور داستان ہے، یہی قصہ شاہ نامہ مین بھی ہے، فرق یہ ہے کہ شاہنامہ مین نوشابہ کے بجاے قیدافہ کا نام ہے جو اندلس کا بادشاہ تھا، باقی حالات مشترک ہین یعنی بادشاہ نے سکندر کو پہچان لیا ہے اور اُس سے اُس کا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے بادشاہ اُس کی تصویر منگا کر سامنے رکھ دیتا ہے کہ اپنے چہرہ سے ملالو، سکندر سخت مضطرب ہوتا ہے بادشاہ اُس کو تسلی دیتا ہے کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے،

## فردوسی

چو قیدافہ را دید بر تخت عاج
زیاقوت و پیروزہ برسرش تاج
ز زربفت پوشیدہ چینی قباے
فراوان پرستندہ پیشش بپاے
رخ شاہ تابان بہ کردار ہور
شستنگہش راستون ہا بلور
پرستندہ با طوق و با گوشوار
بپا اندران گلشن زرنگار
فراوان نہان، نام یزدان بخواند
شگفتنگیے دید، قیصر کہ نیز
نیامد ور از روم و ایران بچیز

## نظامی

برآراست نوشابہ درگاہ را
بزر در گرفت آہنی راہ را
پریچہرگان را بصد گونہ زیب
صف اندر صف آراست آن دلفریب
برآمود گوہر بہ مشکین کمند
فرو ہشت بر گوہر آگین پرند
براورنگ شاہنشہی برنشست
بفرمود کائین بجاے آورند
فرستادہ را در سراے آورند
فرستادہ از در آمد دلیر
سوے تخت شد چون شتابندہ شیر



بدر مہتر اندر زمین داد بوس
چنان چون بود مردم چاپلوس
درا دید قیدافہ بشناختش
بپرسید بسیار و بنواختش
بمے خوردن اندر، گران مایہ شاہ
فزون کرد، سوی سکندر نگاہ
بگنجور گفت آن درفشان حریر
نبشتہ بر و صورت دلپذیر
بپیش من آور چنان ہم کہ ہست
بتندی بروہیچ پیسا۱ مے دست
بیاورد گنجور و بنہاد پیش
چو دیدش نگہ کرد ز اندازہ بیش
بچہر سکندر نکو بنگرید
ازان صورت او را جدائی ندید
بدانست قیدافہ کاو قیصر است
بران لشکر نامور مہتر است
بدو گفت کاے مرد گسترد و کام
بیاتا چہ دادت سکندر پیام
چنین داد پاسخ کہ شاہ جہان

کمربند شمشیر بکشاد باز
برسم رسولان نبردش نماز
نہانی دران قصر زیبندہ دید
بہشتی سراے فریبندہ دید
ز بس گوہرین گوش گردن کشان
شدہ چشم بینندہ گوہر فشان
ز تابندہ یاقوت درخشندہ لعل
خرامندہ را آتشین گشت نعل
گہر کان و دریا بہم تاختند
ہمہ گوہر اینجا برانداختند
زن زیرک از سیرت شان او
دران داوری شد ہراسان او
کہ این کاردان مرد آہستہ راے
چرا شرط خدمت نیارد بجاے
ز سر تا قدم دید در شہریار
زر پختہ را بر محک زد عیار
چو نیکو نگہ کرد بشناختش
بتخت خود آرامگہ ساختش
سکندر بہ رسم فرستادگان

۱؎ یعنی بے احتیاطی سے ہاتھ نہ لگانا،

## فردوسی

سخن گفت با من میان مهان
که قیدافه پاک دل را بگوی
که جز راستی در زمانه مجوی
اگر سر نه پیچی ز فرمان من
نگهدار بیدار پیمان من
دگر هیچ تاب اندر آری بدل
بیارم یکی لشکری دل گسل
بر آرم دمار از همه لشکرت
به آتش بسوزم همه کشورت
بدو گفت کای زاده فیلقوس
همت رزم بزم ست و هم نعم و بوس
دلیر آمدی پیش من باژ خواه
ندانم ترا اینکه بنمود راه
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پر ز درد و رخان لاجورد
بدو گفت کای مهتر پر خرد
چنین گفته از تو نه اندر خورد
منم بیطقون کد خدای جهان
جز این بچه فیلقوسم مخوان
بدو گفت قیدافه کز داوری

## نظامی

نگه داشت آئین آزادگان
پس آنگه گذارش گرفت از پیام
که شاه جهان داور نیکنام
چنین گفت کای داور نامجوی
ز نام آوران جهان برده گوی
چه افتاد کز ما عنان تافتی
سوی ما تو یک روز نشتافتی
ز بونی چه دیدی که توسن شدی
چه بیداد کردم که دشمن شدی
چو من ره درین مملکت ساختم
بر او سایهٔ دولت انداختم
کمر چون نه بستی بدرگاه من
چرا روی پیچیدی از راه من
به پاسخ نمودن زن هوشمند
ز یاقوت بسته بگشاد بند
که صد آفرین بر تو شاه دلیر
که پیغام خود خود گزاری چو شیر
چنان آیدم در دل ای پهلوان
که با این سر و سایهٔ خسروان
میانجی نهٔ شاه آزادهٔ



بست را ببرداز کاسکندری
بیاورد و بنهاد پیشش حریر
نوشته بر و صورتی دلپذیر
که گر هیچ جنبش بدی در نگار
نبودی جز اسکندر شهریار

فرستندهٔ نه فرستادهٔ
پیام تو چون تیغ گردن زند
گر از مهره کین تیغ بر مین زند
ز تیغ سکندر چه رانی سخن
سکندر توئی چارهٔ خویش کن
مرا خواندی و خود بدام آمدی
نظر پخته تر کن که خام آمدی
جهاندار گفت ای سزاوار تخت
بشو دهش کمن جز به فرمان بخت

## نظامی

سکندر محیط است و من جوی آب / نه تهمت ساید بر آفتاب
بدرگاه او پیش از آن ست مرد / که او را قدم رنجه بایست کرد
دگر بار نوشابهٔ هوشمند / ز نوشین لب خویش بگشاد بند

## نظامی

گزین بیش بر دلفریبی مباش / به ناراستی یکر کیبی مباش
پیامت بزرگ است و نامت بزرگ / نهفته مکن شیر در چرم گرگ
فرستاده را نیست این دسترس / که با ما به تندی بر آرد نفس
نه جباری خویش را گم کند / نه در پیش من پشت را خم کند
جوابش چنین داد شاه دلیر / که ناید ز روباه پیغام شیر
اگر من چه چشم تو نام آورم / سکندر نیم زد پیام آورم
اگر در میانجی دلیر آمدم / نه از روبه از نزد شیر آمدم

برآشفت نوشابہ زان خیرہ دل
بفرمود کار دکیزے دوان
یکے گوشہ از شقہ آن حریر
بہ بین تا نشان رخ کیست این
اگر پیکر تست چندین مکوش
سکندر بفرمان او ساز کرد
بعینہ درو صورت خویش دید
بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ

کہ پوشید خورشید راز پر گل
حریرے برو پیکر خسروان
برو داد کین نقش بردست گیر
درین کارگاہ از پے چیست این
بہ ابروی خود آسمان را مپوش
حریر نوشتہ ز ہم باز کرد
ولایت بدست بد اندیش دید
بدارائے خود برد خود را پناہ

(۱) سب سے پہلے اس پر نظر ڈالو کہ جہان ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ ایک ہی بات کو دونون نے لکھا ہو وہان بھی بندش الفاظ کے لحاظ سے کسقدر فرق ہے، نظامی کی ترکیبون کی چستی، قافیون کی بلندی، فقرون کے در و بست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہو کہ گویا شیر گونج رہا ہو، اسکے مقابلہ مین فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتا ہے جسطرح کوئی پراتم بڈھا پیرانہ لہجہ مین ٹھہر ٹھہر کر باتین کرتا ہو، ان اشعار کا مقابلہ کرو،

**فردوسی**

ز زربفت پوشید چینی قبائے
فراوان پرستندہ پیشش بپاے
برہستر اندر زمین داد بوس
چنان چون بود مردم چاپلوس
سکندر بدان در شگفتی بماند
فراوان نہان نام یزدان بخواند
بہ مے خوردن اندر گران مایہ شاہ

**نظامی**

پری چہرگان را بصد گونہ زیب
صف اندر صف آراست آن دلفریب
سکندر بہ رسم فرستادگان
نگہ داشت آئین آزادگان
نہانے دران قصر زیبندہ دید
بہشتی سرائے فریبندہ دید
ز سر تا قدم دید در شہریار۔



فرودن کرد سوے سکندر نگاہ
بگنجور گفت آن درفشان حریر
نشستہ برو صورتے دلپذیر
کہ قیدافہ پاک دل را بگوے
کہ جز راستی در زمانہ مجوے
دلیر آمدی پیش من باز خواہ
ندانم ترا اینکہ بنمود راہ
بدو گفت قیدافہ کز داوری
لبت را بپرداز کا سکندری
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پر ز درد و رخان لاجورد
منم بیطقون کدخدائے جہان
جز این بچہ فیلقوسم مخوان

زر پختہ را بر محک زد عیار
یکے گوشہ از شقہ آن حریر
برو داد کین نقش بردست گیر
چنین گفت کاے داور نامجوی
ز نام آوران جہان بردہ گوے
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر
سیاہنجی نہ شاہ آزادہ
فرستندہ نہ فرستادہ
بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ
بدارائے خود برد خود را پناہ
سکندر محیط است و من جوی آب
منہ تہمت سایہ بر آفتاب

(۲) انہی اشعار مین بلاغت کا فرق دیکھو،

**فردوسی**

فراوان پرستندہ پیشش بپاے

**نظامی**

صف اندر صف آراست آن دلفریب

فردوسی کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہو کہ غلامون اور لونڈیون کا ہجوم تھا، اور سب کھڑے تھے، لیکن نظامی کے بیان سے اُن کا باقاعدہ صف بصف ایستادہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہو "آراست" کے لفظ نے اس خصوصیت کو روشن اور خوشنما کر دیا ہو،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| برمهتر اندر زمین داد بوس | سکندر به رسم فرستادگان |
| چنان چون بود مرد م چاپلوس | نگه داشت آئین آزادگان |

فردوسی نے سکندر کی شان کا کچھ لحاظ نہین رکھا، زمین چومنا خوشامدیون کا شیوہ ہر فردوسی کو اسپر بھی قناعت نہین، بلکہ کھول کر کہتا ہر کہ سکندر نے اس طرح زمین چومی جسطرح خوشامدی چوما کرتے ہین، نظامی نے اگرچہ "برسم فرستادگان" کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہر کہ سکندر نے قاصدون کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا، تاہم دوسرے مصرع مین دفع دخل بھی کر دیا کہ اس حالت مین بھی اپنی آن بان نہین چھوڑی،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| سکندر بدان در شگفتی بماند | نہانے دران قصر زیبندہ دید |
| فراوان نہان نام یزدان بخواند | بہشتی سرائے فریبندہ دید |

فردوسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہر کہ سکندر بالکل ندیدہ تھا، دربار کے ٹھاٹ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا، نظامی نے مکان اور ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہر لیکن اسی قدر کہ وہ کنکھیون سے دیکھتا جاتا تھا،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| فزون کرد سوئے سکندر نگاہ | ز سر تا قدم دید در شہریار |

فزون نگاہ کردن سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہر کہ قیدافہ سکندر کو بڑی دیر تک دیکھتا رہا ممکن ہر کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اسکی نظر جمی رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کے لیے کافی نہین، اکثر ایسا ہوتا ہر کہ دو آدمیون کے



چہرے ملتے جلتے ہوتے ہین، لیکن اور اعضا مین فرق ہوتا ہر، بخلاف اسکے نظامی کے بیان سے ثابت ہوتا ہر کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پانون تک دیکھا، یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ڈیل ڈول رنگ و روپ، سج دہج کو بھی دیکھا جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ سکندر ہر،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| کہ قیدافہ را پاک دل را بگوے | چنین گفت کاے داور نامجوی |
| کہ جز راستی در زمانہ مجوے | ز نام آوران جہان بردہ گوی |

قاصد کا بادشاہ کے دربار مین بادشاہ کا نام لینا، اور پھر فوراً تنبیہ اور نصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہر، اس لیے نظامی نے نام نہین لیا بلکہ داور نامجو کے لفظ سے خطاب کیا اور اسکے ساتھ مدحیہ الفاظ اضافہ کیے،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| دلیر آمدی پیش من باژ خواہ | کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر |
| ندانم ترا این کہ نبود راہ | کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر |

فردوسی نے اس بات کو کہ قیدافہ نے سکندر کو پہچان لیا نہایت بے مزہ طریقہ سے بیان کر دیا ہر، اسکے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہین کس نے تم کو یہ طریقہ سکھایا، اور بھی بدتہذیبی ہے، بخلاف اسکے نظامی اسی بات کو اس طرح ادا کرتے ہین، جس سے ظاہر معلوم ہوتا ہر کہ نوشابہ کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہین کہ مین نے آپ کو پہچان لیا بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے اور بے اختیار تعریف کرتی ہر،

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| سکندر ز گفتار او گشت زرد | تر سید و شد رنگ رویش چو کاہ |
| روان پر ز درد و رخان لاجورد | بہ دارائے خود برد خود را پناہ |

اس قدر مضمون دونون کے ہان مشترک ہو کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسکو پہچان لیا، تو وہ ڈرا اور متردد ہوا، لیکن **فردوسی** نے اس کے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا جو سکندر کی شان سے بالکل بعید ہو، "روان پُر ز درد و رخان لاجورد"، **نظامی** کے بیان سے بھی اسقدر معلوم ہوتا ہو کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا اور دل مین خدا سے دعا مانگی کہ اس خطرہ سے بچ جاے، لیکن اتنا بھی بدحواس نہین ہوا کہ دل مین ٹیس اُٹھنے لگی، فردوسی نے پہلے مصرع مین سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا، لیکن اسپر بھی تسلی نہین ہوئی اور دوسرے مصرع مین پھر کہنا پڑا "رخان لاجورد"

(۳) اب عام طرح پر نظر ڈالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جاے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (پلین) کیونکر قائم کرتا ہو، اور یہ بلاغت کا پہلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہو،

**فردوسی** نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہو اُسمین متعدد ناموزونیان ہین

(۱) سکندر قاصد کے لباس مین خوشامدیون کی طرح دربار مین آداب بجالاتا ہو،

(۲) دربار کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہو، گویا کبھی شاہانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا،

(۳) حالانکہ سکندر کی رفتار گفتار طور و طریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہین ہوئی تھی جس سے اس احتمال کی طرف ذہن جاے کہ یہ خود سکندر ہو تاہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہو اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھتا ہو، اس لیے **نظامی** نے اس کا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصدون کی طرح سجدہ نہین کیا تھا اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد اس دلیری اور جرأت سے ادا نہین کر سکتا تھا، اس حالت مین شبہ پیدا ہونا ضرور تھا، اور شبہ کو اس لیے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصویر اُسکی نظر سے گذر چکی تھی،

(۴) **قیدافہ** نے سکندر کے سامنے ہی تصویر منگا کر دیکھی، حالانکہ جب مخفی طور سے





سکندر کو پہچاننا مقصود تھا، تو سکندر کے سامنے تصویر منگوا کر دیکھنا نہ چاہیے تھا،

(۵) سکندر جب قاصد کی حیثیت سے پیغام ادا کرتا ہو تو معلوم ہوتا ہو کہ آداب شاہی سے ناواقف ہو، اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہو، اس کے علاوہ پہلے ہی سخت کلامی شروع کر دینی، نہایت بد تہذیبی ہو،

به آتش بسوزم همه کشورت　　برآرم دمار از همه لشکرت

(۶) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہو تو اُس کو سکندر کا نام بڑی تعظیم و تکریم سے لینا چاہیے تھا، لیکن وہ سکندر کو بچہ فیلقوس کے خطاب سے یاد کرتا ہو،

ع جز این بچہ فیلقوس[1] مخوان،

اس کے مقابلہ مین **نظامی** نے جسطرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہو وہ یہ ہو، نوشابہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہو تو اُس نے بڑے ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا، خود بن ٹھن کر ہاتھ مین ایک ترنج لیے ہوے تخت شاہی پر بیٹھی سامنے پری چہرہ کنیزین صف باندھ کر کھڑی ہوئین پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر دربار مین آیا تو آداب شاہی کے موافق کمر بند سے تلوار کھولکر رکھدی لیکن سجدہ نہین کیا اس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ مگ کر رہا تھا، اس کو نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ مین ادا کیا ہو،

خراسنده را آتشین گشت نعل　　ز تابنده یاقوت و رخشنده لعل.

همه گوهر آن جا بر انداختند　　گمر کان و دریا بهم تاختند

قاصد کے شاہانہ طرز کلام سے نوشابہ کو شبہ کو ہوا کہ یہ خود سکندر ہو، خوب غور سے دیکھا تو یقین ہو گیا، قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا کہ شہنشاہ نے کہا ہو کہ ہماری

[1] اس بیان مین فردوسی اور نظامی کے اشعار مکرر آگئے ہین لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکے لیے ایسا کرنا ضروری تھا

طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعتنائی کی، آج تک تم دربار مین نہ آئے، ہم ان اطراف مین بھی آئے لیکن تم نے ادھر رُخ نہ کیا؛

نوشابہ نے کہا کہ آپ کی جرأت پر صد ہزار آفرین ہو کہ آپ اپنا پیغام ادا کرتے ہین آپ کی باتین تلوار کا کاٹ کرتی ہین، یہ تلوار اور کس کی مجال ہو کہ مجھ پر چلائے سکندر انکار کرتا ہو کہ مین سکندر نہین، پھر اُس کی نہایت عمدہ توجیہین بیان کرتا ہو کہ کجا سکندر کجا مین، سکندر کے دربار مین آدمیون کی کیا کمی ہو کہ خود قاصد بنکر آتا، اس موقع پر نوشابہ و سکندر کے سوال و جواب کو نہایت بلیغ انداز مین طول دیا ہو، آخر نوشابہ جھلاکر سکندر کی تصویر منگوا کر اُس کو دکھلاتی ہو، اور سکندر لاجواب ہوکر رہ جاتا ہو، اسکے ساتھ خطرہ کے خیال سے اُس کے چہرہ کی رنگت زرد پڑجاتی ہو،

اس تمام سلسلہ مین کہین سے کوئی کسر نہین، تمام واقعات اصلیت اور نیچر کے مطابق ہین، اسکے ساتھ فصاحت و بلاغت، تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور لطافت، الفاظ کی شان و شکوہ، ان تمام باتون نے اس داستان کو سحر سامری بنادیا ہو، نظامی اور فردوسی مین یہ فرق اور بہت سے موقعون پر نظر آتا ہو، لیکن طول کے لحاظ سے ہم قلم انداز کرتے ہین، سکندر و دارا کی گفتگو اوپر گذر چکی ہو، اسکو اس موقع پر ایک بار اور دیکھ لینا چاہیے، ان سب باتون پر بھی فردوسی فردوسی ہو اور نظامی نظامی،

---



# چند ضروری باتین

۱- شعر العجم کے ۴ حصون مین سے یہ پہلا حصّہ جو شائع ہو رہا ہو، اسمین صرف قدیم شعرا کے حالات اور اُن کی شاعری سے بحث ہو، دوسرا اور تیسرا حصہ مطبع مین جا چکا ہو، پہلے حصّہ کی تالیف مین اگرچہ تدقیق اور محنت مین کچھ کمی نہین کی گئی لیکن مجھکو صاف کہنا چاہیے کہ یہ حصہ اور تمام حصون کی بہ نسبت کم دلچسپ ہو جسکی وجہ یہ ہو کہ اس قسم کی تصنیف کی دلچسپی یا شعرا کے حالات سے ہو سکتی تھی یا اُن اشعار سے جو جابجا مثال مین پیش کیے جاتے ہین، قدیم شعرا کے حالات، کم ملتے ہین، اور یہ حصہ قدما ہی تک محدود ہو، دقیقی، عنصری، نظامی بہت بڑے رتبہ کے شاعر ہین لیکن ان کے حالات اور واقعات اس قدر کم ہین کہ مجبوراً چھوٹی چھوٹی باتون کو لیکر پھیلانا پڑا ہو، قدما مین سے دور اوّل کی زبان، آج بالکل نامانوس ہے، دقیقی، فردوسی، منوچہری، عنصری، کے متواتر دو شعر بھی آج کل کی زبان مین نہین ملتے، اس کے علاوہ اُن کی شاعری مین عشق کی چاشنی گویا ہے ہی نہین، اس لیے اُن کے کلام مین آج کل کے لوگون کو مزا نہین آسکتا،

غرض یہ حصّہ چندان تفریح اور تفنّن کے کام کا نہین، اس کو ایک علمی خشک مضمون کی حیثیت سے پڑھنا چاہیے، باقی حصّے البتہ دلچسپ، بامزہ اور رنگین ہین،

۲- چونکہ کتابون کی تفحص اور تلاش کا سلسلہ اب تک قائم ہو اور بعض بعض نادر کتابین اس حصّہ کی تصنیف کے بعد ہاتھ آئین اس لیے وہ معلومات جو ان کتابون سے ہاتھ آئے اب چوتھے حصے کے کام آئین گے، مثلاً تمام تذکرون مین مذکور ہو کہ ایران مین سب سے پہلے بہرام گور نے شعر کہا اور وہ یہ تھا،

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یله ۔۔۔ نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ

لیکن مین نے اس روایت کو اس لیے نظر انداز کیا تھا کہ اول تو یہ اس زمانہ کی زبان

نہیں ہوسکتی دوسرے یہ کہ بہرام کے کلام مین ابوجہلا عربی لفظ کیون آتا، لیکن لب اللباب عوفی کی پہلی جلد کتاب کی تصنیف کے بعد چھپکر یورپ سے آئی تو اسکے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بہرام گور عرب مین پلا تھا، اور عربی زبان مین شعر کہتا تھا چنانچہ عوفی نے اس کا عربی دیوان خود دیکھا تھا لب اللباب مین یہ شعر کسی قدر تغیّر کے ساتھ مذکور ہے جس سے اسکی ساخت اور زبان دونون پر اثر پڑتا ہی،

٣- دنیا مین ناممکنات کی ابتک جو فہرست تیار ہوچکی ہی، اسمین ایک نمبر "کتاب کا صحیح چھپنا" بھی اضافہ کرنا چاہیے، یہ مصیبت، مدت سے مجکو پیش آتی ہی لیکن علاج کی کوئی صورت نہیں نکلتی، کاپیون اور پروف کی تصحیح چندان کام نہیں دیتی چھپنے مین حرف کچھ سے کچھ ہوجاتے ہین کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لگانا بھی بیکار ہے غلط نامہ سے کتاب کو مطابق کرکے تصحیح کرنا اتنی بڑی زحمت کون اُٹھائے اسی بنا پر مین نے کبھی اس کا قصد نہیں کیا، لیکن شعر العجم فارسی لٹریچر کا آئینہ ہی اسکی غلط بیانی کا اثر خود زبان پر پڑ سکتا ہی اس لیے چارو ناچار مین خود زحمت اُٹھاتا ہون اور احباب کو بھی زحمت دیتا ہون، خفیف غلطیان تو اس قدر ہین کہ سب کا احصا کردن تو ایک اور کتاب تیار ہوجائے اس لیے موٹی موٹی غلطیان لکھدی ہین، ایک عام غلطی یہ ہی کہ بین السطور مین جہان کہین مین نے کسی لفظ کے نیچے اس کے معنے لکھ دیے ہین کاتب صاحب وہان سے ہٹا کر کسی دوسرے لفظ کے نیچے وہ معنے لکھدیتے ہین، اور اُس سے مصنّف کی سخت جہالت ثابت ہوتی ہی،

ایک جگہ اہل مطبع نے نہین بلکہ مین نے خود سخت غلطی کی ہی جس سے فردوسی کی شاعری پر حرف آتا ہی اس لیے نہایت ندامت کے ساتھ فردوسی سے اسکی معافی چاہتا ہون، اس کتاب کے صفحہ ١٣٥ سطر ١٢ مین یہ عبارت ہی،

"صلاح و مشورہ کے لیے لوگ جمع ہوئے ہین، اس مین کھانا بھی سامنے آگیا ہی لوگ کھاپی کر اُٹھ کھڑے ہوے، اسکو اسطرح ادا کرتا ہی، بے مشورہ مجلس آراستند"